مقالاتِ سعیدی

افاداتِ فکر

حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

مقالاتِ سعیدی

از رشحاتِ فکر

حضرت علامہ مولینا غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

فرید بک سٹال ۰ اردو بازار۔ لاہور

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : مقالاتِ سعیدی

تالیف : علامہ غلام رسول سعیدی

کتابت : محمد ادریس، وار برٹن، شیخوپورہ

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

الطبع السادس : ستمبر ۱۹۹۶ء

الطبع السابع : ربیع الاول ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء

مطبع : ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

ہدیہ : -/150 روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر faridbooks@hotmail.com

marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	فہرست	
۱	انتساب	۱۶
۲	معروضہ	۱۷
۱	**توحید و رسالت**	۱۹
	الوہیت	۲۱
۱	انقطاع اسباب سے استدلال	۲۲
۲	طبعی خواص کی نفی سے استدلال	۲۲
۳	شہتوت سے استدلال	۲۳
۴	لیموں سے استدلال	۲۴
۵	زرعی پیداوار سے استدلال	۲۵
۶	ڈاروِن کے نظریہ کا ابطال	۲۶
۷	خلقت انسان سے استدلال	۲۷
۸	انسانی تخلیق کے مراحل سے استدلال	۲۷
۹	ماں کے دودھ سے استدلال	۳۲
۱۰	جانوروں کے دودھ سے استدلال	۳۲
۱۱	نظام ہضم سے استدلال	۳۳
۱۲	انسانی نشوونما سے استدلال	۳۴
۱۳	بیماری اور موت سے استدلال	۳۵
۱۴	نظام کائنات کے ربط اور تسلسل سے	۳۶
۱۵	پانی کی فراہمی سے	۳۶
۱۶	نظام کائنات کے تناسب سے	۳۸
۱۷	کرن امید سے	۳۹
۱۸	مایوسی کے وقت رجوع الی اللہ سے	۴۰
۱۹	نفس انسان کی شہادت سے	۴۱
۲۰	زمین اور اس کی کیفیات سے	۴۲
۲۱	لیل و نہار سے	۴۴
۲۲	کشتیوں سے	۴۷
۲۳	ہواؤں سے	۴۸
۲۴	بادلوں سے	۵۱
۲۵	حرف آخر	۵۳
۲	**نبوّت**	۵۷
۱	ضرورت نبوّت	۵۷
۲	حقیقت نبوت	۶۰
۳	اعجاز نبوّت	۶۲

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴	منصب نبوّت	۶۳
۵	علوم نبوت	۶۵
۶	استصواب	۶۸
۷	عِصمت نبوّت	۶۹
۸	خصائص نبوت	۷۱
۹	الوہیت اور نبوّت	۷۲
۱۰	مقام نبوّت	۷۳
۳۔	**ختم نبوت**	۷۷
۱	حقیقت نبوت	۷۸
۲	ظلی اور بروزی نبوت	۷۹
۳	ختم نبوت	۸۰
۴	ایک شبہ کا ازالہ	۸۵
۵	عبارات صوفیاء	۸۶
۶	مرزا صاحب کی نبوت	۸۷
۷	مرزا صاحب کی وحی	۸۸
۸	مرزا صاحب کا کلام	۸۸
۹	کذب صریح	۹۰
۱۰	مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ	۹۰
۱۱	معاونت کفار	۹۱
۱۲	مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں	۹۱
۱۳	مرزا صاحب کی موت	۹۳
۱۴	قادیانیوں کو دعوت اسلام	۹۴
۴	**عصمت مصطفےٰ**	۹۷
۱	غلامانِ رسول کی گذارش	۹۷
۲	قرآن پاک اور بائبل	۹۷
۳	عصمت انبیاء	۱۰۰
۴	زلّات انبیاء	۱۰۲
۵	عصمت مصطفےٰ	۱۰۳
۶	استغفار خاتم النبیین	۱۰۴
۷	مغفرت خاتم النبیین	۱۰۶
۸	مسیح وحبیب	۱۱۰
۵	**عظمت مُصطفےٰ**	۱۱۳
۶	**مقام مُصطفےٰ**	۱۱۷
۱	ضرورت مُصطفےٰ	۱۱۸
۲	وحی مُصطفےٰ	۱۲۰
۳	علوم مُصطفےٰ	۱۲۱
۴	رحمت مُصطفےٰ	۱۲۳
۵	مقام مُصطفےٰ	۱۲۷
۷	**حدیث لولاک**	۱۳۱

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۸	**حضور کی نماز جنازہ**	۱۴۱
۱	حدیث صحیح سے استدلال	۱۴۶
۲	اصول حنفیہ کی روشنی میں	۱۴۸
۳	اصول شافعیہ کی روشنی میں	۱۴۹
۴	ملا علی قاری حنفی کی شرح	۱۵۰
۵	امام مناوی شافعی کی شرح	۱۵۱
۶	احناف کے جوابات	۱۵۲
۷	امام شافعی کا ایک اور استدلال	۱۵۳
۸	نماز جنازہ میں امام کا نہ ہونا	۱۵۴
۹	دعا معروف کی جگہ کلمات طیبہ	۱۵۵
۱۰	نماز جنازہ کا ثبوت کتب تاریخ و سیر میں	۱۵۶
۹	**رشک ارم**	۱۶۳
۱	حیات مبارکہ	۱۶۴
۲	حضور کی قبر انور کا مقام	۱۷۰
	خلفاء راشدین	۱۷۴
۱۰	**صدیق اکبر بحیثیت محبِ رسول**	۱۷۵
۱۱	**مقام ابو بکر**	۱۸۳
۱	ابو بکر آئینہ رسالت میں	۱۸۴
۲	ابو بکر رسول اللہ کی معیت میں	۱۸۶
۳	ابو بکر رسول اللہ کی امت میں	۱۸۸
۴	ابو بکر نگاہ صحابہ میں	۱۸۹
۵	ابو بکر نگاہ رسالت میں	۱۹۰
۶	ابو بکر نظر اہلبیت میں	۱۹۳
۷	مقام ابو بکر	۱۹۵
۱۲	**محدث خیر امم**	۱۹۹
۱	محدث کا مفہوم	۱۹۹
۲	محدث کا مصداق	۲۰۰
۳	موافقت خداوندی	۲۰۰
۴	فراست عمر سے اصول اجتہاد کا استخراج	۲۰۴
۵	ملی شعائر کا تحفظ	۲۰۴
۱۳	**فاروق اعظم اور تحریم متعہ**	۲۰۷
۱	متعہ کی تعریف اور اس کے احکام	۲۰۸
۲	رواج متعہ اور حضرت عمر	۲۰۸
۳	حرمت متعہ کتاب اللہ سے	۲۰۹
۴	حرمت متعہ صحاح اہل سنت سے	۲۱۲
۵	حرمت متعہ صحاح امامیہ سے	۲۱۲

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۶	حلت متعہ پر امامیہ کے استدلال کا جواب	۲۱۳
۷	الی اجل مسمی کی قرأت کا جواب	۲۱۴
۸	ابن عباس کے فتویٰ کا جواب	۲۱۸
۱۴	**حضرت عثمان**	۲۲۱
۱	نام اور نسب	۲۲۲
۲	خاندانی وجاہت	۲۲۲
۳	ولادت اور عام حالات	۲۲۲
۴	قبول اسلام	۲۲۲
۵	ذوالنورین	۲۲۴
۶	سیرت اور خدمات	۲۲۴
۷	مقام عثمان	۲۲۷
۸	حضرت عثمان کے دور خلافت میں فتوحات	۲۳۲
۹	فتنہ اور اس کے اسباب	۲۳۳
۱۰	اصلاح کی کوشش	۲۳۵
۱۱	انقلاب کی کوشش	۲۳۶
۱۲	باغیوں کی شورش	۲۳۷
۱۳	جانثار صحابہ کے مشورے	۲۳۸
۱۴	شہادت	۲۴۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۵	عظمت عثمان	۲۴۲
۱۵	**حضرت علی**	۲۴۵
۱	نام اور نسب	۲۴۶
۲	خاندانی وجاہت	۲۴۶
۳	قبول اسلام	۲۴۷
۴	تبلیغ دین میں حضرت علی کی معاونت	۲۴۷
۵	جانثاری اور ہجرت	۲۴۸
۶	معرکہ بدر	۲۴۸
۷	سیدتنا فاطمہ سے نکاح	۲۴۹
۸	دیگر غزوات	۲۴۹
۹	مقام علی	۲۵۱
۱۰	عہد خلافت	۲۵۴
۱۱	شہادت	۲۵۶
	حضرت امیر معاویہ	۲۵۷
۱۶	**مسائل کلامیہ**	۲۶۵
	اہل سنت وجماعت کی تعریف	۲۶۷
۱	اہلسنت وجماعت کا عنوان قرآن کی روشنی میں	۲۶۷
۲	اہلسنت وجماعت کا عنوان حدیث کی روشنی میں	۲۷۰

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳	سُنت کی تشریح	۲۷۱
۴	استدراک	۲۷۳
۵	عقائد قطعیہ	۲۷۴
۶	عقائد ظنیہ	۲۷۴
۷	ائمہ اربعہ کا اختلاف	۲۷۵
۸	اسلام کے متعدد مشہور فرقے	۲۷۵
۹	خوارج	۲۷۶
۱۰	شیعہ	۲۷۶
۱۱	مرجئہ	۲۷۸
۱۲	غیر مقلدین	۲۷۸
۱۳	وہابیہ	۲۷۸
۱۴	دیوبندیہ	۲۷۹
۱۵	جماعت اسلامی	۲۸۰
۱۷	**مسئلہ تقدیر**	۲۸۷
۱	مسئلہ تقدیر پر شبہ کا ازالہ	۲۸۸
۲	خلق افعال کی توضیح	۲۸۹
۳	امور تکوینیہ	۲۹۰
۴	امور تشریعیہ	۲۹۱
	جبر کی نفی	۲۹۳
۶		۲۹۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۷	جبر کا حیلہ آخرت میں کارگر نہیں ہوگا	۲۹۵
۱۸	**اعجاز و کرامت**	۲۹۷
۱	افعال خارقہ کی اقسام	۲۹۸
۲	حقیقت سحر	۲۹۹
۳	ایک شبہ کا ازالہ	۳۰۰
۴	سحر اور اعجاز و کرامت میں فرق	۳۰۱
۵	مقصدیت اعجاز	۳۰۲
	عبادات	۳۰۵
۱۹	**اسلام میں مقام انسانیت**	۳۰۷
۱	تخلیق انسان کا مقصد	۳۰۷
۲	دین و دنیا کا امتزاج	۳۰۹
۳	انسانیت کے لیے کامل مذہب صرف اسلام ہے	۳۱۰
۴	مقام انسانیت	۳۱۱
۵	معراج انسانیت	۳۱۲
۲۰	**اسلام میں مسلمان کی حیثیت**	۳۱۵
۱	ایمان کی حقیقت	۳۱۵
۲	ہمارے ایمان کی خامیاں	۳۱۷

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳	ایمان کامل کی ایک مثال	۳۱۸
۴	ایمان کامل کا ایک معیار	۳۲۱
۵	کمزور اور ناقص ایمان کے نتائج	۳۲۱
۶	ایمان باللہ کا تقاضہ	۳۲۲
۷	ایمان بالرسول کا تقاضہ	۳۲۲
۸	ایمان میں خامی اور طاقت میں کمی پر مؤاخذہ	۳۲۳
۹	ایمان کی کمی کی وجہ سے دنیاوی نقصان	۳۲۵
۱۰	تدارک اور علاج	۳۲۵
۲۱	**اسلامی فلسفہ عدل و انصاف**	۳۲۹
۱	طبقاتی مساوات	۳۲۹
۲	اسلامی مساوات	۳۳۵
۲۲	**نوید شب برأت**	۳۴۱
۲۳	**روزے کے اسرار و رموز**	۳۴۷
۱	روزے کا انسانی فطرت کے ساتھ ارتباط	۳۴۷
۲	روزے کی خصوصیات	۳۴۹
۳	روزے کا تعلق دوسروں کی زندگی سے	۳۴۹
۴	روزے کا جہاد کی تربیت دینا	۳۵۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۵	روزے کا انسان کو اس کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا	۳۵۱
۶	روزے کے دنیاوی فوائد	۳۵۱
۷	روزے کے فیوض و برکات اور آخر	۳۵۲
۲۴	**قیام رمضان**	۳۵۳
۱	بیس رکعات تراویح	۳۵۳
۲	ایک اشتباہ پر انتباہ	۳۶۴
۳	تراویح اور تہجد میں فرق	۳۶۳
۲۵	**حقائق شب قدر**	۳۶۵
۱	شب قدر کا معنی اور مفہوم	۳۶۵
۲	حصولِ شب قدر کا سبب	۳۶۶
۳	ماہ صیام اور شب قدر	۳۶۷
۴	شب قدر کی تعیین	۳۶۸
۵	شب قدر کے اخفاء کی حکمتیں	۳۶۸
۶	علم رسالت اور شب قدر	۳۶۹
۷	اختلاف مطالع اور شب قدر	۳۷۰
۸	ثواب میں اضافہ	۳۷۱
۹	گناہ میں اضافہ	۳۷۲
۲۶	**یاد اسماعیل علیہ السلام**	۳۷۵

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	قربانی کرنے سے روحانیت کو جلا ملتی ہے۔	۳۷۶
۲	قربانی جہاد کی تربیت دیتی ہے	۳۷۷
۲۷	**حقائقِ قربانی**	۳۷۹
۱	قربانی کا شرعی ثبوت	۳۷۹
۲	ازالہ شبہات منکرین	۳۸۱
۳	قربانی کے فضائل وفوائد	۳۸۳
۴	قربانی کے اسرار ورموز	۳۸۳
۵	قربانی کے ایام	۳۸۵
۶	ایام ثلاثہ پر استدلال قرآن سے	۳۸۷
۷	ایام ثلاثہ پر استدلال حدیث سے	۳۸۷
۸	ایام ثلاثہ پر استدلال آثار سے	۳۸۸
۹	ایام اربعہ پر تمسکات اور ان کا اختلاف	۳۹۱
۱۰	بر سبیل تنزل	۳۹۳
۲۸	**فقہیات** **ضرورت اجتہاد**	۳۹۵
۱	اجتہاد کا دائرہ کار	۳۹۷
۲	مجتہد کی تعریف	۳۹۸
۳	فقہ کی تعریف	۳۹۹
		۳۹۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴	طبقات فقہاء	۴۰۰
۵	ضرورت اجتہاد	۴۰۱
۶	اجتہاد کے مسلم اصول	۴۰۲
۷	عبارۃ النص	۴۰۲
۸	اشارۃ النص	۴۰۲
۹	دلالۃ النص	۴۰۳
۱۰	اقتضاء النص	۴۰۳
۱۱	اجماع	۴۰۳
۱۲	قیاس	۴۰۴
۱۳	استحسان	۴۰۵
۱۴	استصحاب	۴۰۵
۱۵	تعامل	۴۰۵
۱۶	اشباہ ونظائر	۴۰۶
۱۷	طریق اجتہاد	۴۰۶
۲۹	**بلا سود معیشت**	۴۱۱
۱	ربوا النسیئۃ	۴۱۱
۲	ربوا الفضل	۴۱۳
۳	ربوا الفضل کے احکام	۴۱۵
۴	سود پر عذاب کی وعید	۴۱۶
۵	بینکنگ کا نظام	۴۱۰

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۶	بینک میں رقم جمع کرانے والوں کے لیے شرح سود	۴۱۷
۷	بینک جو رقم قرض دیتا ہے اس پر شرح سود	۴۱۹
۸	قومی معیشت کے استحصال میں بینک کا کردار	۴۲۱
۹	بینک سے سود لینے کا حکم	۴۲۲
۱۰	سود پر غضب الٰہی	۴۲۷
۱۱	نجی ضروریات کے قرضے	۴۳۱
۱۲	کاروباری قرض	۴۳۴
۱۳	سود کا ایک اور حیلہ	۴۳۷
۱۴	جواز سود کا دوسرا حیلہ	۴۳۸
۱۵	شرکت	۴۴۲
۱۶	مضاربت	۴۴۶
۱۷	مضاربت کے احکام	۴۵۱
۱۸	نفع اور نقصان	۴۵۱
۱۹	مضاربت کی قسمیں	۴۵۲
۲۰	شرکت اور مضاربت کا خلاصہ	۴۵۴
۲۱	کیا فی الواقع بینک کی ضرورت ہے	۴۵۵
۲۲	مضاربت کے اصول پر بینکنگ کا نظام	۴۵۶
۲۳	اعتماد کی ضمانت	۴۵۸
۲۴	بینک کے ذریعہ درآمدات کی اصلاح	۴۶۴
۲۵	ہنڈی بھنوانے کی اصلاح	۴۶۵
۲۶	بیع الکالی بالکالی	۴۶۷
۲۷	نقد اور ادھار قیمتوں میں فرق	۴۶۸
۲۸	قوت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا قرض	۴۷۰
۲۹	قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی	۴۷۳
۳۰	بینک کے قرضوں پر سٹینڈرڈ کی اسکیم	۴۷۴
۳۱	غیر نفع آور اسکیموں کے لیے قرض دینا	۴۷۵
۳۲	قومی ضروریات کے لیے حکومت کے ملکی قرض	۴۷۷
۳۳	قومی ضروریات کے لیے بیرونی قرض	۴۷۸
۳۰	**اسلام اور تسخیر کائنات**	۴۸۱
۱	روحانی تسخیر کی مادی تسخیر پر فوقیت	۴۸۲
۲	چاند کی مادی تسخیر ممکن ہے	۴۸۲
۳	منکرین تسخیر کے شبہات	۴۸۴
۴	چاند خلا میں ہے	۴۸۵

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۵	اقوال مفسرین کی توضیح	۴۸۷
۶	چاند کے خلا میں ہونے پر ایک دلیل	۴۸۸
۷	آیات قرآنی کی توضیح	۴۸۹
۸	آسمان پر رسائی	۴۹۱
۹	کیا چاند پر رسائی کوئی قابلِ فخر کارنامہ ہے	۴۹۳
۳۱	**نظام مصطفیٰ کی اصطلاح**	۴۹۵
۳۲	**نماز جنازہ بطریقہ سنت**	۵۰۳
۱	ثناء	۵۰۴
۲	درود	۵۰۴
۳	دعا	۵۰۵
۴	نماز جنازہ بطریقہ غیر مقلدین	۵۰۶
۵	سورت فاتحہ اور ضمِ سورت پر غیر مقلدین کے دلائل اور انکے جوابات	۵۰۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۳	**علاج کی شرعی حیثیت**	۵۰۹
۱	علاج کا ثبوت قرآن سے	۵۰۹
۲	علاج کا ثبوت احادیث سے	۵۱۰
۳	علاج اور توکل	۵۱۰
۴	وبائی امراض کا متعدی ہونا	۵۱۱
۵	لاعدوی کا جواب	۵۱۲
۶	کوڑھی کو کھانے میں شریک کرنا	۵۱۴
۷	انگریزی دوائیں	۵۱۴
۸	نرسوں کا رواج	۵۱۷
۳۴	**زاغ معروف کا شرعی حکم**	۵۱۹
۳۵	**فلسفہ حدود و تعزیرات**	۵۲۷
۳۶	**اسلام میں غرباء کا مقام**	۵۳۳
۳۷	**انڈا حلال ہے**	۵۴۳

marfat.com

اشعۃ اللمعات ۴ جلد
شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

فیوضِ غوثِ یزدانی
ترجمہ
الفتح الربانی

از محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

مؤطا امام مالک (مکمل) رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تحشیہ علامہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مدظلہ

منجملہ

صحیح بخاری سنن ابن ماجہ سنن ابوداؤد وغیرہ

شواہد الحق (اردو)
فی الاستغاثۃ بسید الخلق

تصنیف امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہٗ

ترجمہ مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ

غنیۃ الطالبین (اردو)

از محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی

تقدیم علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

حجۃ اللہ البالغہ (اردو)

تالیف

حضرت قطب الہند حکیم الامۃ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی

فرید بک سٹال
۳۸ - اردو بازار لاہور ۲

فون ۷۳۱۲۱۷۳
۷۲۲۴۸۹۹

marfat.com

تصانیف
شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی قدس سرہٗ

جنتی زیور

منتخب حدیثیں مجلد

ایمانی تقریریں

غرائب القرآن

قرآنی تقریریں

جواہر الحدیث

حقانی تقریریں

مسائل القرآن

نورانی تقریریں

کرامات صحابہ

عرفانی تقریریں

روحانی حکایات

عجائب القرآن

جہنم کے خطرات
قیامت کب آئے گی

تقسیم کار

فرید بک سٹال ۳۸- اردو بازار، لاہور
فون: ۷۲۲۴۸۹۹-۷۳۱۲۱۷۳

marfat.com

شرح صحیح مسلم (۷ جلد)

تصنیف:
علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

اس صدی کی بہترین شرح جس میں عصر حاضر کے
جدید مسائل کا محققانہ حل پیش کیا گیا ہے۔

● —— یہ شرح قارئین کو دوسری شرحوں سے
بے نیاز کر دے گی۔

سنن ابوداؤد شریف مترجم

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی رحمۃ اللہ (۳ جلد)

مترجم: مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری

بخاری شریف مترجم (۳ جلد)

امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ

مترجم: مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری

سنن نسائی مترجم (۳ جلد)

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر نسائی رضی اللہ

ترجمہ مولانا دوست محمد شاکر، مولانا محمد عبدالستار قادری

جامع ترمذی مترجم مع شمائل ترمذی (۲ جلد)

محدث جلیل امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ

مترجم: مولانا علامہ محمد صدیق سعیدی ہزاروی

مشکوٰۃ شریف مترجم (۳ جلد)

امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم: افاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری

سنن ابن ماجہ مترجم (۲ جلد)

امام حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی رحمۃ اللہ

مترجم: مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری

طحاوی شریف مترجم (مع خلاصۃ المضامین) (مکمل سیٹ چار جلد پر مشتمل)

محدث جلیل امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی مترجم ترمذی شریف و ریاض الصالحین

تقدیم: علامہ غلام رسول سعیدی شارح مسلم شریف

ریاض الصالحین مترجم (۲ جلد)

شیخ الاسلام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ

تقدیم: محمد عبدالحکیم شرف قادری

○ —— دیگر مطبوعات کی فہرست کے لیے جوابی لفافہ ارسال فرمائیں

فرید بک سٹال ○ ۳۸۔ اردو بازار ○ لاہور ۲ فون ۷۳۱۲۱۷۳، ۷۲۲۴۸۹۹

marfat.com

انتساب

بگرامی خدمت استاذی و استاذ العلماء فخر المحققین مولانا عطا محمد چشتی (بندیال) جن کی شفقت کو میں آج تک نہیں بھلا سکا۔ جن کے فیضانِ نظر سے نجانے کتنے ذرّے آسمان علم پر چمکے اور چھا گئے، جن کی تعلیم و تربیت نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں کچھ پڑھ سکوں، پڑھا سکوں اور لکھ سکوں۔ آج بھی جسے علم کی واقعی پیاس ہوتی ہے وہ انہیں کے چشمۂ فیض تک پہنچتا ہے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

marfat.com

معروضہ

یہ مجموعہ میرے ان مقالات کا ہے جن کو میں وقتاً فوقتاً لکھتا رہا۔ حصولِ علم کے زمانہ سے مضامین لکھنے شروع کیے، جن میں سے بعض ملک اور بیرون ملک کے مختلف اخبار اور جرائد میں اب تک چھپتے رہے۔ بعض مضامین کا میں ریکارڈ نہ رکھ سکا وہ تلف ہو گئے۔ بعض مضامین جو مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں ان کو میں نے اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا

ان مقالات کو میں نے چند ابواب کے تحت درج کیا ہے۔ مثلاً توحید و رسالت، خلفاء راشدین، عبادات، فقہیات وغیرہ۔ بعض مضامین ایسے تھے جن کو میں نے لکھنا شروع کیا پھر کسی اور مصروفیت کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان کو پورا نہ کر سکا۔ مثلاً "بلا سود معیشت" ۱۹۷۷ء میں میں نے اس کو لکھنا شروع کیا اور کافی حصہ لکھ ڈالا۔ پھر درمیان میں اس کو چھوڑ کر "تاریخ نجد و حجاز" کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب لکھ ڈالی اس کے بعد میں مسلم شریف کا ترجمہ اور اس کی شرح لکھنے میں مشغول ہو گیا اور یہ مسودہ جوں کا توں پڑا رہا۔ اب جب ان مقالات کو جمع کیا تو اس کو بھی پورا کیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شخصیات کے موضوع پر میرے دو مضمون شائع ہو چکے تھے۔ اب خلفاء راشدین کا سیٹ مکمل کرنے کے لیے حضرت عثمان اور حضرت علی کے موضوع پر دو مستقل مضمون لکھے۔ الوہیت کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا خیال تھا اور اس موضوع پر میں نے کافی کچھ لکھا جس کا کچھ حصہ انجمن طلباء اسلام نے الوہیت اور نبوت کے نام سے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں میں نے وہ سب شامل کر دیا ہے جو اس وقت تک الوہیت کے موضوع پر لکھا تھا اور پھر بعض مصروفیات کی وجہ سے اس کو مکمل نہ کر سکا۔ تاہم جو کچھ لکھا ہے اگر اس کو کوئی شخص صدق نیت اور غور سے پڑھے تو ان شاء اللہ وہ یہ مانے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان مقالات کو قارئین کے لیے مفید ثابت کرے اور اس سرتاپا گناہ کیلئے مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ فقط

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ ہجری۔

marfat.com

توحید و رسالت

۱

اُلُوہیّت

marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

الوہیّت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کے ذرہ ذرہ میں اپنی ذات اور صفات پر علامات اور نشانیاں رکھیں، پھر انسان کی عقل میں ایسا نور پیدا کیا، جس کی وجہ سے وہ ان نشانیوں میں سے صاحب نشان تک پہنچ سکے معرفتِ عقل کے علاوہ انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی طرف عقلِ انسانی کی رہنمائی کی وجود باری پر ٹھوس شواہد اور ثبوت مہیا کئے۔ آسان، سادہ اور فطری دلیلوں سے انسانی ذہن کو مسخر کیا اور اعجاز آفرین بیان سے انسان کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ بارگاہِ الوہیّت کے سامنے تصدیق و تسلیم کے ساتھ بے اختیار جھک گیا۔

نبوّت اور رسالت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے کتب اور صحائف بھی نازل کئے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کی معرفت کے علاوہ انسان کی اُخروی سعادت اور اس کی دنیاوی زندگی کے لئے ایک جامع اور مربوط نظام کے اصول اور قواعد بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان کی زہر آفرینیوں سے ضائع کردے۔ وہ ہر زاویے اور ہر رُخ سے انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ سُورج کے طلوع و غروب، گردشِ لیل و نہار، موت و حیات کے حدوث اور تکلیف و راحت کے توارد میں اس نے انسانی ذہن کی سوچ کے دھاروں کا رُخ اپنی

marfat.com

ذات کی طرف موڑنے کے لئے ہدایت کا سامان کر رکھا ہے وہ آسمان وزمین کے حقائق و آثار اور بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کی قوت دیتا ہے تاکہ کسی طور سے انسان کجروی سے باز آئے، اپنے خالق کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کے بے اندازہ لطف و کرم کے احساس سے ممنون ہو کر سجدۂ سپاس بجالائے۔ ہم آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

انقطاعِ اسباب سے استدلال

ہمارے مشاہدات اور تجربات سے یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہر چیز اپنے وجود میں کسی علت اور سبب کی محتاج ہے۔ اور اس عالم آب و گل میں کوئی شے بغیر سبب کے ظہور پذیر نہیں ہوتی اور جب ہر ممکن کا ایک سبب ہوتا ہے اور اس سبب کا پھر کوئی سبب ہوتا ہے وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے تو اسباب اور مسببات کا ایک غیر متناہی سلسلہ لازم آئے گا، اور امورِ غیر متناہی کا سلسلہ عقلاً محال ہے۔ اس لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ اسباب کا سلسلہ اخیر میں جاکر کسی ایسے سبب پر ختم ہو جاتا ہے جو اپنے وجود میں کسی اور سبب سے مستغنی ہے اور جب یہ وجود علت اور سبب سے مستغنی ہے تو ضروری ہوا کہ یہ وجود امکان اور احتیاج کے نقص سے پاک ہو کیونکہ ہر ممکن کسی سبب اور علت کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا یہ وجود واجب قرار پایا جو بذاتہٖ موجود ہے اور تمام موجودات عالم کا موجد ہے۔

طبعی خواص کی نفی سے استدلال

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اشیاء میں خواص ہوتے ہیں اور بغیر کسی سبب اور علت کے ان اشیاء سے وہ طبعی خواص اور آثار صادر ہوتے ہیں مثلاً پتھر کو اچھالیے تو وہ بغیر کسی سبب اور علت کے اوپر سے نیچے کی طرف چلا آئے گا۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ ساری کائنات اسی طرح بغیر کسی سبب کے اپنے طبعی تقاضوں سے وجود میں

marfat.com

آئی ہو۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ ایک درخت کی طرف دیکھیں اس کا تنا بھی لکڑی کا ہے اور جڑیں بھی لکڑی کی ہیں، اور تنا اوپر کی طرف جاتا ہے اور جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں۔ اب اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا اوپر جانا ہے تو جڑیں نیچے کیوں جاتی ہیں اور اگر اس کا تقاضا نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں ہے بلکہ درخت کی لکڑی پر کسی اور ذات کا تصرف ہے اور اس قادر قیوم نے درخت کی اس لکڑی کے جس حصہ کو چاہا اوپر اٹھا دیا اور جس حصہ کو چاہا نیچے جھکا دیا۔

شہتوت سے استدلال

امام شافعی ایک شہتوت کے درخت کے سامنے کھڑے تھے۔ کسی نے ان سے وجود باری کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ امام شافعی نے فرمایا اس شہتوت کے درخت کو دیکھ لو اس کے پتوں کو اگر بکریاں چریں تو دودھ حاصل ہوتا ہے اور شہد کی مکھی ان پتوں کو چاٹ لے تو شہد بنتا ہے ریشم کا کیڑا ان پتوں کو کھائے تو اس سے ریشم حاصل ہوتا ہے اور اگر ہرن ان کو کھائے تو اس سے مُشک حاصل ہوتا ہے اور ان چاروں چیزوں کے حقائق اور آثار مختلف ہیں اور شہتوت کے پتوں کا تقاضا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طبیعت واحدہ کا تقاضا بھی واحد ہوتا ہے پس اگر ان پتوں کی طبیعت کا تقاضا دودھ ہے تو اس سے ریشم، شہد اور مشک کیسے حاصل ہوا اور اگر ان کی طبیعت کا تقاضا ریشم ہے تو ان سے مشک، شہد اور دودھ کس طرح حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ پتے اپنی ذات میں کسی چیز کا تقاضا نہیں رکھتے۔ اصل میں ان تمام اشیاء کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے وہ چاہے تو اس پتہ کو بکریوں کے منہ میں ڈال کر ان سے دودھ نکال دے۔ اور چاہے تو شہد کی مکھیوں سے ان پتوں کو چسوا کر ان کو شہد بنا دے اور چاہے تو ہرن کو یہ پتے کھلا کر اس کو مہکتی ہوئی مشک میں تبدیل کر دے اور اگر چاہے تو ان پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی خوراک بنا کر اس سے ریشم بنا دے۔ اس کائنات کی حقیقتوں میں سے آپ جس

marfat.com

حقیقت پر بھی غور کریں گے یہی منکشف ہو گا کہ ہر حقیقت کے پیچھے اسی مؤثر حقیقی کا دستِ غیب کارفرما ہے اور بظاہر نظر آنے والے سارے اسباب ایک حجاب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

لیموں سے استدلال لیموں کو دیکھئے اس کا چھلکا گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا گودا گرم تر ہوتا ہے اور اس کا عرق سرد خشک ہوتا ہے اور لیموں کے یہ تمام مختلف آثار اس کے واحد بیج میں ہوتے ہیں اور اس بیج کی طبیعت کا تقاضا بھی ایک ہونا چاہیئے لیکن اس بیج سے جب لیموں کا پھل پک کر سامنے آیا تو اس میں گرم خشک، گرم تر، اور سرد خشک سب قسم کے آثار موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ موجودات طبعی آثار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک زبردست حکیم مطلق اور قادر قیوم کی قدرت اور حکمت کا نتیجہ ہے کہ وہ چاہے تو گرم خشک بیج سے سرد تر پھل پیدا کر دے اور چاہے تو سرد تر بیج سے گرم خشک پھل کو وجود میں لے آئے۔

زرعی پیداوار سے استدلال سلسلہ پیداوار کو دیکھئے ہم ایک دانہ گندم کو زمین میں دبا کر چلے آتے ہیں پھر وہ کونسی طاقت ہے جو اس دانہ گندم کو پھاڑ کر اس سے باریک کونپل نکالتی ہے اور وہ اس قدر باریک اور نازک ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل ڈالیں تو ختم ہو جائے۔ پھر اس کونپل کو اس قدر شکتی اور قوت کون دیتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کا سینہ چیر کر زمین کے اندر جا کر اپنی مستحکم جڑیں بنا لیتی ہے۔ پھر شبنم کے قطرے اور نسیم سحر کے نرم و نازک جھونکے اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں، سورج کی کرنیں اس میں پختگی لاتی ہیں اور وقت مقررہ پر ہونے والی بارشیں اس میں ہریالی پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی کرنیں اس میں ذائقہ لاتی ہیں اور سورج کی تیز دھوپ اس فصل کا قوام تیار کر کے اسے مکمل کرتی ہے اور فصل کٹ جانے کے بعد تند و تیز آندھیاں دانہ کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لئے اہم رول ادا کرتی ہیں۔

marfat.com

سوچیئے زمین و آسمان کی یہ تمام قوتیں اگر ہماری فصلوں میں اپنا اپنا رول ادا نہ کریں تو کیا ہم زمین سے ایک دانہ گندم بھی حاصل کر سکتے تھے۔ پھر بیج بونے سے لے کر فصل کی کٹائی تک اس مربوط نظام کو کون چلا رہا ہے۔ کیا کسی بے جان بُت نے یہ نظام وضع کیا ہے یا نظامِ شمسی کے پابند سیارے یہ نظام چلا رہے ہیں اور جب ہم سمجھتے ہیں کہ عناصر کائنات میں سے کوئی چیز اس نظام کی واضع اور اس پیداوار کی خالق نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقل باور کر سکتی ہے کہ کسی ناظم کے بغیر کوئی نظام عمل میں آجائے یا کسی مقنن کے بغیر کوئی قانون تشکیل پا جائے یا کسی خالق کے بغیر کوئی مخلوق وجود میں آجائے تو پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کے ماوراء ایک زبردست حکیم اور قادر قیوم کی ذات فرمانروا ہے جس کی عجیب و غریب حکمت اور زبردست طاقت سے زرعی پیداوار کا یہ سارا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے۔

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿الواقعہ: ۶۳ - ۶۷﴾	بھلا بتاؤ تو سہی تم جو کچھ زمین میں بو کر آتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس فصل کو بالکل ملیا میٹ کر دیں اور تم کف افسوس مل کر یہ کہتے رہ جاؤ ہم پر اچانک آفت آپڑی یا ہم بالکل محروم ہو گئے۔

ایک اور زاویہ سے دیکھئے کہ غلہ کی مختلف اجناس کا ہر سال ایک معین موسم میں پیدا ہونا اور پھلدار درختوں کی مختلف اقسام کا ہر سال اپنے اپنے موسم میں پھل لانا اور پھولوں سے لدے ہوئے پودوں اور درختوں میں ہمیشہ اپنے مقررہ ایام میں کلیوں کا کھلنا اور پھولوں کا مہکنا اور ہر نوع کے بیج سے اسی نوع کے پھل، پھول اور غلہ کا پیدا ہونا کیا ان تمام مقررہ اور منضبطہ امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرعی پیداوار کا یہ عظیم سلسلہ کوئی امر اتفاقی نہیں ہے اور نہ از خود بغیر کسی صانع کے یہ نظام خود بخود چل رہا ہے اور نہ ہی یہ نظام متعدد منتظمین کی تخلیق کا

marfat.com

مرہونِ منت ہے۔ بلکہ اس وسیع زرعی نظام کے پیچھے خلاقِ واحد کا دستِ قدرت کارفرما ہے جو فیاض اور جواد بھی ہے اور حکیم و قدیر بھی۔

اگر کوئی شخص اس کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھول ہمیشہ ایک موسم میں کیوں کھلتے ہیں۔ غلّہ اور پھلوں کی پیداوار میں ہمیشہ ایک مخصوص موسم اور ماحول کا اعتبار کیوں ہوتا ہے اور گندم کے بیج سے چاول اخروٹ کے بیج سے انناس کیوں پیدا نہیں ہو جاتا۔ الحاد، شرک اور دہریّت کی بنیاد پر کوئی شخص ان سوالوں کا معقول جواب نہیں دے سکتا اور جو شخص اپنی ذہنی توانائیوں کو ضائع نہیں کر چکا اس کو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ زرعی پیداوار کے اس مربوط نظام میں تسلسل، انضباط اور باقاعدگی یونہی کوئی امر اتفاقی نہیں ہے۔ نہ متعدد دستکار کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ بلکہ زرعی پیداوار کا یہ وسیع اور پر حکمت سلسلہ اس خلاقِ واحد کی قدرت، حکمت اور فیاضی کا منہ بولتا شاہکار ہے۔

ڈاروِن کے نظریہ کا ابطال

نطفہ کا ایک قطرہ جو علقہ، مضغہ اور دوسرے تخلیقی مراحل طے کر کے صورتِ انسانی میں ڈھل کر ماں کی گود میں ہمکتا ہوا آپہنچتا ہے۔ کیا نطفہ سے لے کر اس پیکرِ انسانی تک کی تمام منزلیں اس نے خود بخود طے کر لی ہیں۔ کسی انسان کا خود بخود بن جانا تو بہت بڑی بات ہے اس عالمِ اسباب میں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر یہ بنا بنایا انسان کبھی کسی حادثہ یا بیماری سے بگڑ جائے تو بغیر کسی خارجی عمل کے وہ خود بخود ٹھیک ہو جائے تو سوچئے کہ جو چیز بننے کے بعد خود بخود ٹھیک نہیں ہو سکتی وہ ابتداءً خود بخود بن کیسے سکتی ہے۔ غلط کہتا ہے وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کیڑے مکوڑوں کے مراحل طے کرتا ہوا بندر تک آپہنچا اور پھر اس بندر نے ارتقائی منازل طے کر کے انسانی شکل اختیار کر لی اولاً تو کیڑے مکوڑے بھی خود بخود نہیں پیدا ہوتے اور ثانیاً یہ کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہزارہا سائنسی اور کیمیاوی ترکیبیں استعمال کرنے کے باوجود آج تک بندر کو انسان کا بدل بنا کر پیش نہیں کیا جا سکا تو اب سے لکھوکھا سال پہلے جب موجودہ

marfat.com

علم اور سائنس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا اس وقت بندر کس فارمولے پر عمل کر کے انسان بن گیا. اور وہ فارمولا اب کہاں گم ہو گیا. اس لیے لامحالہ کہنا پڑے گا کہ انسان کی پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ وہ سر تا پا محض اس قادرِ قیوم کی قدرت اور حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے۔

خلقتِ انسان سے استدلال

جب یہ ظاہر ہو چکا کہ انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا خود وہ انسان نہیں ہے۔ نہ اس کے ماں باپ اس کے موجد ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں اور مرد و زن کے اختلاط کے باوجود اولاد پیدا نہیں ہوتی اور نہ دنیا کے دوسرے انسان اس کے موجد ہیں کیونکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ آج تک کوئی انسان اپنے جیسا دوسرا انسان نہیں بنا سکا اور انسانی مراتب سے نیچے جو حیوانات اور اشجار اور دیگر اجسام کا عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا. کیونکہ یہ عالم تو انسان سے ارذل اور اس کی اغراض کے تابع ہے، اور اسفل، اعلیٰ کا موجد کسی حال میں نہیں ہو سکتا اور انسان کے اوپر چاند سورج اور دیگر سیارگان کا جو عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا. کیونکہ یہ تمام سیارے ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی گردش کی یہ یکسانیت بتلاتی ہے کہ یہ کسی کے بنائے ہوئے نظامِ عمل کے تابع ہیں. اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عالمِ امکانی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کے موجد ہونے کی صلاح اور دعویدار ہو تو ضروری ہوا کہ انسان کا موجد جسم اور جسمانیت سے خارج اور امکان اور حدوث کے عیب سے پاک ہو۔

انسانی تخلیق کے مراحل سے استدلال

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس عالم اسباب میں انسان کی پیدائش مرد و زن کے اختلاط سے وجود میں آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے انسان کی تخلیق کے لئے مرد اور عورت کے

marfat.com

اختلاط کو ایک عام سبب ضرور بنایا ہے لیکن اس کی عظیم قدرت ان تمام اسباب سے بالاتر ہے وہ چاہے تو مٹی کے ایک ڈھیر سے حضرت آدم جیسے عظیم الشان نبی کی تخلیق کر دے اور وہ چاہے تو نطفہ کی ایک حقیر بوند سے انسانوں کی پیدائش کا ایک لامتناہی[1] سلسلہ شروع کر دے۔

اب سوچئے کہ نطفہ کی ایک بے جان بوند سے یہ جیتا جاگتا انسان کس طرح وجود میں آگیا۔ عملی تحقیقات اور سائنس کے روز افزوں تجربات کے باوجود سائنس دان آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شئے کو وجود میں نہیں لا سکے۔ اب تک جو ثابت ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ نطفہ جوہر حیات تو ہے لیکن خود زندگی سے خالی ہے۔ پھر جو چیز خود حیات سے عاری ہو وہ ایک صاحب حیات کی موجد کیسے ہو سکتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ بیجان نطفہ کی یہ بوند اپنے اندر علم وادراک اور قوت وتوانائی کا وہ جوہر رکھتی ہے جس سے وہ ایک مکمل انسان کی صورت گری پر قادر ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انسان مکمل ہو جانے کے بعد اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے جسم کے بالوں میں سے کسی ایک بال کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کر سکے تو جب یہ انسان مکمل اور طاقت ور ہونے کے باوجود اپنے اندر تغیر وتبدل کی قدرت نہیں رکھتا تو جس وقت یہ ایک حقیر نطفہ کی بوند کی شکل میں تھا اس وقت یہ اپنے اندر تغیر اور نشوونما کی قابلیت کیسے رکھ سکتا تھا؟ اس لئے ماننا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق اور تصویر وتشکیل میں اسی خلاق واحد کا دست قدرت کارفرما ہے۔

انسان کی تخلیق اس کے نطفہ میں موجود ایک انتہائی باریک جرثومہ سے ہوتی ہے، اور جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچتا ہے تو یہ جرثومہ عورت کے رحم میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اس جرثومہ کی طرح انتہائی باریک ہوتا ہے پھر ان دونوں کے امتزاج سے ایک باریک خلیہ بن جاتا ہے اور یہی خلیہ

---

[1] لامتناہی سے مراد لاتقف عند حد ہے۔ جو درحقیقت متناہی بالفعل ہے۔

marfat.com

حیاتِ انسانی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور اس خلیہ کا وجود میں آجانا ہی استقرارِ حمل کی علامت ہے پھر اللہ تعالیٰ اس خلیے کو علقہ یعنی جمے ہوئے خون کی شکل میں لاتا ہے پھر اس علقہ کو تدریجاً مضغہ یعنی گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل کرتا ہے پھر اس گوشت کے ٹکڑے کی صورت گری کی جاتی ہے اور گوشت کے اس لوتھڑے کو انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کی ساخت عطا کی جاتی ہے۔ استقرارِ حمل کے چار ماہ بعد اس میں روح ڈال دی جاتی ہے پھر عورت کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچا کر اس کی جسامت بڑھائی جاتی ہے۔ اور اس کے دماغ میں وہ تمام صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں۔ جن کے سبب سے وہ آگے چل کر اپنی زندگی میں تعلیم و تربیت اور ماحول کے زیرِ اثر کسی ڈاکٹر، انجینئر سیاست دان، عالم دین، ولی کامل، تاجر یا ایک جاہل مزدور اور بدمعاش غنڈے کی شخصیت میں معاشرے کے اندر ابھرتا ہے۔

انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل میں انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اپنے نطفہ کو عورت کے رحم تک پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے نطفہ سے ایک خاص جرثومہ کو نسوانی بیضہ سے کون ملاتا ہے پھر اس امتزاج کے نتیجہ کو پہلے علقہ پھر مضغہ کی شکل میں کون لاتا ہے۔ پھر اس مضغہ کو الگ الگ انسانی صورتوں کا لباس پہنا کر چار ماہ بعد اس میں روح کون پھونکتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کہ اس شخص کو سلیم الاعضا بنانا ہے یا محتاج اور اپاہج پھر اس کے ذہن اور دماغ میں مختلف شعبوں کی الگ الگ صلاحیتوں کو کون رکھتا ہے اور نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں اس کو مسلسل غذا اور نشو و نما کا مادہ کون فراہم کرتا ہے کیا یہ تمام کام خود وہ عورت کرتی ہے یا کوئی ڈاکٹر اور حکیم اپنی ادویات سے اس عمل کو جاری رکھتا ہے یا پھر یہ کسی سائنسدان کا شاہکار ہے یا بے جان بُت جو خود سے ہل بھی نہیں سکتے۔ وہ نطفہ کی ایک بوند کو جیتا جاگتا انسان بنا دیتے ہیں پھر آخر یہ کس کا کارنامہ ہے کیا اب بھی عقل یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ خدائے واحد کے سوا ان افعال کا اور کوئی خالق نہیں ہے۔

marfat.com

اور اگر اب بھی کوئی شخص ڈھٹائی سے کہہ دے کہ خود بخود محض اتفاق سے یہ عمل ہو رہا ہے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر تخلیق انسانی محض ایک اتفاقی حادثہ ہے تو اس میں ابتداءً مرد اور عورت کے اختلاط کی قید کیوں ہے۔ محض ایک مرد یا صرف ایک عورت سے بچہ کیوں نہیں پیدا ہو جاتا اور تمام دنیا میں انسان کی پیدائش کے لئے ایک ہی ضابطہ کیوں مقرر ہے۔ ہمیشہ ایک مکمل بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک مخصوص عرصہ کیوں درکار ہوتا ہے۔ لادینی اور دہریت کی بنیاد پر ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا اس لئے اگر کوئی شخص عقل سے بالکل اندھا اور ہوش و حواس سے قطعاً عاری نہیں ہو چکا تو اسے لازماً کہنا پڑے گا کہ اس عالم کے ماوراء ایک قادر و قاہر ہستی ہے جو خلاق اور جواد ہے جس نے نسل انسانی کے ارتقاء کے لئے ایک سبب بنایا اور اس سبب میں اس قدر کشش رکھ دی کہ مرد اپنے شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دے اور بس !— غور کیجئے جو بچہ پیٹ سے باہر آ کر ہوا کے ایک جھونکے اور دودھ کی چند چسکیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا وہ مسلسل نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں ہوا، پانی، اور خارجی غذا کے بغیر کیسے زندہ اور جیتا جاگتا رہا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور اس کی نشوونما کے لئے ہوا، پانی اور خارجی غذا مؤثر ہیں یا نہیں۔ اگر ان چیزوں کا اس کی زندگی میں کوئی دخل نہیں تو دنیا میں انسان ان چیزوں کے بغیر کیوں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہ چیزیں اس کی حیات اور بقاء میں مؤثر ہیں تو ان کے بغیر وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح زندہ رہ سکا، معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ طبیعت اور فطرت کا تقاضا ہے بلکہ وہ خالصۃً اللہ عزّ و جلّ کا ساختہ پرداختہ ہے۔ ظاہری اسباب محض حجاب ہیں اور مؤثر حقیقی وہی خالق لم یزل ہے وہ چاہے تو ماں کے پیٹ میں خارجی ہوا اور غذا کے بغیر حیات اور روئیدگی دیدے اور چاہے تو پیٹ کے باہر خارجی ہوا اور غذا سے اس کو نشوونما عطا کر دے۔ وہ چاہے تو نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دے اور چاہے تو محض مٹی اور

marfat.com

گارے سے ایک عظیم الشان انسان پیدا کر دے۔

کیا اس عالم رنگ وبُو اور وسیع کائنات میں اللہ تعالےٰ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اپنی قدرت اور حکمت کے ایسے عجیب وغریب مظاہر دکھا سکے اور کیا اس صناع فطرت کے ان عظیم کرشموں کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ یونہی اتفاقاً ہو رہا ہے اور توالد وتناسل کے اس باقاعدہ، متواتر اور مربوط نظام کے پیچھے کسی قادر وقیوم اور خلاق حقیقی کا ہاتھ کار فرما نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل ایک مربع فٹ تختہ کے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے اور اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر بار بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر فرمانے لگے میں اس سے کہیں زیادہ بڑے امر پر تعجب کرتا ہوں کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے ارب ہا ارب بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کئے لیکن کوئی چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ کسی کی آنکھ دوسرے کی آنکھ سے، ناک ناک سے، ہونٹ ہونٹ سے اور کان کان سے نہیں ملتے۔

اور میں کہتا ہوں کہ چہرہ تو بہت دور کی بات ہے انسان کے ہاتھ میں دو ڈھائی انچ کا انگوٹھا ہوتا ہے اور کسی انگوٹھے کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ ایک ہی انسان کے دائیں انگوٹھے کی لکیریں بائیں انگوٹھے سے نہیں ملتیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی کی ایک بوٹی سے دکھایا، نرم ہڈی سے سنوایا اور گوشت کے ایک ٹکڑے کو گویا کر دیا۔ جو لوگ انسان کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کی کیا توجیہ کریں گے کہ انسان کے جسم میں ہر جگہ گوشت ہے۔ پھر بولنے کا خاصہ

marfat.com

صرف زبان میں کیوں ہے اور کیوں ضروری ہے کہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھیں مخصوص ہیں جسم کے کسی اور حصہ کی چربی بینائی کا آلہ کیوں نہیں بن جاتی۔ اس لئے اگر کوئی شخص محض ہٹ دھرمی پر نہیں اُتر آیا تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ نہ کسی فطری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے بلکہ وہ مکمل طور پہ اس خلاّق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے۔

ماں کے دودھ سے استدلال

جب ایک عورت ماں بن جاتی ہے اور اس کی گود میں بچہ کھیلنے لگتا ہے تو اس کے سینے سے دودھ اُتر آتا ہے جو غذا وہ پہلے کھاتی تھی اب بھی وہی غذا کھاتی ہے نہ غذا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ کھانے والی میں کوئی تبدیلی ہوئی پھر یہ دودھ کہاں سے آگیا۔ اگر یہ غذا کا اثر تھا تو کسی اور شخص کے کھانے سے اس کے سینے میں دودھ کیوں نہیں اُترتا اور اگر اس عورت کی خاصیت ہے تو بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کے سینے سے دودھ کیوں نہیں نکلا۔ معلوم ہوا کہ یہ اثر نہ غذا کا ہے نہ غذا کھانے والی کا یہ صرف اس قادر مطلق کی کارفرمائی ہے جو رنگ برنگ ترکاریوں کو خون کی رنگت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس خون کو دودھ کی سفید دھاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر ہمارے پاس کوئی ایسا خارجی عمل نہیں جس کے ذریعہ ہم ماں کے سینے سے جاری ہونے والے دودھ کو روک سکیں۔ مبدأ فیاض کے نزدیک جب تک بچے کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ماں کے سینہ میں دودھ اتارتا رہتا ہے اور جب ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو دودھ کے جاری ہونے کا یہ سلسلہ اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے کیا انسان کے جسمانی نظام میں اللہ کی ذات اور اس کی حکمت اور قدرت کی یہ بہترین نشانیاں نہیں ہیں۔

جانوروں کے دودھ سے استدلال

جانوروں سے جو ہم دودھ حاصل کرتے ہیں یہ اس چارے سے حاصل ہوتا

marfat.com

ہے جسے جانور کھاتے ہیں۔ پھر جب جانوروں کی اوجھڑی میں یہ چارہ پہنچتا ہے تو اوجھڑی میں ہضم اول کا مرتبہ شروع ہوتا ہے۔ اوجھڑی کے اوپر کے حصہ میں خون اور نچلے حصہ میں گوبر اور درمیانی حصہ میں دودھ کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس کے قوام کو اللہ تعالیٰ ہضم کے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا جانوروں کے تھنوں تک پہنچا دیتا ہے۔ دودھ کے نیچے گندگی اور غلاظت ہے اور اس کے اوپر سرخ رنگ کا سیال خون دوڑ رہا ہے آخر وہ کونسی حقیقت ہے جو جانوروں کے پیٹ میں تصرف کر کے سرخ رنگ کے سیال خون اور بدبودار گوبر کے درمیان سے صاف سفید شیریں اور خوشبودار دودھ کو اس طرح باہر نکال لیتی ہے کہ نہ گوبر کا کوئی ذرہ اس میں داخل ہوتا ہے اور نہ خون کا کوئی قطرہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ صاف اور پاکیزہ دودھ اس خالق کائنات کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو فرماتا ہے۔ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (النحل: ۶۶) ان جانوروں میں تمہارے لئے غور و فکر کا موقع ہے ہم تم کو گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

دودھ کا یہ حصول چارہ کا طبعی خاصہ نہیں ہے ورنہ نر جانور بھی یہی چارہ کھاتے ہیں اور ان سے دودھ کا کوئی قطرہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ مادہ جانور ہی کی طبعی خصوصیت ہے ورنہ ایام حمل میں یا اس سے پہلے بھی وہ دودھ دیتی رہے نہ بچہ کی خصوصیت ہے کیونکہ بچہ کے مرجانے کے بعد بھی وہ ایک مدت معینہ تک دودھ دیتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں سے دودھ کے حصول کے نظام میں چارہ، جانور، اور بچہ کوئی چیز مرکزی کردار ادا نہیں کرتی اس تمام مربوط نظام میں جو دودھ کے حصول کا سبب ہے وہ ایک ذات کارفرما ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنا تصرف فرما رہی ہے۔

نظامِ ہضم سے استدلال

انسان جو غذا کھاتا ہے وہ اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کا ہضم اول شروع ہوتا ہے

marfat.com

اس غذا کا جو صاف جوہر ہے وہ جگر کی طرف چلا جاتا ہے اور جو کثیف مادہ ہے وہ انتڑیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پھر جگر میں ہضم ثانی ہوتا ہے اور صاف جوہر جگر میں جا کر سوداء صفراء پانی اور خون بن جاتا ہے پھر وہاں ان کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سوداء تلی کی طرف چلا جاتا ہے اور پانی گردہ کی طرف اور خون رگوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور وہاں ہضم ثالث کا عمل شروع ہوتا ہے اور حرارت غریزی سے اعضائے بدن کی جو صورت تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ خون ان اعضاء میں پہنچ کر اس کے عوض اس عضو کی نئی صورت مہیا کرتا ہے۔ سوچئے کیا یہ سب یونہی ہو رہا ہے۔ کھانے کے چند نوالوں سے جو خون گوشت اور ہڈیوں کی صورت نشو و نما پا رہی ہے کیا یہ کسی عظیم حکمت اور زبردست قدرت کے زیر انتظام نہیں ہے۔

انسانی نشو و نما سے استدلال

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جس طرح انسان کے جسم کی ساخت بنائی ہے اس میں متعدد کارآمد اعضاء رکھے ہیں پھر جو غذا ہم پانی اور کھانے کی شکل میں حاصل کرتے ہیں اس کا ایک ایک ذرّہ وہ ان تمام اعضاء کو ان کی مخصوص جگہوں پر پہنچاتا ہے اور جس عضو کو جتنی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو اتنی توانائی فراہم کرتا ہے اور اس طرح تدریجاً انسان کو اس کے طبعی ارتقاء تک پہنچاتا ہے آپ سوچئے کہ انسان کے جسم میں اس سارے نظام کو کون چلا رہا ہے کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے یہ تو ہو نہیں سکتا، یا کوئی مافوق الفطرت ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے پھر وہ ہستی کیا سورج ہے، چاند ہے، پانی ہے، آگ ہے، پتھر ہے۔ جانور ہے انسان ہے کیا ہے! یہ تمام چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خود کسی کے بنائے ہوئے نظام کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اس نظام کے پابند ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ عناصر ہوں یا کواکب زمین کی پہنائیاں ہوں یا افلاک کی بلندیاں یہ سب ایک نپے تلے مقدر اور منضبط نظام کے تحت اپنے اپنے حصہ کا کام انجام

marfat.com

دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ جس ذات نے ان تمام موجودات کو ایک نظام میں مربوط کیا ہوا ہے وہی ذات انسانی جسم کی ساخت اور اس کی نشو و نما کی خالق اور مربی ہے۔ سورج اور چاند اسی کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں۔ دن اور رات کا سلسلہ اسی کے اذن سے وجود میں آتا ہے۔ سمندروں میں طوفان اسی کے حکم سے اُٹھتے ہیں اسی کے حکم سے بارشیں نازل ہوتی ہیں۔ اسی کے اذن سے کھیتیاں ہری ہوتی ہیں وہ نہ چاہے تو بادلوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ اترے اور کھیتیاں ویران ہو جائیں اور زمین غلّہ کا ایک دانہ بھی نہ اگا سکے اور انسانوں اور حیوانوں کو کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہ مل سکے اور یہ سب بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

بیماری اور موت سے استدلال

صحت اور بیماری زندگی اور موت سب اللہ تعالےٰ کے دست قدرت میں ہے اگر وہ کسی شخص کو بیمار کرنا چاہے تو ہم ہزار جتن کے باوجود اس کی صحت واپس نہیں لا سکتے جب کہ اس جیسی بیماری کے ہزاروں مریض معمولی علاج سے شفایاب ہو جاتے ہیں اور اس بیمار کیلئے بڑے سے بڑے ڈاکٹر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے باوجود اس کی صحت کو واپس نہیں لا سکتے اور بالآخر وہ شخص بیماری کے ایام گزارتا ہوا اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر کی ہے اور جب کوئی انسان اپنی زندگی کے سانس پورے کر لیتا ہے تو خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر، بڑے سے بڑا ڈاکٹر ہو یا ماہر طبیب، سائنسدان ہو یا فلسفی اسے بہر حال اس وقت مرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑی سے بڑی کوشش اور اہم سے اہم سائنسی عمل ہزار جتن کے باوجود مدت حیات پوری ہونے کے بعد اسے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتا۔ اگر اس عالم اسباب سے کوئی ماوراء ہستی نہیں ہے تو پھر وہ کون سی طاقت ہے جو کسی بیمار کو تندرستی سے اور مرنے والے کو زندگی سے ہم کنار ہونے نہیں دیتی اس نظام کائنات میں تو ہر چیز خود ایک نظام کی پابند ہے وہ کیسے کسی کو صحت اور زندگی سے روک سکتی ہے۔

marfat.com

نظامِ کائنات کے ربط اور تسلسل سے

اس نظام کائنات پر غور کیجئے سورج ہر روز ایک مقررہ جہت سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مقررہ جہت میں غروب ہو جاتا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن، ہر سال اپنے اپنے موسموں میں کھیتیوں کا پروان چڑھنا۔ پھولوں کا اپنے وقت میں کھلنا۔ تمام روئے زمین میں ایک خاص طریقہ سے انسانوں کا پیدا ہونا اور اس کے بعد ایک وقت مقررہ پر انسان کا مر جانا کیا یہ تمام سلسلہ کائنات ایک مقررہ اور مربوط نظام کے تحت جاری نہیں ہے۔ پھر کیا کوئی ہوشمند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام منضبط اور مربوط نظام بغیر کسی خالق اور ناظم کے خود بخود اپنے آپ عدم سے وجود میں آگیا ہے۔

پانی کی فراہمی سے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ سمندر کا پانی اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ اس کے چند گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارے جا سکتے۔ پھر یہی پانی جب بخارات کی شکل میں طبقہ زمہریریہ تک پہنچتا ہے اور بادلوں سے موسلا دھار ٹھنڈا میٹھا اور شفاف پانی بن کر برستا ہے۔ تو وہ کون ہے جو اس کڑوے پانی میں شکر گھول دیتا ہے۔ دریاؤں سے جو اکثر و بیشتر پانی حاصل ہوتا ہے وہ بھی بادل اور بارش کا فیضان ہوتا ہے اور پہاڑیوں کی بلند بانگ چوٹیوں پر جو برف جمی ہوتی ہے وہاں اس برف کو ان چوٹیوں پر کون جماتا ہے کیا پہاڑوں کی چوٹیوں سے برفانی گھاٹیوں تک برف گرنے کا انتظام اور بادلوں کے ذریعہ پانی کی بہم رسانی کا نظام یونہی خود بخود وجود میں آگیا ہے۔ جب کارپوریشن کا ایک نل بھی ایک مستری اور چند مزدوروں کے بغیر نہیں لگ سکتا تو پانی کی اس قدر عظیم الشان ترسیل کا انتظام کسی ایڈمنسٹریٹر کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ پھر یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہو گی کہ کارپوریشن جو ایک محلہ کو ٹیکس لے کر پانی فراہم کرے۔ اس کی نظامت کو تو ہم تسلیم کر لیں اور جو ساری دنیا کو بغیر کسی ٹیکس کے پانی مہیا کر رہا ہے۔ اس کے نظام اور اس کی قدرت کا ہم انکار

marfat.com

کر دیں جبھی تو وہ فرماتا ہے۔

"اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ" الواقعہ: ۶۸۔۷۰ کیا یاد کوئی ہے پانی تم نے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو اس قدر کڑوا کر دیں کہ تم پی بھی نہ سکو پھر تم کیوں اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پانی کے حصول کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کے نیچے گہرائی میں پانی رکھا گیا ہے جس کو ہم ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل سے نکال کر اپنے کام میں لاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس پانی کو زمین کی تہہ میں کس نے رکھا ہے اور اتنے لاکھوں فٹ کی گہرائی میں جا کر رکھ بھی کون سکتا ہے۔ یہ بات تو وہی شخص کہہ سکے گا جو عقل و فہم سے بالکل عاری ہو کہ وہ پانی خود بخود وہاں موجود تھا۔ اس دنیا کے ہزاروں تجربات اور مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں خود بخود کچھ نہیں ہوتا۔ ایک کنستر میں بھی پانی خود بخود جمع نہیں ہوتا۔ زمین کی انتھاہ گہرائی میں لاکھوں مکعب فٹ پانی کس طرح جمع ہو سکتا ہے جن علاقوں میں دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی نہیں پہنچ سکتا وہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے زمین کے اس پانی کو دریائی پانی کا بدل بنا دیا ہے اور خود فرماتا ہے اَفَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ الملک ۳۰ "اگر اللہ تعالیٰ زمین کے پانی کو نیچے گہرائی میں دھنسا دے تو بتلاؤ! پھر تمہارے لئے کون پانی لے کر آئیگا" جس جگہ زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کی ضرورت تھی وہاں اسے زمین کے اندر گہرائیوں میں رکھا جہاں سخت پہاڑی اور پتھریلی زمینیں ہیں اور زمین کو کھودنا مشکل ہے اس نے وہاں پانی کے چشمے جاری کر دیے۔ کہیں برفانی چوٹیوں اور بادلوں کی لگاتار برسات سے دریاؤں کو رواں دواں کر دیا کہیں کنوؤں اور ندیوں کا انتظام کر دیا غرض جس جگہ پانی کی بہم رسانی کی ضرورت جس طرح پوری ہو سکتی تھی اس طریقہ سے وہاں پانی کو پہنچایا گیا پانی کی یہ حکیمانہ ترسیل کسی جلیل القدر

marfat.com

حکیم اور زبردست قادر اور عظیم خالق کے وجود کا تقاضا نہیں کرتی کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خلق خدا کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق ہر جگہ ان کے مقام کے مناسب یہ پانی خود بخود بغیر کسی پہنچانے والے کے پہنچ رہا ہے۔

نظام کائنات کے تناسب سے زمین و آسمان کی پہنائیوں میں اللہ تعالٰے نے اپنی نشانیوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم کیا ہوا ہے مکھی سے لے کر ہاتھی تک دیکھئے اللہ تعالٰے نے ان میں سے ہر ایک جسم کی ساخت اس کے حسب حال بنائی ہے۔ ہاتھی کے عظیم جثہ میں اس کی ضرورت کے جو اعضاء پیدا کئے ہیں۔ وہ تمام اعضاء مکھی کی معمولی جسامت میں بھی موجود ہیں حشرات الارض سے لے کر درندوں تک، چرندوں سے لے کر پرندوں تک جانوروں کی ہر نوع کو دیکھئے ہر جانور میں اس کی بے عیب خلقت اور عظیم حکمت کے آثار نظر آئیں گے پھر اس نے ہر جانور کی ایک غذا مقرر کی اور اس کو اپنی غذا کے حصول کے راستے اور اپنے سے بڑے جانوروں سے تحفظ کے طریقے سکھلائے شمال مغربی سرد اور برفانی علاقوں کے جانوروں کو دیکھئے ان کے جسم پر لمبے لمبے اور گھنے اونی بال نظر آئیں گے بالوں کی یہ افزائش ان کا علاقائی سردی سے تحفظ کرتی ہے۔ اور مشرقی اور گرم علاقوں میں ان جانوروں پر یہ بال نہیں ہوتے کیونکہ اگر اس قدر گرم علاقوں میں ان پر یہ بال ہوں تو وہ گرمی سے جھلس کر رہ جائیں۔ اسی طرح ہر علاقہ کے رہنے والے انسانوں کے مزاج کو وہاں کے حسب حال بنایا ہے افریقہ اور اس جیسے گرم علاقوں میں رہنے والوں کا مزاج اس قسم کا بنایا ہے کہ وہاں کی شدید گرمی کو برداشت کر سکیں۔ اور شمال مغربی علاقوں میں جہاں بے انتہا ٹھنڈ پڑتی ہے وہاں کے رہنے والوں کے مزاج میں اس سخت سردی کو سہارنے کا عنصر رکھا ہے یہ حکیمانہ تدبیر اور ہر مخلوق کی حسب حال رعایت اور یہ حسین عالمی انتظام دیکھ کر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ علم و حکمت کا یہ عجیب و غریب کارخانہ بغیر کسی چلانے والے کے از خود چل رہا ہے۔

marfat.com

کرن امید سے

امام جعفر صادق کی ایک بار ایک دہریہ سے ملاقات ہوئی جو وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتا تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا کبھی تم سمندر میں کشتی میں سوار ہوئے ہو اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کبھی طوفان کا سامنا بھی کیا اس نے کہا ہاں کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ ملاح ڈوب گیا اور لہروں کے تھپیڑے مجھے ساحل تک لے آئے۔ آپ نے فرمایا پہلے جب تو کشتی پر بیٹھا تھا تو تیرا اعتماد ملاح پر تھا اور جب ملاح طوفانی لہروں سے ڈوب گیا تو پھر تیرا اعتماد کشتی پر تھا اور جب کشتی ٹوٹ گئی اور تو ایک تختے کے سہارے بہنے لگا تو تیرا بھروسہ اس تختہ پر تھا اور جب تختہ بھی تیرے ہاتھ سے نکل گیا اور تو محض لہروں کے رحم و کرم پر بہہ رہا تھا اور طوفانی لہریں تجھے غرقاب کر رہی تھیں اس وقت تیرا کیا خیال تھا کہ یہ لہریں تجھے غرق کر دیں گی۔ یا اس وقت بھی تیرے دل میں امید کی کوئی کرن باقی تھی وہ کہنے لگا میں اس وقت بھی پرامید تھا کہ شاید سلامتی سے نکل آؤں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب جبکہ سارے مادی اور ظاہری سہارے ایک ایک کر کے چھوٹ چکے تھے اس وقت تو نے کس ذات کے ساتھ امید قائم کی ہوئی تھی کہ وہ تجھ کو بچالے۔ دہریہ خاموش رہا آپ نے فرمایا جس وقت کوئی مادی اور ظاہری سہارا نہ رہے اور سلامتی کے اسباب ایک ایک کر کے سارے ختم ہو جائیں اس وقت جس ذات سے امید قائم ہوتی ہے اور بے چارگی کے لامتناہی اندھیروں میں جس ذات سے مدد کی روشنی ملتی ہے وہی تیرا اور سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اسی نے تجھ کو غرق ہونے سے بچا لیا اسی کی یہ شان ہے کہ انسان جب چاروں طرف سے مایوسیوں میں گھر جاتا ہے اور اسے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عنقریب اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھر کر ختم ہو جائے گا تو اچانک وہ غیب سے اس کی سلامتی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے اسی لئے اس نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ‘‘ الشوریٰ ۲۸ وہ ذات جو

لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد اچانک موسلادھار بارش نازل فرما دیتی ہے اور اپنی رحمت کو عام کردیتی ہے وہی لوگوں کے کام بنانے والی اور قابلِ ستائش ہے

مایوسی کے وقت مشرکوں کے رجوع الی اللہ سے

جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اور اسے نجات کا کوئی راستہ نہیں ملتا اس وقت کٹر سے کٹر کافر بھی اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے جب خشکی اور تری کے سفروں میں لوگ مبتلائے آفات ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی شدید صعوبتیں اور ہولناک طوفان پیش آتے ہیں جن سے ذہن پریشان، دل مضطرب اور بدن کا رُواں رُواں خوف سے کانپنے لگتا ہے ایسے ہولناک سفر میں بت پرست اور ضدی سے ضدی مشرک بھی اپنے بتوں کو بھول جاتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا دہریہ بھی اپنے الحاد سے توبہ کر لیتا ہے اور ان تمام لوگوں کو اس وقت اپنے عقیدہ سے تراشے ہوئے سارے باطل خدا لوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اس وقت انہیں خدائے واحد کے سوا کسی کے دامن میں پناہ نظر نہیں آتی اور چار و ناچار سب کے سب اسی اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور ہر شخص اس کی رحمت کے سامنے دامن پھیلا دیتا ہے اور رو رو کر کہتا ہے "اے احکم الحاکمین! اور اے سارے جہاں کے رب اگر تو نے اس بار ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم الحاد اور شرک کو چھوڑ کر صرف تیری بندگی بجا لائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت کے اس بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لاتا ہے تو یہ اللہ تعالےٰ کے احسان کو یکسر فراموش کر کے پھر الحاد اور شرک کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس حالت کا نقشہ کھینچتا ہوا فرماتا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ "الانعام ۶۳، ۶۴" اے رسول آپ کہیے وہ کون ہے جو تمہیں جنگلات اور سمندروں کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے جس کو تم آہستہ آہستہ اور گڑگڑا کر

marfat.com

پکارتے ہو کہ اگر وہ اس مرتبہ ہم کو مصیبت کے اس گرداب سے نکال دے تو ہم ضرور اس کا احسان مانیں گے آپ کہیے کہ اللہ تعالےٰ تم کو صرف اس مصیبت سے ہی نہیں ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے لیکن مصائب سے چھٹکارا پانے کے بعد پھر تم اس کا احسان فراموش کر کے شرک کی پستیوں میں جا گرتے ہو۔

نفس انسان کی شہادت سے

مصائب اور پریشانیوں میں گھر جانے کے بعد ہر انسان فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۰ تا ۲۱) یقین کرنے والوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی کیا تم غور نہیں کرتے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر شہادت اور دلیلیں موجود ہیں جن پر اس نے کفر، الحاد اور شرک کے پردے ڈالے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا موقع ضرور آتا ہے جب کسی اچانک حادثہ سے شرک اور الحاد کے یہ سارے حجاب اچانک اٹھ جاتے ہیں اور توحید کی شہادت بے نقاب ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ بے ساختہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کے حضور جھک جاتا ہے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی زندگی میں اسی شہادت سے انقلاب آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کر لیا تو عکرمہ نے جدہ کا رخ کیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر حبش جانے کا قصد کیا۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی طوفانی لہروں میں گھر گئی پہلے پہل تو تمام بت پرست اپنے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو پکارتے رہے مگر جب طوفان کی ہولناکیاں بڑھنے لگیں اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی۔ جب دیوتاؤں کی شکتی کمان جاتا رہا تو سب بے اختیار پکار اٹھے کہ اب سوائے اللہ کے اور کوئی بچانے والا نہیں ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ اس خدائے واحد کے دروازہ رحمت پر دستک دی جائے پھر سب نے مل کر

marfat.com

بیک آواز اس کی رحمت کو پکارا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں ۔ عکرمہ کی زندگی میں یہ ایک انقلاب آفریں لمحہ تھا انہوں نے سوچا کہ ان کے تصور کے تراشے ہوئے سارے بُت بے حقیقت ہیں ان کی بصیرت جاگی اور انہوں نے سوچا جو خدا یہاں ان کی کشتی کو طوفان کے گرداب سے نکال سکتا ہے وہ درحقیقت خشک و تر ہر جگہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور جہالت کے سارے پردے اٹھ گئے اور دل پر کفر و الحاد کے جس قدر حجاب پڑے ہوئے تھے یکلخت دُور ہو گئے اور ان کے نفس میں جو توحید کی شہادت مستور تھی وہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ اُبھری اور انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر یہ کشتی اس طوفان سے نکل گئی تو میں سیدھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا ۔ اور اس خدائے واحد پر ایمان لاؤں گا جس کی بحر و بر پہ حکومت ہے جو طوفانوں کے رُخ پھیر سکتا ہے ہر قسم کی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور جس کو اس عظیم کائنات کی لامحدود وسعتیں کبھی بھی کسی بے بس اور لاچار کی فریاد سننے سے روک نہیں سکتیں ۔ چنانچہ سلامتی سے ساحل پہ آنے کے بعد انہوں نے اپنا عہد پورا کیا اور صدقِ دل سے مسلمان ہوئے اور بقیہ تمام عمر خدمتِ اسلام میں گزار دی ۔

زمین اور اُس کی کیفیات سے

زمین اور اس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے پہاڑ بلند اور مہیب چٹانیں ، کہسار ، آبشار ، ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا کی وسعتوں میں پُر بہار نخلستان یہ سب آخر کس نے بنائے ہیں ۔ ان کو مخصوص فاصلوں اور جغرافیائی حدود میں کس نے مقید کیا ہے ۔ پھر زمین کے سینے میں معدنیات کے ذخائر کس نے چھپا رکھے ہیں ۔ قدرتی گیس اور تیل کے وسیع و عریض چشمے ، لوہا ، تانبا اور چاندی سے لے کر سونے تک قیمتی دھاتیں یہ کس کی تشکیل سے وجود میں آئی ہیں ۔ پھر ان میں سے ہر ایک

marfat.com

تغیّر پذیر ہے۔ پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے جا سکتے ہیں۔ چٹانوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑا جا سکتا ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔ آج کے ریگستان کل کے نخلستان میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ بنجر زمین زرخیز کھیتوں اور پُربہار باغات سے بدلی جا سکتی ہے، زمین اور اس کی تمام خصوصیات کا وجود میں آنا کسی موجد اور خلاّق کا تقاضا کرتا ہے اور زمین کے نشیب و فراز اور فاصلوں سے اس میں دریاؤں اور پہاڑوں کا وجود اور اس کے اندر مناسب مقامات پر معدنیات کا وجود بتلاتا ہے کہ یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم خلّاق کی بہترین حکمتوں کا ثمرہ ہے۔ پھر زمین اور اس کے تمام آثار اور خواص کا تغیّر پذیر رہنا اور ہر زمانہ میں اس کے اندر تبدیلیوں کا واقع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کرہ ارضی ازلی ابدی قدیم اور لافانی نہیں ہے اور جس طرح ابتداً یہ اپنے وجود میں کسی موجد اور خالق کی محتاج تھی۔ اس طرح ہر دور میں اپنے تبدل اور تغیّر میں کسی قادر قیوم کی محتاج ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا وجود کسی خالق کی اور اس کے عجائبات کی مناسب ترتیب کسی زبردست حکیم کی اور اس کا تغیّر و تبدل کسی عظیم اور جلیل قادر قیوم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس پوری کائنات میں زمین اور اس کی ان تمام خصوصیات کی تخلیق کا سوائے خدائے بزرگ و برتر کے اور کوئی دعویٰ دار نہیں ہے۔ زمین کے یہ تمام حقائق عجائبات اور حکیمانہ ترتیب نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ یہ کسی انسانی وہم کے بنائے ہوئے دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے اور نہ ہی یہ کسی فانی انسان، بے خرد گائے اور غیر متحرک پیپل کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان تمام دلائل کو دیکھتے ہوئے جس کی عقل سلیم اور ہوش و حواس سلامت ہوں وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ یہ اس ذات کا کارنامہ ہے جو ازلی و ابدی ہے واجب اور قدیم ہے جو خالق بھی ہے اور قادر بھی اور حکیم بھی ہے اور علیم بھی اور وہ ذات سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہیں ہے چنانچہ

marfat.com

وہ خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِی مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهَارًا (الرعد ۳) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ نصب کئے اور دریا رواں دواں کر دیے) نیز فرمایا۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (الحجر ۱۹) (اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو قائم کیا اور اس میں ہر ایک مناسب اور موزوں چیز پیدا کی)

اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (الزخرف ۱۰) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا پھر اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پاسکو) اور فرماتا ہے وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ (الاعراف ۱۰) (اور ہم نے تم کو زمین پر تصرف کرنے کی قدرت دی اور اس میں تمہارے رزق کا سامان فراہم کیا بہت کم لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں کا اعتراف کر کے شکر ادا کریں۔

لیل و نہار سے رات اور دن کا تواتر اور اختلاف، سورج کی حرکات سے وجود میں آتا ہے۔ سورج کی حرکت سے زمین کا جو حصہ اس کے بالمقابل ہو وہاں دن ہوتا ہے اور جب سورج حرکت طے کرتا ہوا زمین کے اس حصہ سے غروب ہو جاتا ہے تو اس حصہ میں رات ہو جاتی ہے اور اس وقت سورج کرہ ارض کے دوسرے حصہ کے بالمقابل طلوع ہو کر وہاں دن کی رونقیں لے آتا ہے اور اسی طرح پیہم اور لگاتار کرہ ارض کے ہر حصہ میں سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا سلسلہ قائم رہتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سورج کو کون حرکت دے رہا ہے اور زحل، مشتری، مریخ اور دوسرے کواکب سیارہ میں سے دن اور رات کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے صرف سورج کی تخصیص کس نے کی ہے۔ کسی اور سیارہ سے یہ کام کیوں نہیں لیا گیا۔ کیا سورج کی حرکت روشنی اور توانائی کا یہ سلسلہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے اگر ایسا ہے تو اس میں ضبط

marfat.com

تسلسل اور دوام کیوں ہے اور اگر سورج از خود یہ عمل کرتا ہے تو اس جیسے دوسرے سیارگان جو فی نفسہٖ جسیم ہونے اور متحرک رہنے میں اس جیسے ہیں وہ یہ عمل کیوں نہیں کرتے پھر سورج میں روشنی، توانائی اور ایک خاص محور پر متواتر گردش کا نظام کس نے بنایا ہے پھر یہ کس کی حکمت ہے جس نے سورج کو زمین سے ایک خاص اور مناسب فاصلہ پر ایسے مدار میں رکھا ہے کہ اگر وہ اس فاصلہ سے کسی قدر اونچا ہو تو یہ کائنات ارضی سخت ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے اور اگر وہ اس فاصلہ سے سو میل ہی نیچے اتر آئے تو یہ تمام کائنات ارضی جل کر بھسم ہو جائے۔ سوچئے کہ سورج کا زمین سے یہ مناسب فاصلہ، ایک خاص محور پر مقررہ نظام کے تحت اس کی گردش، اس کی روشنی اور توانائی یہ کس کی قدرت اور حکمت کا کارنامہ ہے۔ کیا عقل کا اندھا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر کی بے جان مورتیوں، توہماتی دیوتاؤں، یا انسانوں کا کام ہے جو ہزاروں سال سے اسی نظام شمسی کے تحت پیدا ہوتے ہیں اور اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر مٹ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اگر عقل و خرد سے بالکل ہی بیگانہ نہیں ہو گئے تو انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ سورج کی تخلیق اس ہستی اعلیٰ کا کارنامہ ہے جو ازلی، ابدی، واجب، قدیم، قادر اور حکیم ہے جس کے حکم سے ایک سورج ہی نہیں تمام سیارگان اپنے مقرر کردہ دائرہ عمل میں گردش کر رہے ہیں، بلکہ کائنات کا ہر ذرہ اس کے حکم کے تابع اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰس ۳۸)

(سورج اپنے مرکز کے گرد گردش کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ گردش اس زبردست حکیم کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے) سورج کی حرکات سے محض دن اور رات کا وجود ہی عمل میں نہیں آتا بلکہ دن اور رات کا اختلاف بھی وجود میں آتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ تمام موسم دن اور رات کے اختلاف سے رونما ہوتے ہیں اور انسانوں اور حیوانات کی جسمانی نشوونما اور

مختلف فصلوں پھلوں اور پھولوں کی پیداوار اور افزائش کے لئے موسم کا اختلاف بے حد ضروری ہے۔ اگر موسموں کا یہ حکیمانہ اختلاف نہ ہوتا تو نہ زمین پر فصل اُگتی اور نہ باغوں میں پھول مہکتے، یہ موسمی اختلاف صرف نباتات کی بقاء کے لیے ہی نہیں بلکہ انسان کی بقاء کے لئے بھی ضروری ہے۔

یہ کس قدر زبردست حکمت ہے کہ موسموں کا یہ اختلاف اچانک اور فوراً نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً سردی کم ہوتی جاتی ہے اور گرمی بڑھتی جاتی ہے اگر دسمبر، جنوری کی سخت سردی کے بعد اچانک مئی، جون کی گرمی آجاتی تو اس اچانک تبدیلی سے انسان کے اعصاب پر کس قدر گہرا اثر پڑتا اور مشکل سے ہی کوئی ذی نفس زندہ رہ سکتا وہ حکیم مطلق درجہ بدرجہ سردی اور گرمی کے موسم لاتا ہے تاکہ انسان ایک موسمی ماحول سے نکل کر دوسرے موسمی ماحول میں آنے کے لیے بالکل تیار ہو جائے۔

رات اور دن میں مکمل تضاد ہے اور دو متضاد چیزیں ہمیشہ فساد کا موجب ہوتی ہیں لیکن قدرت نے رات اور دن کے خوبصورت اور حسین تضاد میں مصالح اور منافع کی تحصیل کے لیے مکمل معاونت رکھی ہے دن بنایا تاکہ اس میں انسان ہو یا حیوان وہ اپنی معیشت کا سامان حاصل کر سکے اور رات پیدا کی تاکہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان ہو یا حیوان وہ رات کی آغوش میں اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچا سکے اور رات میں اس کو ایسی میٹھی اور گہری نیند عطا کی جس کے سبب اس کا تھکا ہوا ذہن سکون حاصل کر سکے۔ فرض کیجئے یہ زمین گول نہ ہوتی اور اس پر ہمیشہ دن کا وجود مسلط رہتا تو کیا انسان کے اعصاب جواب نہ دے جاتے۔ کیا انسان کو آرام اور سکون کا کوئی لمحہ میسر ہوتا اور اگر زمین خواہ گول ہی ہوتی لیکن سورج نہ ہوتا تو اس کائنات پر ہمیشہ شب تاریک چھائی رہتی پھر کوئی ذی روح کس طرح اپنے لئے سامان معیشت حاصل کرتا۔ کھیتیاں کیسے پروان چڑھتیں اور کوئی جاندار کس طرح زندہ رہتا معلوم ہوا کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن

marfat.com

اور پھر ان میں کمی اور زیادتی کا تناسب اور تدریجاً اختلاف کسی ازلی اور ابدی قادر اور حکیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ القصص ۷۲-۷۳

آپ فرمایئے: یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن قائم رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون رات قائم کر سکتا تھا جس میں تم آرام پاتے، کیا تم غور نہیں کرتے کہ یہ محض اس کی رحمت ہے جس نے رات اور دن دونوں قائم کئے تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں معاش تلاش کرو۔ اور یہ کہ تم شکر ادا کرو۔

کشتیوں سے

چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر دیو ہیکل جہازوں تک جو دریاؤں اور سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہوتے ہیں یہ سب انسانی عقل اور اس کے ہاتھوں کی تراش وخراش کا نتیجہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی تیاری کے لئے لکڑی، لوہا اور دوسرے میٹیریل کو کس نے پیدا کیا۔ بادبانی کشتیوں کو متحرک رکھنے کے لئے ہوائیں کس نے چلائیں اور دخانی جہازوں کی حرکت کے لئے ایندھن کس نے پیدا کیا۔ لکڑی کی طبیعت میں یہ خاصہ کس نے رکھا کہ وہ ہزاروں ٹن بوجھ اٹھانے کے باوجود بھی سطح سمندر پر تیرتی رہتی ہے۔ لوہا اور لکڑی دونوں جسمیت میں متماثل ہیں پھر ان میں یہ فرق کس نے رکھا ہے کہ لوہا ایک تولہ بھی ہو تو پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ اور لکڑی ہزاروں ٹن کی بھی ہو تو سطح آب پر تیرتی رہتی ہے۔ پھر انسانوں کے دلوں میں یہ سکون اور طمانیت کس نے رکھی ہے کہ وہ بحری سفر کے لئے بے خوف وخطر تیار ہو جاتے ہیں پھر ہر علاقہ کو کسی خاص جنس کے ساتھ کس نے خاص کیا جس کی وجہ سے بحری سفر کی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور جب غیظ وغضب سے بھرپور طوفانی لہریں اٹھتی ہیں تو ان طوفانوں سے جہازوں کو سلامتی کے ساتھ کون پار لے جاتا ہے اور جب

marfat.com

جہاز خطرات سے گھر جاتا ہے تو مسافروں کی نگاہیں کس کی طرف اُٹھتی ہیں۔ دعاؤں کے لئے ہاتھ کس کی بارگاہ میں اُٹھتے ہیں۔ ہم دن رات ایسے واقعات دیکھتے ہیں لیکن ان واقعات و حوادثات کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا جو ہاتھ کار فرما ہے اس کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ نقوش اور فطرت کے عجیب و غریب کرشمے شب و روز ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن فاطر اور نقاش کی طرف ہماری نظریں نہیں اٹھتیں۔ صنعت و خلقت کے بہترین نمونے ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہیں لیکن صانع اور خالق کی طرف ہم ملتفت نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ الجاثیۃ: ۱۲، اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کے فضل سے اس کا رزق تلاش کرو اور شکر بجا لاؤ۔

*

ہواؤں سے ہواؤں کا وجود انسان کے سانس لینے کا مادہ ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہوائیں بند ہو جائیں تو انسان اور حیوان میں سے کوئی ذی روح زندہ نہ رہ سکے انسان اپنی زندگی کی بقاء میں ہوا پانی اور خوراک کا محتاج ہے ان میں سب سے زیادہ احتیاج اور ضرورت ہوا کی ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی ذی روح ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے کیونکہ خوراک کی بنسبت انسان پانی کا زیادہ محتاج ہے اور ایک دو دن انسان کو پینے کے لئے پانی نہ ملے تو وہ اس کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے اور پانی کے بعد خوراک کی ضرورت ہے کیونکہ چند دن انسان کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تو وہ بہر حال کسی نہ کسی طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ اب آپ قدرت کے نظام

marfat.com

پر غور کیجئے کہ انسان کو اپنی بقاء کے لئے جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ جس کے بغیر وہ ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا اس کا حصول اس نے سب سے سہل اور آسان کر دیا ہے کہ انسان ہو یا حیوان وہ بغیر کسی مشقت کے ہر وقت اور ہر جگہ ہوا کو باآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کے لئے اس کو نہ کوئی قیمت اور ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ نہ کسی کا زیر احسان ہونا پڑتا ہے اور پانی کی ضرورت بقاء انسانی کے لئے ہوا کی بہ نسبت کم ہے۔ اس لیے اس کا حصول بھی اس قدر عام نہیں ہے۔ تاہم ایک ذی روح دن میں متعدد بار پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس لئے پانی اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا تاہم اس کی متوسط ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں، کہ وہ بعض صورتوں میں بغیر کسی مشقت اور قیمت کے پانی حاصل کر لیتا ہے اور بعض صورتوں میں معمولی مشقت اور قیمت سے اسے ضرورت کے مطابق پانی حاصل ہو جاتا ہے اور غذا اور خوراک کی ضرورت چونکہ ہوا اور پانی کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اس لئے اس کو غذا وغیرہ کے حصول کے لئے بہرحال مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اب آپ سوچئے انسانی بقاء اور اس کی ضرورت کے مطابق جس ذات نے ہوا، پانی اور خوراک کا یہ نظام بنایا ہے کیا آپ اس ذات کی عظیم حکمت اور علم کا انکار کر سکتے ہیں جو ذات ہمہ وقت اور ہر جگہ ہواؤں کے سمندر کو رواں دواں رکھتی ہے کیا اس کی بے پناہ قدرت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ انسانی ضروریات کے مطابق ہوا پانی اور خوراک کی ترسیل کو کیا کوئی شخص ایک اتفاقی حادثہ قرار دے سکتا ہے جو شخص غور و فکر اور تدبر سے بالکل عاری نہیں ہو گیا اس کو بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کائنات کے نظام کے پیچھے ایک ہستی اعلیٰ اور مطلق العنان قادر قاہر حکمران کی تدبیر اور حکمت کام کر رہی ہے اور اس عظیم اور وسیع کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کی حکمت اور قدرت کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ ہواؤں سے فقط ہم سانس ہی نہیں لیتے دریاؤں میں رواں سمندروں میں طلاطم، اطراف عالم میں

marfat.com

کھیتوں اور باغات کی نشوونما سمندروں میں جہازوں کی آمدورفت، بادلوں کی گردش اور بارشوں کا حصول یہ تمام امور اس صناع مطلق کی پیدا کردہ ہواؤں کے سبب سے ہیں اگر وہ چند ساعتوں کے لئے بھی ہواؤں کو چلنے سے روک دے تو ساری کائنات کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ (الشوریٰ ۳۲-۳۳) "اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیوں میں سے ایک نشانی سمندروں میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو روک دے اور یہ جہاز سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں" نیز فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الروم ۴۶) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں بارش کی آمد کی خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم اس سے حظ رحمت لے سکو اور انہی ہواؤں سے اس کے حکم سے جہاز چلتے ہیں تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) اللہ کا فضل ڈھونڈ سکو اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کر سکو۔

اللہ تعالیٰ نے ہوائیں دو قسم کی پیدا فرمائی ہیں۔ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ہم سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں۔ پھر ہمارے جسم اور خون میں جو گندے اور زہریلے مادے ہیں وہ اس آکسیجن کو کاربن ڈائی آکسائڈ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں تو وہ ہوا کاربن سے بھری ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے درختوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کر لیتے ہیں اور تازہ آکسیجن چھوڑتے رہتے ہیں سوچئے۔ کہ اگر درختوں کا وجود نہ ہوتا یا درختوں میں کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرنے کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ فضا ہمارے سانسوں کے ذریعہ چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ سے پراگندہ ہو جاتی۔ سانس لینے کے لئے تازہ آکسیجن کا ملنا محال ہو جاتا اور زہریلی اور

marfat.com

بدبودار ہواؤں میں ہم گھٹ گھٹ کر مر جاتے۔ ہماری ضرورت کے مطابق درختوں میں کاربن کو جذب کرنے اور آکسیجن کو چھوڑتے رہنے کی خصوصیت کیا خود بخود پیدا ہوتی ہے یا یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ ہے۔ یا کسی جلیل الشان مدبر اور رفیع المرتبت حکیم کی عظیم ترین حکمت اور قدرت کا ثمرہ ہے اگر ہم انصاف کا خون کرنے پر آمادہ نہیں ہوگئے اور ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آئے تو لامحالہ ہمیں کہنا پڑے گا کہ ہواؤں میں جو خصوصیات، حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں نہ یہ کسی دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے۔ نہ خود تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے نہ کسی انسان کی محنت کا ثمرہ ہے سوائے اس قدیر و حکیم کے جو خلاق لم یزل ہے کسی اور شخص میں نہ یہ شکتی ہے کہ ہواؤں کو پیدا کر سکے اور نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو فضا میں رواں دواں رکھ سکے اور نہ یہ ہمت ہے کہ ان ہواؤں میں اس قسم کی خصوصیات اور فوائد مضمر کر سکے۔ یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی قدرت کا ثمرہ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ (الروم: ۴۸)

اللہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بخارات کو بادل بنا دیتی ہیں وہ ان بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

بادلوں سے

بادل بخارات کا ایک مجموعہ ہیں جو مختلف مقدار حجم میں فضا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ یہ بخارات عموماً پانی کو اور بسا اوقات برف اور اولوں کو اپنے اندر لئے پھرتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ پانی ہو یا برف اولے ان کا طبعی تقاضا اوپر سے نیچے گرنا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کشش ثقل انہیں نیچے لانا چاہتی ہے پھر وہ کونسی طاقت ہے جو بادلوں کے اندر پانی کو جب تک چاہے روکے رکھتی ہے اور جب چاہے چھوڑ دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں پانی کے طبعی تقاضا کا دخل ہے نہ کشش زمین کا بلکہ ان تمام امور پر کوئی غالب و قاہر ہستی ہے جو جب چاہے بادلوں سے پانی برسا دے اور جب چاہے ان سے پانی روک لے۔ پھر اس کی قدرت کے ساتھ حکمت پر

marfat.com

غور کیجئے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام فضا پر بادلوں کو مسلط کر دیتا اور ہم سورج کی روشنی کو ترس جاتے اور لگاتار بارش سے فصلیں برباد ہو جاتیں۔ مکانات منہدم ہو جاتے اور انسان کا روئے زمین پر زندہ رہنا دشوار ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو سرے سے بادلوں کا وجود نہ ہوتا لوگ تپتی ہوئی دھوپ میں سائے کو ترس جاتے کھیتیاں پروان نہ چڑھتیں اور بعض علاقوں میں پینے تک کے لیے پانی میسر نہ ہوتا پھر وہ بادلوں کو کسی ایک جگہ معلق نہیں رکھتا بلکہ ہواؤں کے ساتھ ان کو رواں دواں رکھتا ہے اور جس وقت اور جس علاقہ میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں پانی برسا دیتا ہے۔

اب سوچئے انسانوں اور زمینوں کی ضرورت کے مطابق بادلوں کا وجود اور علاقائی ضروریات کے مطابق بادلوں کی آمد و رفت کیا یہ سب خود بخود ہے یا کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ بعض زمینوں میں "پٹ سن" پان، چاول اور چائے کی کاشت ہوتی ہے جنہیں لگاتار بارشوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں غلہ کی دوسری اجناس کی کاشت ہوتی ہے جنہیں ایک خاص موسم میں بارش کی ضرورت ہوتی ہر زمینوں کی ان مختلف صلاحیتوں اور مختلف جغرافیائی ضرورتوں کی مناسبت سے کہیں لگاتار اور کہیں ایک خاص وقت میں بارشیں برسانے والا کون ہے ان تمام امور پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ بارش کا یہ نظام کیا خود بخود چل رہا ہے یا کوئی "اتفاقی" حادثہ ہے یا کسی انسان، موہوم دیوتا اور خود تراشیدہ بت کی کوشش ہے یا اس قادر قیوم علام الغیوب اور قدیر و حکیم کی قدرت اور حکمت کا ثمرہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا متکفل ہے جو ہر علاقہ کی ضروریات کو جانتا ہے اور ہر زمین کی کیفیت، استعداد اور صلاحیت کا علم رکھتا ہے پھر ان تمام انسانوں، علاقوں اور زمینوں کی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق بادلوں کے ذریعہ بارش نازل کرنے کا نظام قائم فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا

marfat.com

لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (الفرقان ۴۸، ۴۹)

اور اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو باران رحمت کی نوید دیتی ہیں۔ اور ہم ہی نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا تاکہ اس بارش سے ہم خشک اور ویران کھیتوں کو سرسبز اور شاداب کر دیں اور اسی بارش سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پانی پلائیں۔ نیز فرمایا گیا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ (الحجر ۲۲) اور ہم نے بادلوں سے بارش برسانے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے بادلوں سے پانی اتارا۔ پھر وہ پانی نہروں اور دریاؤں کی صورت میں جمع کر کے تم کو پلایا حالانکہ اس پانی کے نازل کرنے اور جمع کرنے میں تمہارا کوئی دخل نہ تھا۔"

حرف آخر

پھولوں کے چھوٹے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک نباتات کی بے شمار اقسام ہیں ان میں سبزیاں، پھل اور پھول سب ہی کچھ ہیں۔ ان کی روئیدگی زمین، پانی، ہوا، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں سے ہوتی ہے لیکن کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ان سب کی روئیدگی کے اسباب ایک قسم کے ہونے کے باوجود ان اسباب کے آثار ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے جو پانی پھولوں کو ملتا ہے وہی سبزیوں کو جو ہوا پھلوں کو تازگی دیتی ہے وہی فصلوں کو۔ اس کے باوجود کوئی پھول دوسرے پھول سے کوئی پھل دوسرے پھل سے کوئی فصل دوسری فصل سے نہیں ملتی۔ آخر ان میں فرق پیدا کرنے والا کون ہے اور مانا کہ نباتات کی روئیدگی ان اسباب سے ہے لیکن ان اسباب کا خالق کون ہے!

افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کے وہم کی بھی رسائی نہیں ہے وہاں کروڑوں ستارے کس نے روشن کیے ہیں۔ اگر ایک چراغ سے تیل ختم ہو جائے تو وہ بجھ جاتا ہے۔ شہر کا بجلی گھر فیل ہو جائے تو پورا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے

marfat.com

تو ان آسمانی روشنیوں کا انتظام کس نے کیا ہوا ہے۔ جن کی روشنی میں آج تک کمی نہیں ہوئی۔

کیکر کے درخت میں کبھی سیب کیوں نہیں لگتا۔ کبوتر کے انڈے سے کبھی کوّا کیوں نہیں نکلتا۔ انسان سے انسان ہی کیوں پیدا ہوتا ہے۔ ذرّہ سے لیکر آفتاب تک یہ تمام کائنات نظامِ واحد میں مربوط ہے۔ اس ربط اور نظم و ضبط کا خالق کون ہے۔

یہ دن اور رات کا تسلسل، یہ سورج کا طلوع اور غروب، یہ نباتات میں روئیدگی اور جانوروں اور انسانوں کی نسل میں باقاعدگی کا مربوط نظام، یہ نیلگوں فضائیں، یہ تاروں بھری روشن راتیں، یہ اودی گھٹائیں یہ بلند کہسار اور سرسبز وادیاں، یہ ابلتے ہوئے چشمے اور بہتے ہوئے دریا، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور اور جھکتے ہوئے باغات کیا یہ سب کے سب خدائے واحد کے موجود ہونے کی شہادت نہیں دیتے کیا اس کائنات کے نظام کی یکسانیت اور وحدت میں اس عظیم خالق کی وحدت نظر نہیں آتی اور ہمیں کہنے دیں کہ جس شخص کو اس حسین کائنات میں خدا کے حسن کا جلوہ نظر نہیں آتا اسے وہ جنت میں بھی نظر نہیں آئے گا۔

marfat.com

۲

نبوّت

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم

نبوّت

اسلامی عقائد میں عقیدہ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے حتیٰ کہ کوئی شخص رسول کو ماننے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے اگر مقام رسالت کی ادنیٰ بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی سطح پر لے آئے تو وہ ورطۂ شرک میں گر جاتا ہے الحاد اور دہریت نے یہ شبہات پیدا کر دیے کہ نبی کی کیا ضرورت ہے۔ دنیا خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکز ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے اس لیے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ نبوت سے متعلق تمام اہم حقائق دلائل کے ساتھ مختصراً پیش کر دیے جائیں تا کہ ایک عام انسان کو مقام رسول سے آگہی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ضرورت نبوت

انسان حواس و خرد کا مالک ہے۔ نظر و فکر کی استعداد رکھتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے، فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صلاح حیات کا کوئی لمحہ اعانت وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ بعض ان میں یہ ہیں۔

۱۔ واقعات عالم اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جن لوگوں نے نبی اور رسول کے بغیر خالق کو تلاش کیا۔ وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی اور کسی نے گئوماتا کی۔ کوئی بت پرستی کا شکار ہوا۔ اور کوئی کواکب پرستی کا۔ لہذا

marfat.com

تاریخ اور تجربے سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور رسول کے بغیر انسان خدا پرستی کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مبدء فیاض ہے اور انسان اکتساب فیض کرنے والا ہے اور افادہ و استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ مفید اور مستفید کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو۔ جب کہ واجب اور ممکن اور قدیم اور حادث کے مابین کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افاضہ اور استفاضہ کیسے ہو سکتا تھا فیض دینے والا خالق قادر اور لینے والا مخلوق عاجز تھا۔ تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شان رکھتی ہو۔ جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو۔ تا کہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی اور رسول رکھا۔

۳۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے خارج اور ظاہر کے ادراک کے لئے حواس کو پیدا کیا اور معانی اور بواطن کے ادراک کے لئے عقل کو پیدا کیا اسی طرح غیب کے ادراک کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو پیدا فرمایا اور جس طرح صورت کا بغیر حواس کے اور معنی کا بغیر عقل کے انسان کی سمجھ میں آنا محال ہے اسی طرح غیب کا ادراک بغیر نبوت کے ناممکن ہے۔ حشر و نشر، جنت و دوزخ، حساب و کتاب اور دوسرے امور جن کا تعلق غیب سے ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات جو غیب الغیب ہے ان میں سے کسی چیز کو بھی ہم نبی کی وساطت کے بغیر نہیں جان سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری اس ضرورت کے سبب نبی اور رسول کو پیدا فرمایا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لئے پیدا فرمایا ہے لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اسی طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ لیکن عقل اس وقت تک ذات الٰہی کی معرفت نہیں پا سکتی جب تک کہ آفتاب نبوت

marfat.com

اس کا معاون نہ ہو۔

۵۔ بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں۔ مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے۔ لہذا ضروری تھا کہ عقل کی اصلاح کے لئے بھی کسی ہادی کو پیدا کیا جاتا اور جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے وہی نبوت ہے۔

۶۔ انسان طبعی طور پر شہوت اور غضب سے مغلوب ہوتا ہے اور عام طور پر دنیا میں منہمک اور آخرت سے غافل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص اپنی تعلیم سے اس میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت پیدا کرے۔ عذاب کی وعید سے خوف خدا اور ثواب کی ترغیب سے شوق وصال پیدا کرے۔ اس ضرورت کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

۷۔ انسان مصنوعات کی رہنمائی سے عقل کے ذریعے اگر صانع کا عرفان حاصل بھی کر لے تب بھی اس کے احکام کی تفصیلات کو عقل محض سے نہیں جان سکتا اور تفصیل احکام میں وہ نبی کا محتاج ہے تو اپنے احکام کی تفصیل بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

۸۔ اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا۔ تو عرفان ذات کے لئے یہ بھی ناکافی تھا۔ کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے۔ اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر عقل انسانی ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

۹۔ اگر ہمارے سامنے صرف احکام ہوتے تو ممکن تھا کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسان کے لئے قابل عمل نہیں۔ اس لئے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں۔ قابل عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں ہے۔

marfat.com

۱۰۔ کتاب سے فقط احکام کا علم حاصل ہوتا ہے ان پر عمل کرنے کا طریقہ اور نمونہ صرف نبی کی ذات سے ملتا ہے۔ نبی صرف حامل کتاب نہیں ہوتا۔ مجسم کتاب ہوتا ہے۔ اس کی سیرت اور کردار عبارت کتاب کی اور عبارت کتاب اس کی سیرت اور کردار کی تعبیر ہوتی ہے۔

حقیقت نبوت اصطلاح شرع میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے مخلوق کے پاس بھیجا ہو۔ اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لئے معجزہ ضروری ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ نبوت صادقہ اور کاذبہ کے درمیان فارق صرف معجزہ ہے اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی کے صدق پر کوئی خارق عادت ظاہر نہیں فرماتا۔ اب اگر سچے نبی کے صدق پر بھی کوئی امر خارق ظاہر نہ کیا جائے تو سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان امتیاز نہ ہو سکے گا اور یہ مقصد بعثت کے منافی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ بخاری شریف میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا۔ مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لئے کافی تھیں۔

علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے۔ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اتری ـــــ عام ازیں کہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے۔ امام رازی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لئے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کیلئے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی

marfat.com

دیا ہے۔ جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہوجاتا ہے۔[لہ] ہم چونکہ صرف حواس اور عقل سے ادراک کرتے ہیں۔ اس لئے ہم پر فقط وہی امور منکشف اور متمیز ہوتے ہیں جو حواس اور عقل کے دائرہ میں ہیں اور نبی حواس کے علاوہ ایک اور صفت سے بھی ادراک کرتا ہے جس سے اس پر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے فرشتہ کی لائی ہوئی وحی اس کے نزدیک ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور آفتاب سے زیادہ صاف اور یقینی ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کی کتنی صورتیں ہیں۔ اس کا کسی عدد متعین میں احصاء تو نہیں کیا جاسکتا البتہ علماء کرام نے تتبع اور تلاش سے جس قدر صورتوں کو معلوم کیا ہے وہ یہ ہیں۔

ا۔ خواب کے ذریعے کوئی حکم دیا جائے جس طرح حضرت ابراہیم کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔

ب۔ گھنٹی کی آواز کی طرح وحی محسوس ہو۔

ج۔ نبی کے دل میں کوئی بات القاء کی جائے۔

د۔ جبرائیل نبی سے کسی معروف انسان کی شکل میں آکر کلام کرے جیسا کہ جبرائیل نے وحیہ کلبی کی شکل میں آکر حضور سے گفتگو کی۔

ہ۔ جبرائیل کسی غیر معروف انسان کی شکل میں آکر کلام کرے جیسے جبرائیل نے اعرابی کی شکل میں آکر حضور سے گفتگو کی۔

و۔ جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آکر ہمکلام ہو جیسے حضور سے جبرائیل نے اصلی شکل میں آکر باتیں کیں۔

ز۔ اللہ تعالیٰ پردہ کی اوٹ سے کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا۔

لہ امام غزالی فرماتے ہیں:۔ ان لہ صفة بها يبصر الملائكة ويشاهد هو كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعمى حتى يدرك بها المبصرات۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۹)

marfat.com

ح۔ اللہ تعالیٰ نبی سے بیداری میں بے پردہ کلام کرے جیسے حضور سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

ط۔ اللہ تعالیٰ رسول سے اس کی نیند میں کلام فرمائے جیسے معراج منامی کے واقعات ہیں۔

ی۔ اسرافیل کے ذریعے وحی کی جائے جیسے بعثت سے پہلے اسرافیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا۔ (بروایت شعبی)

ک۔ نیند میں نبی فرشتوں کا کلام سُنے اور ایسے متعدد واقعات ہیں۔

اعجاز نبوت معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے یا نہیں اس میں بعض متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور بعض متدعین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جس طرح لکھتے وقت کاتب کے ہاتھ میں قلم بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح اظہار معجزہ کے وقت نبی بھی بے اختیار اور بے بس ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ معجزے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو نبی کا فعل ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن لگا کر حضرت ابو قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگا دینا یا سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دینا معجزہ کی یہ قسم نبی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو نبی کا فعل نہ ہو۔ لیکن اس کا کسی وجہ سے نبی کے ساتھ تعلق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ کے کپڑے لے بھاگنا یہ معجزے ہیں لیکن ان کے اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔

جو معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے اس کا اختیاری ہونا ایسا ہی ہے جس طرح ہمارے افعال ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں کہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کاسب ہم ہیں اس طرح جو معجزات انبیائے علیہم السلام کے افعال ہیں۔ ان کا خالق اللہ ہے اور اس کے کاسب انبیا علیہم السلام ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس سے ہمیں حرکات اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے۔ اس طرح انبیاء کی ایک صفت ہوتی ہے جس کے

marfat.com

سبب معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔[1] اور میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ معجزہ انبیاء کا مقدور ہوتا ہے۔[2]

منصبِ نبوّت نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ:۳۰) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا، میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہذا نبی زمین پر خدا کا نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق بن کر آتا ہے۔ نبی کا قول اللہ کا قول، نبی کا فعل اللہ کا فعل اور نبی کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح:۱۰) جس نے رسول سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کرلی۔ اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے کہا وقد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونہیہ واخبارہ وبیانہ[3] اللہ تعالیٰ نے نبی کو امر و نہی اور خبر و بیان میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔

نبی قوانین کا واضع اور احکام کا شارع ہوتا ہے۔ اس کا امر خدا کا امر اور اس کی نہی خدا کی نہی ہوتی ہے۔ نبی کے حکم دینے کے بعد امت کے لئے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (الاحزاب:۳۶) اور نبی کے فیصلے کے بعد اس سے اختلاف تو

---

[1] ان لہ صفۃ بہا تتم لہ الافعال الخارقۃ للعادات کما ان لنا صفۃ بہا تتم الحرکات المقرونۃ بارادتنا واختیارنا وھی القدرۃ (احیاء العلوم ج۴ ص۱۹۰)

[2] ان نفس ھذا الحرکۃ معجزۃ من جھۃ کونہا خارقۃ للعادۃ ومخلوقۃ وان کانت مقدورۃ للنبی اللہ تعالیٰ وھو الاصح (شرح مواقف ص۶۶۶)

[3] الصارم المسلول ص۴۱

marfat.com

کجا اس کو ناگوار سمجھنے سے بھی انسان مسلمان نہیں رہتا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء: ۶۵) آپ کے رب کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ نہ مان لے اور آپ کے کیے ہوئے فیصلے سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں اور اس کو بخوشی تسلیم کرلیں حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو ان صریح احکام کے باوجود منصب نبوت کو مرکز ملت کے مساوی قرار دیتے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا مرکز ملت یا سربراہ مملکت سے نفاق رکھنے کے سبب[1] کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے جبکہ نبی سے نفاق رکھنے کی وجہ سے تو کوئی شخص مسلمان نہیں رہتا[2]۔ کیا مرکز ملت کے فیصلہ کو ناگوار سمجھنے سے آدمی دین سے نکل جاتا ہے۔ حالانکہ نبی کا فیصلہ جس کو پسند نہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے[2] مرکز ملت کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام کردے۔ اس کے برخلاف نبی کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے[3] مرکز ملت کے اقوال و افعال حجت شرعیہ نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس نبی کا ہر قول اور ہر فعل حجت شرعی ہے۔ نبی کا ہر وقت وحی سے رابطہ قائم رہتا ہے اس لیے اس کی ہر بات مستند ہوتی ہے اور مرکز ملت کی اپنی استقامت پر بھی کوئی سند نہیں ہوتی[4]

انکار حدیث کی بنیاد اس امر پر ہے کہ نبی کی حیثیت مرکز ملت کے مساوی ہے جس طرح ایک سربراہ مملکت کے احکام اس کے دور حکومت میں نافذ ہوتے ہیں۔ قیامت تک لاگو نہیں ہوتے۔ اس طرح نبی کی احادیث بھی اپنے وقت میں حجت تھیں، قیامت تک کے لیے سند نہیں ہیں اور اب جب یہ ظاہر ہو گیا

---

[1] اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون (منافقون: ۱)

[2] ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔ (نساء: ۶۵)

[3] يحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث۔ (الاعراف: ۱۵۷)

[4] ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (حشر: ۷)

کہ نبی کو مرکز ملت پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور فاسد ہے تو احادیث نبویہ کا حجت ہونا بھی بے غبار ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اللہ کی کتاب کا معلم اور شارح بن کر آتا ہے۔ نبی کی تعلیم سے آیات کے معانی متعین ہوتے ہیں اور احادیث رسول سے صرف نظر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ الغرض نبی کتاب کا شارح، ایمان کا منبع اور اللہ کا نائب ہوتا ہے اور مرکز ملت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

علوم نبوت نبی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہوتا ہے۔ افراد امت کے ایمان اور نفاق اور حسنات وسیئات سے واقف ہوتا ہے۔ شہادت اور غیب پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ امام غزالی حقیقت نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں عقل سے آگے ادراک کا ایک اور ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔ اس آنکھ سے نبی غیب کے آئندہ ہونے والے واقعات کو اور دوسرے ان حقائق کو دیکھ لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔[1]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں غیب کی دو قسمیں ہیں۔ غیب اضافی اور غیب مطلق۔ غیب اضافی وہ ہے جو سب کے لئے غیب نہ ہو۔ بعض سے غائب اور بعض پر ظاہر ہو جس طرح صورت اور رنگ غیب ہیں لیکن اندھے کے لئے، بینا کے لئے نہیں۔ اسی طرح جن اور ملائکہ جنت اور دوزخ غائب ہیں لیکن انسانوں کے لئے، فرشتوں کے لئے نہیں، اور بھوک اور پیاس، شہوت و غضب فرشتوں کے لئے غیب ہیں انسانوں کے لئے نہیں پس یہ تمام صورتیں

---

[1] وراء العقل طور آخر تنفتح فیہ عین اُخری یبصر بالغیب وما سیکون فی المستقبل و امور اخر العقل معزول عنہا (المنقذ من الضلال ص ۲۵)

غیب اضافی کی ہیں اور جو چیز تمام مخلوقات کی نظر سے غیب ہو وہ غیب مطلق ہے اور اس غیب پر اللہ صرف اپنے نبی اور رسول کو مطلع کرتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم یوں تو عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور فرشتوں کو بھی لیکن جو غیب نبی کے ساتھ مختص ہے وہ سب سے خاص اور منفرد غیب ہے اور وہی اس آیت کریمہ کا منشاء ہے۔ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول (الجن ۲۶-۲۷) اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوا ان لوگوں کے جن پر اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو علم دیا ہے اس کا ذکر یوں فرماتا ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم (اعراف ۲۷) شیطان اور اس کی ذریات روئے زمین کے تمام بنی آدم کو دیکھتی ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ نبی کا علم شیطان سے زیادہ ہو۔ ورنہ شیطان علم کے اعتبار سے نبی پر غالب ہوگا۔ اور یہ سراسر باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لاغلبن انا ورسلی (المجادلہ ۲۱) میں اور میرے رسول غالب ہیں ثانیاً اسلئے کہ جب شیطان نبی پر غالب ہوا تو جس طرح وہ دوسروں کو گمراہ کرنے پر قادر ہے اسیطرح نبی کو گمراہ کرنے پر قادر ہوگا۔ حالانکہ شیطان نے خدا کے سامنے خود اعتراف کیا کہ فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (ص ۸۲-۸۳) اے رب تیری عزت و جلال کی قسم میں سب لوگوں کو گمراہ کر دوں گا۔ ماسوا تیرے مخلص بندوں کے۔ پس ضروری ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تمام روئے زمین کے بنی آدم کا علم عطا فرمایا ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کو اس سے زیادہ علم عطا فرمائے حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر جو شیطان کے لیے روئے زمین کا علم مانتے ہیں اور نبی کے لئے پس دیوار کا علم بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض (الانعام ۷۵) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو

ے تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۲۱۴

marfat.com

تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھلائیں۔

امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک کوئی حقیقت نہیں تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کو دکھلایا۔[1] اس سے ظاہر ہو گیا کہ شیطان کا علم علومِ نبوت کی عظمتوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر شیطان روئے زمین کے بنی آدم کو دیکھتا ہے تو نبی کی نظر میں فرش سے عرش تک کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی اور شیطان تو کجا فرشتوں کا علم بھی نبی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ مخلوقات میں آخری مرتبہ نبی کا ہوتا ہے جس پر تمام حقائق منکشف ہوتے ہیں۔[2] اور ایک جگہ لکھتے ہیں نبی کی ایک صفت ہے جس سے وہ نیند یا بیداری میں آئندہ ہونے والے واقعات کو غیب سے جان لیتا ہے اور اس صفت سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور غیب کے امور کو دیکھ لیتا ہے۔[3]

ان لہ صفۃ بہا یدرك ما سیکون فی الغیب اما فی الیقظۃ او فی المنام اذ بہا یطالع اللوح المحفوظ فیری ما فیہ من الغیب۔

لوح محفوظ کے علوم کا احاطہ کر لینا غیب مطلق کو جان لینا اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہونا اگرچہ یہ بھی علوم نبوت کی عظیم اقسام ہیں۔ لیکن نبوّت کا اصل کمال اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے ثمرات کے عارف ہوتے ہیں اور دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ اور حادثہ کا ربط اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے فلاں واقعہ فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ وہ صفات شناسائے ربوبیت ہوتے ہیں اور آنے والے حوادث کا رُخ پہچان

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۴ صہ ۴۷ [2] اقصی الرتب رتبالنبیؐ تنکشف لہ کل الحقائق۔ احیاء العلوم ج ۳ صہ ۸ [3] احیاء العلوم ج ۴ صہ ۱۹۰

marfat.com

لیتے ہیں۔

استصواب بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم میں ایسا ہی عموم اور شمول ہوتا ہے تو علم کے باوجود حضرت آدم نے دانہ گندم کیوں کھایا۔ جب حضرت یعقوب کو علم تھا کہ حضرت یوسف کنویں میں سلامت ہیں تو ان کے غم میں کیوں روتے رہے۔ جب حضور کو علم تھا کہ کفار کی دعوت پر ستر قاریوں کو بھیجنا بالآخر کفار کے ہاتھوں ان کی شہادت کا سبب ہوگا تو آپ نے انہیں کیوں بھیجا۔ جواباً گزارش ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر غفلت یا نسیان نہ آسکے۔ ثانیاً عرض یہ ہے کہ ان مثالوں سے علم کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ حضرت آدم کو یقیناً علم تھا کہ دانہ گندم سبب مواخذہ ہے۔ لیکن انہوں نے بھول کر کھایا اور حضرت یعقوب کو قطعاً معلوم تھا کہ حضرت یوسف سلامت ہیں اور ان سے ملاقات ہوگی۔ کیوں کہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی مگر غلبۂ محبت کے باعث وہ خود فراموشی کے عالم میں تھے اور فراق یوسف کے صدمے سے روتے رہتے تھے اور حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفار کی خباثتوں کے علم کے باوجود صحابہ کرام کو بھیجنا متعدد حکمتوں کے سبب تھا۔ ایک یہ کہ حضور یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ قتل کے خوف سے تبلیغ دین نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ دوسری یہ کہ حضور نے علم کے باوجود قضاء و قدر کی موافقت کے لیے صحابہ کو بھیجا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ اگر حضور کفار کی دعوت پر قاریوں کو نہ بھیجتے تو کل حشر کے دن کفار اللہ کے سامنے حضور کے خلاف استغاثہ کرتے کہ ہم نے طلب ہدایت کے لئے مبلغ مانگے تھے۔ تیرے نبی نے ان کو نہیں بھیجا۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ حضور نے باوجود علم کے صحابہ کو نہ بھیج کر ان کے لئے شہادت کی سعادت کا موقع فراہم کیا جس کے لئے وہ ترستے رہتے تھے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ قاریوں کے بھیجنے پر اعتراض اس شخص کے ذہن میں ہوگا جس کا مطمح نظر دنیا کے سوا کچھ نہ ہو ورنہ سچے مسلمان کے لئے شہادت سے بڑھ کر کوئی نعمت

marfat.com

نہیں اور خوف شہادت سے تبلیغ کو چھوڑ دینا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی۔

جن جزوی واقعات سے منکرین کمالاتِ نبوّت، انبیاء علیہم السلام کے علوم کی نفی کرتے ہیں ان سب کا یہی حال ہوتا ہے یا وہاں نفسِ علم کے باوجود بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیے مثلاً تعلیم دین اور تکمیلِ شریعت کی خاطر اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے نبی کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور ایسا علم جس پر کسی حال میں غفلت اور نسیان نہ آسکے، صرف اللہ تعالیٰ کے علم لازوال میں ہی ممکن ہے۔

عصمتِ نبوّت

نبی کا ایک مرکزی وصف عصمت ہے اسی وصف کی اساس پر شریعت تعمیر ہوتی ہے اور اگر نبوّت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے لائے ہوئے دین کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ میر سیّد شریف جرجانی نے شرح مواقف اور سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں عصمت کی جو تعریف کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں کے تمام مفاسد اور نیکیوں کے تمام فوائد پر نظر رکھنے کی وجہ سے نبی کو ایک ایسا ملکہ فاضلہ اور وصف راسخ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معصیّت پر قدرت کے باوجود اس سے بچا رہتا ہے اور جُوں جُوں ان کے سینہ پر وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے اور اللہ سے اس کا رابطہ قوی ہوتا ہے اس وصف کا رسوخ بڑھتا چلا جاتا ہے

عقلی اور نقلی دلائل سے علماء اسلام نے عصمتِ انبیاء کے ثبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ بعض ازاں یہ ہیں۔

۱۔ نبی کے تمام افعال و اقوال دلیل شرعی ہوتے ہیں ــــ اگر اس کے اقوال و افعال میں معصیت آجائے تو ان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

۲۔ نبی کے صدق پر معجزہ دلیل ہوتا ہے۔ اگر نبی جھوٹ بولے تو معجزہ سے اعتماد ساقط ہو جائے گا۔

۳۔ اگر نبی فاسق ہو تو اس کی پیروی حرام ہو گی۔ حالانکہ امت پر نبی کی پیروی واجب ہے۔

marfat.com

۴۔ اللہ کو غصہ میں لانے والی چیز یہ ہے کہ انسان وہ بات کہے جسے خود نہ کرتا ہو۔[1]
اب اگر نبی کا اپنا دامن شر سے آلودہ ہو اور وہ لوگوں کو خیر کی تلقین کرے
تو وہ اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق ہو گا حالانکہ اللہ نبی سے زیادہ
کسی پر راضی نہیں ہوتا۔ من ارتضی من رسول، الجن: ۲۷ جن پر اللہ راضی ہے وہ
اس کے رسول ہیں۔

۵۔ اگر انبیاء میں فسق ہوتا تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کی گواہی کا
قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی ذات پر گواہ ہوتے ہیں۔

۶۔ قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کل من الصالحین
الانعام ۸۵ یہ سب نیک ہیں۔

۷۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے: انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار ص ۴۷
یہ ہمارے نزدیک اخیار اور پسندیدہ ہیں۔

۸۔ شیطان نے بھی خدا کے سامنے اعتراف کیا کہ انبیاء کو گمراہ نہ کر سکے گا۔
لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین ص ۸۲، ۸۳

۹۔ انبیاء فرشتوں سے برتر ہیں اور جب فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء کی عصمت
بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے۔

۱۰۔ العیاذ باللہ اگر انبیاء گنہ گار ہوتے تو مستحق عذاب ہوتے۔ حالانکہ انبیاء
نہ صرف یہ کہ خود عذاب سے بری ہوں گے بلکہ ان کی شفاعت سے ہم
جیسے لاکھوں گنہ گار نجات پائیں گے۔

بعثت سے قبل اور بعد نبی سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔
نہ سہواً نہ عمداً۔ البتہ نسیان اور اجتہادی خطا نبی کے حق میں جائز ہے۔ قرآن
حکیم میں جن زلات انبیاء کا ذکر ہے وہ سب اسی قبیل سے ہیں اور انبیاء کا

---

[1] کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون الصف ۳

marfat.com

ان پر استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکسار ہے۔

خصائص نبوّت انبیاء علیہم السلام جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔ نبی کی حقیقت کو نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔[۱] امام رازی حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔[۲] ظاہر ہے کہ بشریت کے جس قالب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کا مرکز بنانے کے لیے منتخب کر لیا ہو، وہ عام لوگوں کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے جس سے وہ غیب و شہادت دونوں کو دیکھ سکے۔ اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بارِ وحی کا متحمل ہو سکے۔ اور اس کی فکر کو وہ جرأت دیتا ہے جس سے وہ صفات الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔

ذیل میں ہم نبی کے حواسِ خمسہ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ نبی عام لوگوں کی مثل نہیں ہوتا۔

باصرہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے فرش تا عرش حقائق دیکھے۔ حضور نے فرمایا۔ میں تمہیں سامنے اور پس پشت یکساں دیکھتا ہوں ایک مرتبہ فرمایا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب دیکھ لئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا۔

سامعہ:۔ نبی وحی کو سنتا ہے۔ جنات اور فرشتوں کی آواز سنتا ہے سلیمان علیہ السلام نے مسافت بعیدہ سے چیونٹی کی آواز سن لی اور حضور نے بے پردہ خدا کا کلام سُنا۔

شامہ:۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کوسوں دُور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو اُن کے کرتے سے سونگھ لی۔

---

[۱] احیاء العلوم ج ۳ صہ ۸ [۲] تفسیر کبیر ج ۲ صہ ۴۲۳

marfat.com

ذائقہ :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ چکھ کر اس میں ملا ہوا زہر معلوم کر لیا۔

لامسہ :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بدن چھوتے ہی آگ گلزار ہو گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے حلیمی سے نبی کے چھیالیس خواص نقل کئے ہیں۔ ہم ان سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ نبی اللہ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے۔

ب۔ فرشتوں، جنوں اور غیب کو دیکھ لیتا ہے۔

ج۔ حیوانات، نباتات اور جمادات سے ہمکلام ہوتا ہے۔

د۔ ماضی اور مستقبل کے واقعات کو جانتا ہے۔

ھ۔ اس کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کا کیا ہوا فیصلہ خطا سے محفوظ ہوتا ہے۔

و۔ نبی دلوں کے حال پر مطلع ہوتا ہے[1] نبی کے خواص میں یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل کرتا ہے اور وہ صرف قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ بنا کر جاتا ہے جو اس کے لائے ہوئے دین کی مکمل تعبیر ہوتا ہے! اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں۔ فطرتیں پلٹ جاتی ہیں وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانت دار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آجائے تو خیر بن کر نکلتا ہے۔ بحر و بر اس کے تابع اور عناصر مسخر ہوتے ہیں۔ دریا اس کے لیے رستہ چھوڑ دیتا ہے اور درخت اس کے حکم پر جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

الوہیت اور نبوت نبی اپنے تمام کمالات کے باوصف بندہ ہوتا ہے اور ہر قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے۔ نہ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم ———— سے کوئی نسبت

---

[1] فتح الباری ج ۱۶ ص ۲۰

marfat.com

ہوتی ہے۔ نہ اس کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی اور ایک رائی کے دانہ پر بھی قدرت میں خدا اور نبی میں کوئی مساوات نہیں ہوتی نبی کا جو کمال بھی ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا مستعار اور جائز الزوال ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر وصف ذاتی قدیم اور لازوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی غافل نہیں ہوتا اور نبی کی توجہ بسا اوقات بعض چیزوں سے ہٹ جاتی ہے خدا اور رسول میں اگرچہ قدم و حدوث اور اصل و استعارہ کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن یہ فرق چونکہ عقلی اور نظری ہے اور عام ذہنی سطح سے بلند ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایسے احوال و عوارض میں مبتلا کرتا ہے جس سے اس کے کمالات کا حادث اور مستعار ہونا عام لوگوں کو بھی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متعدد بار نبی پر غفلت طاری کرتا ہے تاکہ نبی کے وسیع علم کو دیکھ کر عام آدمی نبی کے علم پر اللہ تعالیٰ کے علم کا دھوکا نہ کھاسکے۔ اسی طرح عصمت کے باوصف بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی کو نسیان یا اجتہادی خطاء کے عارضہ سے ممنوعہ کاموں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ نبی کی معصومیت ایک عام انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نزاہت کاملہ سے مشتبہ نہ ہو جائے اور یونہی نبی کو تسخیر کائنات کی قدرت دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نبی کو درد اور تکلیف اور دوسرے عوارض بشریہ میں مبتلا کرتا ہے تاکہ کوئی شخص نبی کی قدرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی طاقت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت کا دھوکا نہ کھاسکے۔

مقام نبوت

اللہ تعالیٰ کا نبی اس کی مخلوق میں سب سے بلند ہوتا ہے سالہا سال سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اور عرصہ دراز سے تسبیح کرنے والے فرشتوں کے سامنے جب پہلا نبی آیا تو سارے فرشتے اس کے حضور سجدے میں گر گئے آدم اور ملائکہ کی پہلی ملاقات سے ہی ظاہر ہو گیا کہ جس مقام پر فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے۔ وہاں سے علوم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا انبئونی باسماء ھؤلاء البقرۃ ۳۱ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، تو انہوں نے جواب میں کہا لا علم لنا الا ما علمتنا البقرہ ۳۲ تیرے دیئے ہوئے علم کے سوا ہمارے پاس اور کوئی علم نہیں، اور یہ کہہ کر انہوں نے اللہ کے علم کے مقابلہ میں اپنا علم بھی ثابت کر لیا اور جب عرصہ محشر میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھے گا ماذا اجبتم المائدہ ۱۰۹ یعنی جب تم نے مخلوق کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے کیا کہا تو وہ سب یک زبان ہو کر عرض کریں گے لا علم لنا انك انت علام الغیوب المائدہ ۱۰۹ اللہ تیرے بیکراں علم کے سامنے ہمارا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کمال ادب یہی ہے کہ سورج کے سامنے چراغ کو نہ لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلہ میں اپنے علم کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہِ صمدیت کے ادب و احترام میں جو مقام ہے وہاں فرشتوں کا تصور بھی نہیں جاسکتا۔

انبیاء کرام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت سے ان کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے وہ امت سے متعلق ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وقت وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر سے قافلہ کی روانگی سے پہلے کنعان میں بیٹھ کر فرماتے ہیں انی لاجد ریح یوسف یوسف ۹۴ میں حضرت یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور ایک وہ وقت ہے کہ گھر کے قریب کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام گرے ہوئے ہیں اور آپ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو پھر کائنات کی کسی اور شے کی طرف ان کا التفات نہیں ہوتا اور جب مخلوق کی طرف متوجہ ہوں تو کوئی چیز ان سے مخفی نہیں رہتی۔

نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اس لیے اس کا اصل مقام اللہ تعالیٰ کی ذات میں انہماک اور اس کی صفات میں استغراق ہوتا ہے، وہ اپنی فطرت اور مزاج سے اللہ تعالیٰ کے جلووں میں کھویا رہتا ہے۔ نبی کی خلوت اللہ کی

marfat.com

دید اور اس کی جلوت اللہ کی نشنید ہوتی ہے وہ اسی کی تجلیات میں محو رہنا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت مقصود ہوتی ہے، اس لئے وہ فرشتوں کو بھیج کر نبی کو اس عالم محویت سے ہٹاتا ہے اور مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ پیارے تم تو منزل رسیدہ ہو، ذرا اس امت کو بھی مقام آشنا کر دو، جس محویت اور انہماک سے ہمیں دیکھتے ہو۔ اس دید کا کچھ حصہ اُمّت کو بھی عطا کر دو۔ اٹھو پنجۂ ابلیس میں اسیر لوگوں کو ضلالت کے ماروں کو صراط مستقیم دکھا دو۔ یہ مخلوق اپنی بدکاریوں کے سبب جہنم کے کنارے آ پہنچی ہے اسے آگ میں گرنے سے بچا لو۔ اپنی انقلاب آفریں نظروں سے کام لو۔ اور اس معاشرہ کو بدل ڈالو، بت پرستی کے متوالوں کو توحید کا رسیا کر دو اور ابلیسی کام کرنے والوں کو فرشتوں کی پاکیزگی دے دو۔

---

marfat.com

ختم نبوّت

پاکستان کی تاریخ میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن انتہائی — اہمیت کا حامل ہے اس دن پاکستان کی قومی اسمبلی نے پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور اب آئینی طور پر وہ مسلمانوں سے ایک الگ قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ بہت سے ناواقف لوگ قادیانیت کو سمجھے بغیر اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کریم کی خانہ ساز تفسیر اور نبوّت کی خودساختہ اقسام بیان کر کے سادہ لوح لوگوں کو یہ باور کرایا کہ ان کا دعویٰ نبوت ختم نبوّت کے عقیدے سے متصادم نہیں ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ایسے لوگ جو دین کے اصول اور قواعد سے ناآشنا تھے، مرزا صاحب کی نبوت سے متفق ہو گئے۔ لیکن اب جبکہ پوری ملّت اسلامیہ نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے اور پاکستان میں اس کی سرکاری حیثیت بھی منوالی ہے تو اب ان حضرات کو یہ سوچنے کا موقع ملے گا کہ چند لاکھ قادیانیوں کے مقابلے میں کروڑوں مسلمان جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کے اجماعی مسلک کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا ہے پھر تمام مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہدایت کیسے ہو سکتا ہے! ممکن ہے اس موڑ پر آ کر اُن کا ذہن رُخ بدلے اور غور و فکر کرے اور اگر وہ نہیں سوچتے تو ہم انہیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اور اس موقع پر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے از سرِ نو اسلام پیش کیا جائے اور انہیں

marfat.com

بتایا جائے کہ حضور تاجدار مدنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ جس آخری اینٹ سے قصرِ نبوّت مکمل ہونا تھا وہ لگ چکی ہے اور آپ کے بعد اب کسی شخص کے نبی بننے کا جواز نہیں رہتا اور جو دعوئے نبوت کرے گا کافر ہوگا۔

اس بحث سے پہلے ہم نبی کی تعریف، اس کی شرائط اور صفات بیان کرینگے پھر ختمِ نبوت کا مفہوم واضح کریں گے۔ اس کے بعد اہم شبہات کا ازالہ کریں گے اور آخر میں انہیں حق و صداقت کے نام پر اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نبوت کا مسئلہ عقیدے سے متعلق ہے لہٰذا اس کا اثبات صرف قرآن کریم کی آیات صریحہ اور احادیث متواترہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اخبار آحاد بھی عقائد کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ ہی فلاسفہ کے مبہم اقوال اس بحث میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

حقیقت نبوّت

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تبلیغ پر مامور کیا ہو۔ خواہ وہ شریعت سابقہ ہو یا جدید۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :- فبعث اللہ النّبیین مبشرین ومنذرین و انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس۔ البقرہ: ۲۱۳۔

اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو مومنوں کو بشارت دیتے تھے اور کفار کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان پر کتاب نازل کی (یعنی مجموعہ احکام خواہ بصورت صحیفہ ہو یا بشکل وحی) تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کریں۔ نبوت کا تحقق وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالًا نوحی الیھم النحل ۴۳: (اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) نیز فرمایا۔

انا اوحینا الیك کما اوحینا الیٰ نوح والنّبیین من بعدہٖ۔ النساء: ۱۶۳۔

جس طرح ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی ہے۔ اسی طرح ہم نے نوح اور دیگر انبیا علیہم السلام

maktabah.org

کی طرف وحی نازل کی تھی۔

نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی صداقت پر معجزہ پیش کرے۔ کیونکہ بغیر معجزہ کے نبوّت صادقہ اور نبوت کاذبہ میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا۔ مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لئے کافی تھیں، نبی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو اس کی زبان جاننے والا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔ ابراھیم ۴ (ہم نے کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجا، مگر اسی قوم کی زبان میں) اور یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ نبی پر جو وحی ہوتی ہے، وہ اس کا مفہوم اور مطلب پوچھنے میں دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے۔

ان اللہ اصطفیٰ ادم ونوحا وال ابراھیم وال عمران علی العالمین۔ آل عمران ۳۳

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم حضرت نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ صفات کے حامل ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے لحاظ سے دنیا میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہوتا۔ اس آیت کے بموجب نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تمام لوگوں میں جسمانیت اور عقل کے لحاظ سے کامل ہو۔ علم و فضل میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ہو۔ قابل نفرت صفات سے منزہ ہو۔ اس کی سیرت پاکیزہ اور اخلاق حمیدہ ہوں۔ حوصلہ مند اور جری ہو، کفار سے مرعوب نہ ہو اور آوازۂ حق سنانے کے لئے بڑے سے بڑے فرعون کو بھی خاطر میں نہ لاتا ہو۔ نبی اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی خوشنودی اللہ کی مرضی اور اس کا حکم اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ظلّی اور بروزی نبوّت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی نبوت کو

marfat.com

ثابت کرنے اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے تعارض اٹھانے کے لیے غیر مستقل نبوت کا سہارا لیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کبھی اُمتی نبی کبھی غیر تشریعی نبی اور کبھی ظلی اور بروزی نبی کہتے ہیں لیکن تمام اصطلاحات غیر اسلامی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نبی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی حاصل کر کے لوگوں کو پہنچائے خواہ اسے شریعت سابقہ کی وحی کی جائے یا جدیدہ کی اور جس شخص کو اللہ نے یہ منصب دے دیا وہ حقیقی، مستقل اور تشریعی نبی ہے۔ ظل، بروز اور اُمتی نبی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ النساء: ۱۶۳ اور وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم۔ النحل: ۴۳ سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے کہ جس کی طرف اللہ وحی فرمائے اور فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس۔ البقرہ ۲۱۳ فرما کر یہ بتلا دیا کہ نبی کے ذمہ وحی سے حاصل شدہ احکام کو بیان کرنا ہے۔

پس جو شخص وحی کا دعویٰ کرتا ہے وہ حقیقت میں نبوت مستقلہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ نہ نبوت کا اس کے سوا کوئی اور مفہوم ہے اور نہ ہی نبوت غیر مستقل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ واجب اور مستحق عبادت ہے۔ اس کے سوا الوہیت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اسی طرح وحی اور اس کی تبلیغ کے سوا نبوت کا کوئی مفہوم نہیں اور جس طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی نبی بھی نہیں بن سکتا۔

ختم نبوت اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جس قدر چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو تدریجاً اپنے کمال طبعی تک پہنچایا ہے۔ جب تک کوئی شئے اپنے کمال طبعی تک نہیں پہنچتی۔ اس وقت تک اس میں ارتقائی تغیرات آتے رہتے ہیں اور جب وہ ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے منتہائے کمال تک پہنچ جاتی

marfat.com

ہے تو آخر عمر تک وہ اسی مرتبے پر رہتی ہے اور اس میں کوئی اضافہ اور ترقی نہیں ہوتی۔ اسی نہج پر اللہ تعالٰے نے نظام شریعت قائم کیا۔ شرائع اور احکام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنے منتہائے کمال تک آپہنچا۔ اس طرح رسالت، نبوت اور شریعت کی جس قدر اصطلاحیں تھیں، وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں اور آپ کے بعد ان میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام جن شریعتوں اور اُسوۂ ہائے زندگی کو لے کر آتے رہے وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نہ تھے۔ مثلاً عیسٰی علیہ السلام نے تجرد کی زندگی گزاری اور ازدواجی سیرت کے لیے ان کی زندگی میں کوئی نمونہ نہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاہی کی زندگی گزاری ہے اور فقر کے لیے ان کی زندگی میں کوئی اسوہ نہیں۔ اس طرح سابقہ شریعتوں میں سیاست اور عبادت کا الگ الگ نظام تھا۔ یہ سب جزدی شریعتیں تھیں اس لیے ایک جامع اور کامل نبی کی ضرورت تھی جس کی سیرت میں انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت ہو۔ قیامت تک پیش آنے والے حالات اور مسائل میں کوئی مسئلہ نہ ہو، مگر اس نبی کی شریعت میں اس کے لئے رہنمائی موجود ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی المائدہ: ۳ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو کامل اور مکمل کر دیا اور کامل اور مکمل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ انسانی ضروریات کے لئے وحی کے ذریعہ حقیقی ہدایات دی جاسکتی تھیں، وہ سب دی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر وحی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ابھی کامل اور مکمل نہیں ہوا۔

پہلے زمانہ میں جب انبیاء کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک نبی آتا اور

marfat.com

بعض امور کے لیے ہدایت جاری کر دیتا اور کچھ امور رہ جاتے اور پھر دوسرا نبی آتا اور بعض احکام جاری کرتا۔ لیکن ضابطہ اخلاق و عادات ادھورا ہی رہ جاتا۔ اس لیے ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کے وجود سے ادھورے اخلاق پورے ہو جائیں اور ناتمام نظام مکمل ہو جائے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے اور دین و دنیا کا ایک ایسا کامل نظام پیش کیا جس میں ایک عالم سے لے کر عابد تک، سپاہی سے لے سپہ سالار تک اور تاجر سے لے کر قاضی تک سب کے لیے ہدایت ہے اگر تخت سلطنت پر بیٹھنے والا حاکم یہ فخر کرتا ہے کہ میں حضور کی سیرت کا تابع ہوں تو ایک کلہاڑا چلانے والا مزدور بھی سینہ تان کر کہہ سکتا ہے کہ میں بھی حضور کی سُنت کا پیروکار ہوں۔ انسانی اخلاق کے وہ تمام شعبے جو آپ کے آنے سے پہلے ناتمام تھے، آپ کے آنے سے تمام اور کامل ہو گئے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

میں اس لئے آیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کر دوں۔ پہلے نبیوں کی زندگی اور سیرت میں حیات انسانی کا کوئی حصّہ رہ جاتا تھا جسے پورا کرنے کے لیے دوسرے نبی آتے تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں بھی کوئی خلا ہوتا، تو اسے بھی پورا کرنے کے لیے بعد میں کوئی نبی آتا۔ لیکن آپ نے ایسی جامع اور کامل زندگی گزاری ہے کہ اس میں بعد میں آنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اب اگر آپ کے بعد کوئی شخص کسی کی نبوت کو تجویز کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی سیرت کے تمام اور کامل ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔

پہلے انبیا بعض قوموں کے لیے مخصوص ہوتے تھے جس قوم کے لیے وہ شریعت لے کر آتے اس کے سوا کوئی اور قوم اس ہدایت سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن رحمت خداوندی کا سیلاب تمام انسانوں کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا اللہ کی ہدایت کا امڈتا ہوا دریا یہ چاہتا تھا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی شریعت میں رنگ و نسل، خاندان اور قبیلہ اور زبان و بیان کی کوئی قید نہ ہو۔ جس کی تبلیغ

marfat.com

کی تند و تیز موجوں کی راہ میں زمانہ اور زمانیات رکاوٹ نہ بن سکیں جس کا پیغام زمانہ بعثت سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے ہدایت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا اور فرمایا: قیامت تک کی نسلوں کو مخاطب کر کے کہہ دیجئے۔

یا یہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ الاعراف: ۱۵۸ اے لوگو! میں تم تمام لوگوں کے لئے رسول بن کر آیا ہوں۔ اب حضور کے بعد اگر کوئی فرقہ کسی شخص کی نبوت کو جائز رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لئے حضور کی رسالت کو کافی نہیں سمجھتا اور وما ارسلنک الا کافۃ للناس پر ایمان نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں پہلے بھیجیں ان میں سے کسی کی حفاظت کا انتظام نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان میں مذکور ہدایت کی قیامت تک کے لئے ضرورت نہ تھی لیکن قرآن چونکہ وقوع ساعت تک کیلئے ہدایت تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ الحجر: ۹ اسی لیے حضور سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ الانعام: ۱۹ مجھ پر یہ قرآن اسی لیے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور قیامت تک جن کو اس کا پیغام پہنچے، انہیں عذاب آخرت سے ڈراؤں۔ پس معلوم ہوا کہ وحی قرآن قیامت تک کے لیے کافی ہے اور جو شخص اس کے بعد کسی اور وحی کا قائل ہے وہ وقوعِ ساعت تک قرآن کے عموم اور شمول پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضور سے پہلے جو نبی آئے تھے وہ کسی خاص علاقہ کیلئے نبی ہوتے تھے جو نبی جس علاقہ کے لئے ہوتا، اسی علاقہ کے لوگ اس سے استفادہ کر سکتے تھے اللہ نے چاہا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی تبلیغ میں علاقہ کی حد بندیاں حائل نہ ہوں پس اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا اور فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ الحج: ۱۰۷ نیز فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ الفرقان: ۱ حضور علیہ السلام کی رحمت اور آپ کی ہدایت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ لہٰذا جس چیز پر بھی

marfat.com

عالم رنگ و بُو کا اطلاق ہوگا، اس کے لیے حضور کی ہدایت کافی ہے اب اگر حضور کے بعد کسی علاقہ کے لوگ ایک نیا نبی تجویز کر لیں، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمام علاقوں کے لیے حضور کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔

پہلے زمانے میں ایک شریعت آتی پھر منسوخ ہو جاتی، پھر ایک اور شریعت آتی اور وہ بھی منسوخ ہو جاتی۔ ایک زمانہ میں کئی کئی شریعتیں چلتی رہتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا ایک ایسی شریعت بھیجے جو تمام شریعتوں پر غالب ہو، جسے بعد میں کوئی منسوخ نہ کر سکے۔ پس فرمایا :۔

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ

الصف : ۹۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین کامل دے کر بھیجا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس حضور کی شریعت اور آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہے اور حضور کے بعد جو شخص وحی کے ذریعے اللہ سے احکام پانے کا دعویٰ کرتا ہے وہ حضور کے لائے ہوئے دین کے غالب ہونے کا ایمان نہیں رکھتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب سے حضور کی ختم نبوت کو بیان فرمایا ہے لیکن بالآخر گفت گو کو ختم کرنے کے لیے فرمادیا :۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ الاحزاب ۴۰

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے۔

خاتم کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ بعثت انبیاء کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی مُہر ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی مُہر بنایا ہے۔ جس شخص پر حضور اپنی مُہر لگا دیتے ہیں وہ نبی بن جاتا ہے چنانچہ میں بھی حضور کی مُہر سے نبی بن گیا ہوں۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ نبی بنانا اللہ کا کام ہے حضور کا منصب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ الانعام: ۱۲۴

marfat.com

اللہ خوب جانتا ہے وہ کسے رسول بنائے گا۔ معلوم ہوا کہ رسالت کا جاعل اور خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور نہیں ہیں۔ جس شئے کو بند کرنے کے بعد اس پر سیل اور مہر لگا دیتے ہیں اس کو عربی میں ختم سے تعبیر کرتے ہیں جیسے فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم کفار کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ یعنی اب ان میں ہدایت نہیں آسکتی۔ اسی طرح ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ نبوت پر حضور کے ذریعہ مہر اور سیل لگا دی ہے۔ اب حضور کے بعد اس میں کسی کی مزید نبوت کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ یوں تو مرزا صاحب کے پیروؤں کے متعدد شبہات ہیں لیکن ان سب پر گفتگو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان کی جو معرکۃ آرا دلیل ہے اور جس کو وہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں ہم اسے پیش کیے دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ النساء ۶۹

اس آیت کا صاف اور صریح ترجمہ تو یہی ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء شہدا اور صالحین ہیں ان کی رفاقت بہت اچھی ہے۔ مع کا معنی لغت عربی میں ساتھ ہونا آتا ہے اور اس معنی کو حسن اولٰئک رفیقا میں رفاقت کے مفہوم نے اور بھی موکد کر دیا ہے لیکن مرزا صاحب کے پیروکار کہتے ہیں کہ مع کا معنی بننا ہے اور آیت کا مطلب ہے اللہ اور اس کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اطاعت الٰہی و رسول سے صدیق، شہید اور صالح بن سکتے ہیں تو نبی کیوں نہیں بن سکتے؟ اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ اگر مع کا معنی بننا تسلیم کر لیا جائے تو ان اللہ مع الصابرین کا مطلب ہوگا۔ صبر کرنے والے خدا بن جاتے ہیں اور ان اللہ مع الذین اتقوا کا مطلب ہوگا کہ متقی لوگ خدا بن جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بداہتہً باطل ہے ثانیاً اگر اللہ اور اس کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں تو کیا چودہ سو سال کے

marfat.com

عرصہ میں اللہ اور رسول کا اطاعت گذار کوئی نہ تھا۔ یہ کیا سبب ہے کہ اس عرصہ میں صدیق، شہید اور صالحین تو آتے رہے۔ نبی کوئی نہیں آیا۔ ثالثاً اگر اطاعت رسول سے نبوت ملتی ہو، تو ان لوگوں کو نبی ہونا چاہیئے تھا۔ جو اطاعت میں سب سے کامل تھے جنہوں نے نگاہ رسالت سے تربیت پائی۔ جن کے سامنے قرآن اترا جن کو اپنی زندگی میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے ذریعہ اعمال کی مقبولیت کی سند مل گئی اور جب ایسے کامل حضرات اطاعت سے نبی نہ بن سکے تو وہ شخص کیسے نبی بن سکتا ہے جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اعمال کی گارنٹی۔

عبارات صوفیاء محی الدین ابن عربی اور بعض دیگر صوفیا کی عبارات میں اولیاء اللہ کے لیے انبیاء الاولیاء کا لفظ ملتا ہے۔ مرزائی حضرات اس قسم کی عبارتوں سے یہ مطلب ثابت کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام اولیاء اللہ کے لیے ظلی اور امتی نبوت کے قائل تھے۔ اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز کتاب و سنت کے مطابق ہے، وہ مقبول ہے اور جو چیز کتاب و سنت کے مطابق نہیں۔ اس کے بارے میں حسن ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے ان کی اصلی عبارت نہیں ہے جس طرح زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑ کر کلام ملا دیا۔ اسی طرح ملاحدہ نے اکابر صوفیا اور علماء کی عبارات میں مختلف باتیں وضع کر کے شامل کر دیں۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

واما ما حکی عن ابن العربی من خلاف ذالک فحسن الظن بہ انہ من المفتریات علیہ المنسوبات الیہ (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲)

(ہر مومن پر ولی کے اطلاق کی جو حکایت ابن عربی سے کی جاتی ہے وہ ان جملہ افتراءات میں سے ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں۔)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عربی کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کے

marfat.com

دی گئیں ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف ایک پوری کتاب غنیۃ الطالبین کے نام سے منسوب کر دی گئی حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور دیکھئے امام عبدالوہاب شعرانی کی زندگی میں ان کی تصنیف البحر المورود میں تحریف کر دی گئی جس کا شکوہ انہوں نے المیزان الکبریٰ میں کیا ہے۔ پس صوفیاء کرام کی جو ایسی عبارات منقول ہیں جو صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہیں ان کا اس کے سوا کوئی اور محمل نہیں کہ وہ محض جعلی وضعی اور الحاقی عبارات ہیں۔ انہیں کسی طور پر بھی حجت نہیں مانا جا سکتا۔

قرآن کی آیات صریحہ سے جب ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے تو آپ کے بعد جو شخص بھی وحی اور نبوّت کا دعویٰ کرے گا، وہ باطل ہو گا۔ اس شخص کو کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا۔ اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ وحی اور نبوّت کے بطلان کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ لیکن ہم عمومی دلائل پر اکتفا کرنے کے بجائے بالخصوص مرزا صاحب کی نبوّت پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ متلاشیانِ حق پر حق تمام پہلوؤں سے آشکارا ہو جائے۔

مرزا صاحب کی نبوّت

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیروکار انہیں غیر تشریعی اور ظلّی نبی مانتے ہیں اور لاہوری حضرات سرے سے نبی ہی نہیں مانتے بلکہ مجدد کہتے ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ غیر تشریعی اور ظلّی نبی کوئی نہیں ہوتا۔ وحی اور تبلیغ وحی ہی نبوت اور تشریع کی حقیقت ہے اور جو شخص وحی پانے اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ مستقل نبوّت کا مدعی ہے اور مرزا صاحب نے جب وحی اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کیا۔ تو یہ تجدید کا نہیں نبوت مستقلہ اور تشریع کا دعویٰ تھا اور اگر قادیانی حضرات نہ مانیں تو ہم مرزا صاحب کے کلام سے یہ بات منوائے دیتے ہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی اُمّت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ میری وحی

marfat.com

ہیں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ یعنی یہ قرآنی تعلیم توراۃ میں بھی موجود ہے (اربعین نمبر ۴ صد ۶)

اس عبارت کے تیور بتا رہے ہیں کہ صاحب عبارت اپنے آپ کو کس پائے کا اولوالعزم نبی سمجھتا ہے جس پر وحی اترتی ہے جو صاحب شریعت ہے اور جو اپنے لیے ایک مستقل اور متوازی اُمت کا دعویٰ رکھتا ہے۔ آیئے اب ہم مرزا صاحب کی نبوت کا سراپا ان کے کلام کی روشنی میں پیش کرتے ہیں جس سے ان کی "نبوت" کی حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی۔

مرزا صاحب کی وحی

مرزا صاحب لکھتے ہیں :۔

"اور یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔ (چشمۂ معرفت صد ۲۰۹)

پھر یہ بھی انہوں نے ہی لکھا ہے کہ "زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں ہے، جیسے انگریزی سنسکرت یا عبرانی وغیرہ"۔ (نزول المسیح صد ۵۷)

ایک مکتوب میں شکوہ کرتے ہیں کہ "چونکہ اس ہفتہ میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں اور اگرچہ بعض ان میں سے ہندو لڑکے سے دریافت کیئے مگر قابلِ اطمینان نہیں۔ (المکتوبات احمدیہ ج ۱ صد ۶۸)

کیا مرزا صاحب کی ان عبارات سے یہ ظاہر نہیں ہو جاتا کہ جس کلام کو انہوں نے وحی کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ ان کے اپنے قول کے مطابق غیر معقول اور بے ہودہ باتوں کے سوا کچھ نہیں۔ غور فرمایئے کہ کیا نبی کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے۔

مرزا صاحب کا کلام

مرزا صاحب نے حق اور باطل کا ایک معیار پیش کیا ہے وہ ہے تناقض۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

marfat.com

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے"۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ صد ۱۱۱)

اب غور کیجئے کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں جو کوئی نبی ہوتا تھا۔ وہ کسی گذشتہ نبی کی امت نہیں کہلاتا تھا، گو اس کے دین کی نصرت کرتا تھا"۔ (چشمہ معرفت ضمیمہ ۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت کی قوت قدسی کچھ بھی نہ تھی اور آپ حضرت موسیٰ سے بھی گرے ہوئے، بلکہ ان کے بعد ان کی اُمت میں سے سینکڑوں نبی آئے۔

پہلے کلام میں ہے کہ گذشتہ نبیوں میں کوئی اُمتی نبی نہ تھا۔ دوسرے میں ہے۔ سینکڑوں اُمتی نبی بننے اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے اور مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق یہ صرف جھوٹے شخص کا ہی حصہ ہے۔ ایک اور تناقض ملاحظہ فرمایئے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ا۔

اگر خدا تعالےٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس کا نام محدث رکھنا چاہتے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کا معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔ مگر نبوت کا معنی اظہار غیب ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ صد ۷)

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ محدث پر اظہار غیب نہیں ہوتا۔ اب دوسرا قول ملاحظہ فرمایئے۔

"اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں۔ مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتا ہے اور امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں"۔ (توضیح مرام صد ۱۸)

ا۔ اشتہار مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بجواب سوال مندرجہ اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

marfat.com

مرزا صاحب کا کلام متناقض ہے اور خود ان کی تصریح کے مطابق تناقض جھوٹے کلام میں ہوتا ہے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ ایک جھوٹا شخص دعویٰ نبوت میں کس طرح سچا ہو سکتا ہے۔

کذب صریح

انبیاء علیہم السلام صادق اور صدیق ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل اور بعد ان کے کلام میں کذب راہ نہیں پا سکتا۔ قرآن کریم میں ان کے صدق کو متعدد آیات سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اختصار کے پیشِ نظر مرزا صاحب کی صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ لکھتے ہیں:

(بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی کہ ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس پائے اور مرتبہ کی ہے جو اس کتاب میں درج ہے۔ جو اصح الکتب بعد از کتاب اللہ ہے) (شہادت القرآن صہ۴۱)

حالانکہ بخاری میں ایسی کوئی حدیث نہیں۔)

مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ

نبی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ پیغام حق سنانے میں وہ کسی سے نہیں ڈرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود جیسے جابر بادشاہ کو للکارنا، حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں گرجتے ہوئے کلمۂ حق سنانا اس حقیقت کے واضح شواہد ہیں۔ اس کے خلاف مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ ملاحظہ فرمایئے۔

(ڈاکٹر مارٹن کلارک نے اگست ۱۸۹۷ء میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع کرتے ہیں جن سے لوگوں کی عزت پر حرف آتا ہے اور ان کی تذلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ گورداس پور کے ایک عیسائی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع نہ کریں لہٰذا انہوں نے عدالت کے روبرو اقرار کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ اقرار صالح کرتا ہوں کہ آئندہ میں ایسی پیشین گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کیے جاسکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الٰہی ہوگا۔" (تریاق القلوب صہ۱۳۰)

marfat.com

غور فرمائیے کیا نبی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ایک کافر حاکم کے خوف سے اپنے الہام اور وحی کا دروازہ بند کرلے۔ یاد رکھیے نبی کی شان ہے فاصدع بما تومر الحجر: ۹۴ یعنی جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا پوری قوت سے اعلان کیجئے جو شخص کفار کے خوف سے اپنی مزعوم وحی کو چھپاتا پھرے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

معاونت کفار

کفار کی معاونت کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اگرچہ نبی کا کفار کی معاونت کرنا امر محال ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے برسبیل فرض جگہ جگہ فرمایا ہے کہ اگر نبی نے کفار کی موافقت یا معاونت کی تو اس کا شمار بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

ولئن اتبعت اھوائھم من بعد ما جاءك من العلم انك اذا لمن الظالمين۔ البقرۃ ۱۴۵ لیکن مرزا صاحب نے انگریز کی تائید اور حمایت میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ خود ان کے قول کے مطابق ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

"انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے ایک برکت اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے"۔ (تبلیغ رسالت ج: ۱ صہ ۱۲۳ ازالہ اوہام صہ ۵۰۹)

نیز لکھتے ہیں:۔

میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ فرض ہے اور جہاد حرام ہے"۔ (اشتہار مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء)

یہ عبارات کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہیں۔ جس انداز سے ان عبارات میں کفار کی چاپلوسی اور خوشامد کی گئی ہے۔ نبی کا تو خیر ذکر ہی کیا۔ کسی باغیرت مسلمان سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں

انبیاء علیہم السلام نے جس قدر اپنی قوم کو پیشگوئیاں بیان کیں وہ سب پوری ہوئیں اور دنیا پر ان کی نبوت کا صدق ظاہر ہوگیا۔ مرزا صاحب نے بھی پیشگوئی کے صدق کو نبوت کی دلیل مانا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

marfat.com

بیں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ (سلطان محمد کی موت) کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آجائے گی۔" (انجام آتھم صد ۳۱)

مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کی لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مرزا سلطان محمد شادی کے ڈھائی سال بعد مرجائے گا اور محمدی بیگم ان کے نکاح میں آجائے گی۔ لیکن مرزا صاحب فوت ہو گئے اور سلطان محمد ان کی موت کے بعد دیر تک بفضلہٖ تعالیٰ زندہ رہا۔

اسی طرح انہوں نے عیسائی پادری آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کی، کہ وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے دن مرجائے گا۔ لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا۔ چنانچہ مرزا صاحب کے ایک مرید نے مضمون میں لکھا۔

"میں نے امرتسر جا کر عبداللہ آتھم کو خود دیکھا عیسائی اسے گاڑی میں بیٹھائے ہوئے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں لیے پھرتے تھے، لیکن اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ واقعہ میں یہ مرگیا ہے اور یہ صرف اس کا جنازہ ہے۔ جسے لیے پھرتے ہیں۔ آج نہیں، تو کل مرجائے گا۔"

(مضمون رحیم بخش قادیانی مندرجہ الحکم جلد ۲۵ صہ ۳ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۲۳ء)

جو پیش گوئیاں پوری نہ ہو سکیں، ان کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ اب ہم صرف ایک پیش گوئی نقل کرتے ہیں جو مرزا صاحب نے اپنی موت کے بارے میں کی ہے۔

لکھتے ہیں :-

پس خدا مارا ہشتاد سال عمر داد یا شاید ازیں زیادہ	اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی سال کی عمر دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

(مواہب الرحمان صہ ۲۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

اور پھر آخر میں اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر بڑھا دوں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے

marfat.com

کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء میں ۱۴ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں ان سب کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دونگا۔

(اشتہار مؤلفہ مرزا صاحب بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء)

پہلی بشارت کے بموجب مرزا صاحب کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ ہونی چاہیئے۔

اور دوسری کے مطابق مرزا صاحب کو ستمبر ۱۹۰۸ء کے بعد تک زندہ رہنا چاہیئے تھا لیکن دونوں پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ اور مرزا صاحب مئی ۱۹۰۸ء میں ۶۸ سال زندگی گزار کر راہئ ملکِ عدم ہوئے۔

جن پیشگوئیوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی مرزا صاحب نے بڑے طمطراق سے پیش کی لیکن وہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور مرزا صاحب خود اپنے قول کے مطابق جھوٹے قرار پائے۔ ہم قادیانی حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ واقعی مرزا صاحب کو مانتے ہیں تو خدا را سوچیئے اور سمجھیئے اور مان لیجئے کہ ان کا دعویٰ نبوت جھوٹا تھا انہوں نے جن پیشگوئیوں کے پورے نہ ہونے پر اپنے جھوٹے کو معلق کیا تھا، وہ پوری نہ ہوئیں اور مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا جھوٹ اور بطلان آشکارا ہو گیا۔

مرزا صاحب کی موت

نبی کی موت قابلِ رشک ہوتی ہے جس طرح نبی کی زندگی رحمت ہوتی ہے اسی طرح اس کی موت بھی رحمت ہوتی ہے۔ لیکن مرزا صاحب کی موت بڑی عبرتناک تھی اور مرزا صاحب کی اپنی تعبیر کے مطابق ان کی موت خدا کی سزا اور اس کے عذاب کی ایک بھیانک تصویر تھی۔

مرزا صاحب نے مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں انہیں مخاطب کر کے لکھا اگر میں ایسا کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں۔ تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے۔ جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں

marfat.com

وارد نہ ہو سکیں۔ تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ (اشتہار بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء ملخصاً)

اسی اشتہار میں مرزا صاحب نے ہیضہ کو خدا کی سزا قرار دیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا کی وفات کے بعد دیر تک (تقریباً چالیس سال) بخیر و عافیت زندہ رہے اور مرزا صاحب خود اسی ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے خسر میر ناصر صاحب قادیانی مرزا صاحب کی سوانح میں لکھتے ہیں:

"جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے مرزا کا انتقال ہو گیا۔ (حیات ناصر ص۱۴)

غور فرمایئے مرزا صاحب نے اپنے اشتہاری اقرار میں تین باتیں کہی تھیں۔

۱۔ ہیضہ میں مرنا خدا کی سزا ہے۔

۲۔ اگر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے تو وہ مفتری اور کذّاب ہیں۔

۳۔ اگر مولوی ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا تو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

لیکن مرزا صاحب ہیضہ میں مبتلا ہو کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے اور مولانا ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا۔ اب ہم قادیانی حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ مرزا صاحب کو سچا سمجھتے ہیں یا جھوٹا اگر جھوٹا سمجھتے ہیں تو جھوٹے شخص کی نبوت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر سچا سمجھتے ہیں تو ان کی عمر کی آخری بات کو تو مان لیجئے کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں کیونکہ مولانا ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہیں آیا اور یہ کہ وہ کذّاب اور مفتری ہیں کیونکہ وہ خود مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے اور یہ کہ وہ بصورت ہیضہ خدا کی سزا میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔

قادیانیوں کو دعوت اسلام

کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے جس قدر

marfat.com

باتوں کو ماننا ضروری ہے وہ سب امور قرآنِ کریم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی بعثت بھی ہوتی، تو قرآن میں اس کا بھی ذکر ہوتا اور جب قرآن کریم میں حضور کے بعد کسی نبی کی بعثت کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ آخر جن چیزوں کے ماننے سے صحابہ کرام اور خیر القرون کے اخیار مومن ہو گئے۔ ان چیزوں کا ماننا آج کیسے ناکافی ہو گیا۔ کیا ان کا اسلام اور تھا اور اب کوئی اور اسلام ہے۔ اگر ہم قرآن کو ناقص اور اسلام کو ناتمام دین نہیں مانتے۔ تو ہمیں ماننا ہو گا کہ قرآن کریم نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ ان کے سوا کسی اور پر ایمان لانا جائز نہیں ہے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت چونکہ قرآن کا مامور نہیں ہے۔ اس لئے ان کو نبی ماننا قرآن، ایمان اور اسلام سب کے مخالف ہے۔

یاد رکھیے نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوتے تو صحابہ کرام سے افضل ہوتے کیونکہ وہ نبی نہ تھے اور قرآن بتلاتا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد آنے والے لوگ ان سے افضل تو کجا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرمایا :-

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ الآیہ: الحدید: ۱۰

تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے صدقہ دیا اور قتال کیا تم لوگ اُن کے برابر نہیں ہو سکتے ان کے درجات بہت بلند ہیں۔

عموماً نبی کی اولاد نبی ہوتی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادگان زندہ رہتے تو وہ بھی نبی ہوتے، لیکن چونکہ آپ پر نبوت کو ختم کرنا تھا اس لیے انہیں زندگی نہیں دی گئی اور بچپن میں فوت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات پر صدمہ ہوا۔ کفار نے آپ کو لاولد اور ابتر کے طعنے دیے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ برداشت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ختم نبوت میں رخنہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ سے براہِ راست فیض لینے والے

marfat.com

صحابہ جب نبی نہیں ہو سکتے تو وہ شخص کیسے نبی ہو سکتا ہے جو آپ سے چودہ سو سال دُور کی نسبت رکھتا ہے جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اخلاق کی گارنٹی۔ اگر قادیانی حضرات نے واقعی ایک نئی اور الگ مِلّت کی طرح نہیں ڈالی ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ اسی دین اور ملّت کی طرف لوٹ جائیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں۔ جس دین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی نبی کی بعثت کا تصور نہیں ہے۔ ایک ایسے شخص کی خاطر جس کا کلام تناقض اور متضاد، جس کی ہر پیش گوئی غلط اور جھوٹی، جس کی زندگی کفار کی چاپلوسی، بزدلی اور جھوٹ کا مرقع اور جس کی موت عذاب الٰہی کی بھیانک صورت ہے۔ اس نبی کو نہ چھوڑیں جس کی باتیں جوامع الکلم اور پیش گوئی حق و صداقت، جس کی زندگی انکسار رسل اور جس کا وصال اللہ کے اشتیاق سے عبارت ہے۔

ہم انتہائی دردکے ساتھ قادیانی حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ ایمان ایک قیمتی دولت ہے۔ اس دولت کو اس شخص پر لٹا کر ضائع نہ کریں جس کی نبوت تو کجا ایمان بھی ثابت نہیں ہے۔ آؤ جعلی اور وضعی نبوّت کو چھوڑ کر صرف اس کی نبوت پر قناعت کرو جس کی نبوّت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا، دلائل سے مبرہن اور آئندہ بعثت کے ختم ہونے کی علامت ہے۔ وہ نبی جو کوثر کا مالک، لواء حمد کا حامل اور انبیاء کا خاتم ہے اسے چھوڑ کر کسی کذاب، مفتری اور کفر رسیدہ شخص کو نبی مان لینا ہرگز نجات کا راستہ نہیں ہے۔ پس اے راہ نوردانِ شوق اگر تم واقعی حق کی تلاش رکھتے ہو تو آؤ اور قادیان کو چھوڑ کر طیبہ کی طرف لوٹ آؤ۔

---

marfat.com

عصمت مُصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول اور کتاب رسول پر اہل کتاب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں تمام انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملتا ہے۔ کہ استغفر لذنبك یعنی اپنے گناہوں کی معافی مانگ برخلاف اس کے مسیح کی کوئی خطا و لغزش مذکور ہے نہ اسے استغفار کرنے کی ہدایت ہے بلکہ تمام انبیاء سے بڑھ کر اس کی شان میں وجیھا فی الدنیا والاخرۃ مرقوم ہے پس مسیح بہرصورت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے۔

غلامانِ رسول کی گزارش

اس وقت دنیا میں جس قدر آسمانی کتابیں موجود ہیں ان میں صرف قرآن کریم کا ہی یہ امتیاز ہے کہ اس نے تمام انبیاء کی سیرت کے تقدس کا تحفظ کیا ہے اور انہیں ایک صالح اور برگزیدہ انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اگر آج اسرائیلی یا عیسائی حضرت خضر، موسیٰ یا عیسےٰ علیہم السلام کی حیات صالحہ کا مطالعہ کرنا چاہیں تو انہیں بھی اسرائیلی صحائف کو چھوڑ کر آیات قرآن کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ آیئے! اب ہم آپ کو بتلائیں کہ کتاب مقدس نے انبیاء کو دنیا کے سامنے کس حیثیت سے پیش کیا اور قرآن نے کس اعتبار سے۔

کتاب مقدس اور کتاب مجید کا تقابل

حضرت نوح کتاب مقدس کی نظر میں، اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اس نے انگور کا ایک باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو

marfat.com

برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی۔ (پیدائش باب ۹ آیت ۲۰ تا ۲۲)

قرآن کی نظر میں: سلام علی نوح فی العالمین انا کذالک نجزی المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین۔ (الصّٰفّٰت ۷۹ ۔ ۸۱)

"سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں بلا ریب ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیتے ہیں اور بلاشبہ وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں سے ہیں۔"

حضرت لوط کتاب مقدس کی نظر میں: اور لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں۔ ...... (اس سے آگے بڑی شرمناک عبارت ہے جسے شامل کرنے کا اس عاجز میں حوصلہ نہیں۔ سعیدی) (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۶)

قرآن کی نظر میں: ولوطاً اٰتینٰہ حکماً وعلماً ونجینٰہ من القریۃ التی کانت تعمل الخبائث انہم کانوا قوم سوء فاسقین ۞ وادخلنٰہ فی رحمتنا انہ من الصالحین۔ (سورۃ انبیاء ۷۴ تا ۷۵)

"اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور انہیں اس بستی سے نجات دی جس میں رہنے والے حرام کاری کرتے تھے۔ بے شک اس بستی کے لوگ بدکار فاسق تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا اور بلا ریب وہ صالحین میں سے تھے۔"

حضرت سلیمان کتاب مقدس کی نظر میں: اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی۔ (سلاطین باب ۱۱ آیت ۶)

قرآن کی نظر میں: ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب۔

"اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ کیا ہی اچھا بندہ تھا۔ وہ خدا کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا۔

حضرت عیسیٰ کتاب مقدس کی نظر میں: "پھر کسی نے اس سے سوال کیا

marfat.com

کہ اے نیک استاد میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔

(لوقا باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۱۹)

مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔

(گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳)

قرآن کی نظر میں :- یا مریم ان اللّٰہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسٰی بن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین ویکلم الناس فی المھد وکھلا ومن الصالحین۔ (آل عمران ۴۵ تا ۴۶)

"اے مریم بے شک اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا اور مقربین میں سے ہے۔ وہ لوگوں سے پنگھوڑے اور ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔ اور وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

تمام نبیوں کی حیثیت کتاب مقدس کی نظر میں :-

نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ (یرمیاہ باب ۲۳ آیت ۱۱)

قرآن کی نظر میں :- ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب کلا ھدینا ونوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داود وسلیمان وایوب ویوسف وموسٰی وھارون وکذالک نجزی المحسنین ۰ وزکریا ویحیٰی وعیسٰی والیاس کل من الصالحین ۰ واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علی العالمین ومن اٰبائھم وذریاتھم واخوانھم واجتبینا ھم وھدینا ھم الی صراط مستقیم۔ (الانعام ۸۴ تا ۸۷)

"اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور سب کو ہدایت دی۔ اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان ایوب، یوسف موسیٰ اور ہارون کو اور نیکوکاروں کو ہم یونہی جزا دیتے ہیں

marfat.com

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالح ہیں اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط۔ ہم نے ہر ایک کو اپنے وقت میں تمام جہانوں پر فضیلت دی اور ان کے اباء اور اخوان اور اولاد میں سے بعض کو ہم نے پسند کر لیا اور انہیں صراط مستقیم پر چلایا۔"

کتابِ مقدس اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کے تقابل سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم السّلام کی عظمت و ناموس کا ضامن صرف قرآن کریم ہے ورنہ کتاب مقدس کے مجموعہ نے آدم سے لے کر عیسیٰ تک کسی نبی کی عصمت کو مجروح کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ کتاب مقدس نے تمام انبیاء کو بالعموم ناپاک قرار دیا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بالخصوص لعنتی ٹھہرایا۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کو بالعموم ہدایت اور پاکیزگی کا سبب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کو بالخصوص رحمت قرار دیا (ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منّا)

اس تفصیل کی روشنی میں یہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے کہ قرآنِ کریم نے تمام نبیوں کو گناہ گار ٹھہرایا ہے۔ رہا یہ امر کہ قرآن مجید میں بعض انبیاء و رسل کی زلات کا ذکر ہے ان کے لیے ذنوب کا لفظ استعمال ہوا اور ان کا استغفار ذکر کیا گیا ہے۔ تو اس کو سمجھنے کے لیے عصمت کے مفہوم پر غور کرنا ضروری ہے۔

عصمت انبیاءؑ عام لوگوں کے خیال میں عصمت کا معنی ہے انبیاء سے گناہ کے صدور کا محال ہونا حالانکہ یہ قطعاً غلط اور باطل ہے، اس لیے کہ انبیاء کرام بھی امتثال امر اور اجتناب مناہی کے مکلف ہوتے ہیں۔ اگر ان سے گناہ کا صدور ممکن نہ ہو اور وہ معصیت پر قادر نہ ہوں تو انہیں معاصی سے روکنا محض عبث ہو گا۔ اور نہ ان کے تقویٰ و طہارت میں کوئی کمال اور خوبی ہو گی حق یہ ہے کہ باوجود گناہ پر قادر ہونے کے گناہ سے اجتناب کے ملکہ اور مہارت کو عصمت کہتے ہیں چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اور دیگر محققین نے اپنی تصانیف میں عصمت کی یہی تعریف کی ہے۔ اس حقیقت کو ایک واضح مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم

marfat.com

قدرت کے باوجود نجاست اور غلاظت نہیں کھاتے اور نہ کبھی اسے کھانے کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نجاست کا نجس ہونا طبعی طور سے ہم پر منکشف ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی ماں بہن اور دیگر محارم کے بارے میں نفسانی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ ان کی حرمت فطری طور پر اس کے دل میں جاگزیں ہے۔ حالانکہ وہ ان سے التذاذ پر قادر ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی نگاہ چونکہ تمام اشیاء کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ اس لیے تمام معاصی اور مناہی ان کے نزدیک ایسے ہی نجس اور ممنوع ہوتے ہیں جیسے ہمارے لیے مکروہ غلاظتیں اور محارم کے رشتے۔ ہم مکروہ طبعی اور مکروہ شرعی میں فرق کرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے نزدیک یہ فرق نہیں ہوتا۔ ان کی فطرت سلیم اور طبیعت صحیح ہوتی ہے۔ جس چیز سے خدا نے روک دیا وہ چیز ان کے نزدیک ایسی ہی ناپسند ہوتی ہے جیسے کوئی مکروہ طبعی ہو اور جس کام کا خدا نے حکم دیا وہ ان کے لیے ایسا ہی پسندیدہ ہے جیسے کوئی مرغوب طبعی ہو۔ ان کا مزاج خدا کا منشاء اور ان کی فطرت خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ پر قدرت کے باوصف گناہ کا کرنا تو کجا اُن کے دل میں کبھی گناہ کا کھٹکا بھی نہیں ہوتا۔

یوں تو اولیاء کرام کو بھی حسب مراتب گناہوں سے بچنے کی مہارت ہوتی ہے جسے اصطلاح شرع میں محفوظ ہونے سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ان کی اس حفاظت پر کوئی دلیل قطعی یقینی قائم نہیں ہے۔ اس باب میں جو کچھ وارد ہے وہ سب ظن و تخمین ہے اس کے برعکس عصمت انبیاء پر عقل و نقل سے متعدد قطعی اور یقینی دلائل قائم ہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

فاسق اور گنہگار کی شہادت مردود ہوتی ہے۔ اگر انبیاء کرام میں فسق اور گناہ ہوتا تو ان کی شہادت بھی مردود ہو جاتی۔ حالانکہ ان کی شہادت کو قبول کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور وحدت کے دعویٰ پر انبیاء کو شاہد بنا کر بھیجا اگر ان کی عصمت میں خلل ہو تو اس سے ان کی شہادت مخدوش ہوگی اور شہادت

marfat.com

کے ضعف کا اثر اس دعویٰ پر پڑے گا جس پر انہیں شاہد بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

زلّاتِ انبیاءؑ جب یہ بات صاف ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان کے قلوب پر خطرہ معصیت وارد نہیں ہوتا تو ظاہر ہو گیا کہ قرآن نے جن انبیاءؑ کی بعض زلّات کا ذکر کیا ہے ان کی حقیقت گناہ نہیں ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کا شجرِ ممنوعہ کھا لینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ۔ یہ امور یا از قبیل نسیان ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ طٰہٰ: ۱۱۵ (آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کے دل میں معصیت کا کوئی ارادہ نہ پایا) یا یہ چیزیں اجتہادی خطا کے قبیل سے ہیں جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فظن ان لن نقدر علیہ (الانبیاء: ۸۷) حضرت یونس قوم پر ناراض ہو کر اللہ کے اذنِ خاص کے بغیر چلے گئے اور یہ خیال فرمایا کہ اللہ اس فعل پر مواخذہ نہ کرے گا حالانکہ اللہ نے مواخذہ فرمایا پس یہ ان کی اجتہادی خطا تھی) اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں لیکن ان کے حق میں نسیان اور اجتہادی خطا یہ دونوں امر جائز ہیں اور ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ گناہ کی حقیقت ہے قصد اور ارادہ سے کسی امرِ ممنوع کا ارتکاب کرنا۔ بھولے سے کسی امرِ ممنوع کو کر لیا جائے یا نیک نیتی سے کسی امر میں ارادہ صحیح کام کرنے کا ہو، لیکن اس کام میں حقیقت کو نہ پا سکے اور خطا لاحق ہو جائے تو یہ گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلی شکل میں انسان معذور اور دوسری میں ماجور ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو ممنوع کام نسیان سے کیے اُن میں وہ معذور ہیں اور جو اجتہادی خطا سے کیے ان میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور ان کاموں پر قرآن کریم کا عصیان، غوایت اور ذنب کا اطلاق کرنا محض مجاز اور استعارہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ان امور پر استغفار کرنا ان کی غایت درجہ کی تواضع اور عظیم انکساری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان امور پر عتاب فرمانا انبیاءؑ کی رفعت

marfat.com

شان کے سبب سے ہے۔

عصمتِ مصطفیٰ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مرتبہ چونکہ تمام انبیاء سے بلند و بالا ہے۔ اس لیے آپ کے حق میں عصمت کا تحقق زیادہ اتم اور احکم ہے اس لیے جمہور علماء اسلام کے نزدیک حضور کے لیے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سہواً یا عمداً ثابت نہیں۔ نہ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد انبیاء سابقین کے حق میں اجتہادی خطا جائز اور ثابت تھی۔ لیکن حضور کے حق میں اجتہادی خطا بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض اور امام نووی نے فرمایا کہ محققین کا مذہب یہی ہے کہ آپ کی فکر اور اجتہاد آپ کا قول اور عمل سب حق و صواب ہیں خطا کی سر مو گنجائش نہیں اور انك لعلى هدى مستقيم اور انك لتهدى الى صراط مستقيم۔ اس کے صدق پر شاہد ہیں۔ آپ نے نصوص پر بھی عمل کیا اور اپنے اجتہاد پر بھی، لیکن یہ سب منشاء الٰہی کے موافق اور وحی کے مطابق تھا اور اسیرانِ بدر کے بارے میں وحی کی تنبیہ ان بعض لوگوں کے لیے تھی جنہوں نے متاعِ دنیوی کی طمع میں قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اور یہ ان کی بلاشبہ اجتہادی خطا تھی۔ اور ابوبکر صدیق نے قیدیوں کو چھوڑنے کی رائے اس لئے دی تھی تاکہ یہ لوگ اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اسلام لے آئیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضور نے اس رائے کو پسند کر لیا اور یہ عین حق و صواب تھا۔ پھر وحی نے بھی اس کی تائید کر دی اور فرمایا تریدون عرض الدنیا و اللہ یرید الاٰخرۃ (تم مال دنیاوی کا ارادہ کرتے ہو اور خدا آخرت کا ارادہ فرماتا ہے) طمع دنیا سے فدیہ کی رائے دینے والوں کی خطا پر تریدون عرض الدنیا سے تنبیہ کی اور حضور کی پسند کو اپنی پسند ٹھہرا کر اور واللہ یرید الاخرۃ فرما کر حضور کی رائے کی تصویب کر دی۔ اس معاملہ میں حضرت عمر کی رائے ان لوگوں کے مقابلہ میں صحیح تھی جنہوں نے طمع مال کی وجہ سے فدیہ کی رائے دی۔ مگر صحیح ترین بات وہی تھی جس کو حضور نے پسند فرما لیا۔ نیز عفا اللہ عنك لم اذنت لھم اور

marfat.com

عبس وتولیٰ اور اس قسم کی دوسری آیات میں جو التفات محبت اور رمز لطیف ہے وہ اہل اسرار پر مخفی نہیں ہے۔

استغفار خاتم النبیین اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا امر فرمایا اور ارشاد ہوا واستغفر لذنبك وللمومنین والمؤمنات. جناب اشرف علی تھانوی اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں" اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے"۔ ایسے ہی تراجم سے عیسائیوں نے یہ دھوکا کھایا کہ حضور معاذ اللہ خطا کار یا گناہ گار تھے۔ علمائے حق نے اس آیت کی بے شمار توجیہات کی ہیں۔ بعض از اں یہ ہیں۔

۱۔ ابن بطال فرماتے ہیں کہ انسان فطرتاً حق عبادات ادا کرنے سے قاصر ہے اگر وہ زندگی کا ہر سانس عبادت میں گزار دے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ پس آپ کو جس استغفار کا حکم دیا ہے وہ اس قصور فطری کی بنا پر ہے نہ اس وجہ سے کہ معاذ اللہ آپ نے کوئی گناہ کیا تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها. اور انسان کا تشکر محدود ہے اور ظاہر ہے کہ جتنا ہی تشکر غیر متنا ہی نعمتوں کا متکفل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انسان فطرۃً عاجز ہے کہ وہ نعمتوں کے حساب سے شکر ادا کر سکے، تو اس عجز فطری کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا نہ کسی معصیت کی وجہ سے۔

marfat.com

۳۔ ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض رسالت، مصلح امت اور تبلیغی امور میں اشتغال کی وجہ سے بعض اوقات مشاہدۂ ذات وصفات میں منہمک نہ رہتے۔ پس استغفار کا حکم اس عدم انہماک کی طرف راجع ہے نہ معصیّت کی طرف۔

۴۔ خورد و نوش۔ نشست و برخاست اور آرام و استراحت وغیرہ امور مباحہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض مرتبہ مطالعۂ ذات میں مستغرق نہ رہتے تو اس عدم استغراق کی وجہ سے استغفار کا حکم ہوا۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امور طبعیہ بھی لاحق ہوتے تھے۔ مثلاً بول و براز اور جنابت وغیرہ اور ان احوال میں انسان مشاہدہ ذات و صفات سے قاصر ہے، تو اس قصور کی بناء پر استغفار کا حکم ہوا، اگرچہ یہ قصور فی نفسہٖ معصیّت نہیں ہے۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر زبان سے بھی ذکر فرماتے تھے۔ مگر بعض اوقات عوارض بشریہ مثلاً نیند یا جنابت وغیرہ لاحق ہونے کی وجہ سے یہ ذکر نہ کر سکتے، تو اس پر استغفار کا حکم ہوا۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین کی صفات کے جامع ہیں اور انہوں نے استغفار کیا ہے تو آپ کو بھی استغفار کا امر کیا تاکہ آپ میں بھی اس صفت کا ظہور ہو۔

۸۔ علّامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ حضور کو تعلیم اور تشریع کے لیے استغفار کا حکم کیا تاکہ اُمت کو طریقہ استغفار معلوم ہو جائے۔

۹۔ جلال الدین محلی لکھتے ہیں کہ استغفار کا حکم اس لیے کیا تاکہ حضور کے استغفار کرنے سے یہ سنت ہو جائے اور امت کو شرف بالاقتدا حاصل ہو۔

۱۰۔ شیخ ابو السعود لکھتے ہیں تواضع اور انکسار کے لیے حضور کو استغفار کا حکم دیا۔

marfat.com

۱۱۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہر آن میں آن سابق سے بلند ہوتا تھا اور حضور ہر آن سابق کو آن لاحق کے مقابلے میں ذنب خیال فرماتے اگرچہ وہ فی نفسہ ذنب نہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے استغفار کا حکم ہوا۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عصمت کے باوصف اظہار عبودیت کے لیے استغفار کا امر کیا جیسے باوجود کعبہ سے افضل ہونے کے آپ کو اس کے طواف کا حکم دیا تھا۔

۱۳۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں، اللہ کو توبہ کرنے والوں سے محبت ہے (ان اللہ یحب التوابین) تو حضور کو اللہ کی محبت حاصل کرنے کے لیے توبہ کا حکم دیا۔

۱۴۔ عارف مناوی لکھتے ہیں جس طرح پلک جھپکائے بغیر اگر ہم لگاتار کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو یہ ہمارے لیے باعث مشقت ہے اور اگر دیکھنے کے دوران ایک آن کے لئے پلک جھپکا لیں تو یہ نظر کے لیے حجاب ہونے کے باوجود رحمت ہوگا اور اس سے ہماری نظر کے تسلسل میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس عالم کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر لگاتار اس کا مطالعہ کرتے رہیں تو یہ آپ کیلئے سبب مشقت ہوگا۔ اس لیے گاہے گاہے آپ کے قلب پر انوار و تجلیات کا حجاب چھا جاتا ہے چنانچہ حضور نے فرمایا انہ لیغان علیٰ قلبی اور یہ حجاب اگرچہ آپ کے تسلسل مشاہدہ میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں پیدا کرتا۔ تاہم آپ کے مقام عالی کے پیش نظر آپ کو اس حجاب پر استغفار کا امر کیا۔

marfat.com

مغفرت خاتم النبیین

سورۂ فتح کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔
انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ۔ الفتح : ۱-۲

مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں" ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے"۔

اسی قسم کے تراجم سے عیسائیوں کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ گناہ گار یا خطا کار تھے۔ محققین علماء اسلام نے اس شبہ کو اٹھانے کیلئے اس آیت کے بھی متعدد صحیح محمل بیان فرمائے ہیں۔ چند ازاں یہ ہیں :۔

۱۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہاں مغفرت کا اطلاق اس چیز پر ہے جو نہ فی نفسہ معصیت ہے نہ اللہ کے نزدیک۔ بلکہ مغفرت کا اطلاق اس چیز پر ہے جس کو حضور اپنی نظر عالی کے پیش نظر ذنب خیال فرماتے تھے۔

۲۔ شیخ ابو سعود لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لبسا اوقات تشریعی ضرورتوں کے سبب سے افضل اور اولیٰ امر کو ترک فرما دیتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان امور کا ترک بھی جائز ہے اور یہ مغفرت اس ترک کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ ترک معصیت نہیں ہے۔

۳۔ حضور نے منع کرنے کے باوجود بعض کاموں کو تبلیغی ضرورت کی وجہ سے کیا تاکہ معلوم ہو کہ نہی تنزیہہ کے لیے تھی اور عمل بیان جواز کے لیے اور یہ عمل اگرچہ گناہ نہ تھا تاہم اللہ نے اس کی مغفرت کا بھی بیان فرما دیا۔

marfat.com

۴۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے ہاں گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نہ آپ نے کوئی گناہ کیا نہ کرنا ہے۔ لیکن اگر بفرض محال کوئی گناہ ہو بھی تو اللہ تعالےٰ نے اس کی مغفرت کا بھی اعلان کر دیا ہے۔

۶۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں جب وما ادری مایفعل بی ولابکم (نہیں یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا) نازل ہوئی تو مشرکین نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا ہمارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال برابر ہے، تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی یعنی حضور کا انجام خیر معلوم ہے اور کفار کا حال بد، پھر برابری کیسی؟

۷۔ اور ناصر رسالت علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں۔ اظہار مغفرت ایک کلمہ تشریف ہے۔ جیسے بادشاہ کسی وزیر کو خوش ہو کر کہہ دے جاؤ تمہارے سات خون معاف! بغیر اس بات کے کہ اس نے کوئی خون کیا ہو یا کرنا ہو۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر راضی ہو کر آپ کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔ بغیر اس امر کے حضور نے کوئی گناہ کیا ہو یا کرنا ہو۔

۸۔ شیخ عزالدین ابن سلام لکھتے ہیں تمام انبیاء مغفور ہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کی مغفرت کا اعلان نہیں فرمایا۔ اسی سبب سے عرصہ محشر میں انبیاء لوگوں کی شفاعت نہیں کریں گے اور نفسی نفسی کہہ کر اپنی فکر کا اظہار کریں گے اگر دنیا میں حضور کی مغفرت کا اعلان نہ ہوتا، تو ممکن تھا کہ حضور بھی شفاعت کرنے میں تامل کرتے۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپ کی مغفرت کا اعلان کر کے آپ کو تسلی دے دی تاکہ عرصہ محشر میں حضور اپنی طرف سے بے فکر اور مطمئن ہو کر امت کی شفاعت کر سکیں۔

۹۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مغفرت کے معنی ستر ہیں اور ہمارے حق میں

marfat.com

مغفرت ذنوب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہماری ذوات اور ہمارے عذاب کے درمیان اپنی رحمت کو حائل کردے اور انبیاء کے حق میں مغفرت ذنوب کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی ذوات اور ان کے مفروضہ گناہوں کے درمیان اللہ اپنی عصمت اور حفاظت کو حائل کردے۔ اس اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی کو گناہوں سے معصوم اور محفوظ کردیا۔

۱۰۔ حضور عصمت کے باوصف امتثال امر اور تواضع کی وجہ سے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن میں ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اظہار قبولیت کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

۱۱ سیدی عبد العزیز دباغ نے افادہ فرمایا کہ معصیت کا سبب اللہ تعالیٰ سے غفلت ہے۔ جب بندے اور خدا کے درمیان غلبہ شہوت، غلبہ غضب یا غلبہ حرص کے حجابات حائل ہوجاتے ہیں، تو وہ معصیت میں مبتلا ہوجاتا ہے اسی طرح بندہ کی جسمانی کثافت بشری ہیولانیت اور ظلمات معصیت کے حجابات بھی اس کے اور خدا کے درمیان حائل رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معرفت الٰہی سے بے بہرہ حضور و شہود سے غافل اور کسب معصیت میں اندھا ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ اور اللہ عزوجل کے ذات کے درمیان یہ حجاب نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے وہ جمال ذات کے محرم اسرار اور صفات سے واقف اور شہود و حضور میں مستغرق ہوتے ہیں۔ پھر گناہ کیسا نیز غوث عبد العزیز دباغ فرماتے ہیں۔ نجس اور متعفن کپڑے پر آکر مکھیاں بیٹھتی ہیں۔ اگر کپڑا نہ ہو تو مکھیاں بھی نہ ہوں گی، اور یہ حجاب بمنزلہ کپڑے اور گناہ بمنزلہ مکھیوں کے ہوتے ہیں پس جب انبیاء اور خدا کے درمیان حجاب نہ رہا تو گناہ بھی نہ رہا اور یہ رفع حجاب حسب مراتب ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ غفر کا معنی ہمارے حق میں ستر ذنوب اور انبیاء کے حق میں عدم ذنوب ہوتا ہے۔ اس تمہید کے بعد آیت کا مطلب بیان فرماتے ہیں انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ پیارے ہم نے اپنے

marfat.com

اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں رکھا اور فتح مبین عطا کر دی ہے تاکہ تم ہمیشہ مشاہدہ ذات اور مطالعہ صفات میں مستغرق اور منہمک رہو اور تمہاری زندگی گزشتہ ہو یا آئندہ اس میں کسی قسم کی کوئی خطا راہ نہ پا سکے نہ اجتہاداً نہ عملاً"

۱۰۲۔ گناہ کا ایک سبب نفس اور اس کے تقاضوں سے اندھا دھند محبت کرنا ہے۔ جب انسان اور اس کے اعمال کے درمیان محبت نفس آتی ہے تو معصیت جنم لیتی ہے اور نیکی کا سبب اللہ اور اس کے احکام سے بے اندازہ محبت ہے۔ جب انسان محبت الٰہی سے سرشار ہوتا ہے تو اسے ہر گناہ سے نفرت اور ہر نیکی سے الفت ہو جاتی ہے۔ پھر نفس کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل اور شریعت کی دشوار گزار راہوں میں آبلہ پا چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ جب دل اس کی یاد سے معمور اور آنکھیں اس کے جلوؤں سے مخمور ہوں تو انسان اس کی خاطر سر کٹا سکتا ہے۔ لیکن خواہش کے آگے سر جھکا نہیں سکتا، تو اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے ہم نے آپ کے لیئے اپنی محبت کی راہوں کو کشادہ کر دیا تاکہ آپ کی زندگی کے کسی حصہ میں کوئی ایسا عمل نہ آنے پائے جو محروم محبت کا ثمرہ ہو۔

مسیح و حبیب

حبیب علیہ السلام کی عصمت، استغفار اور مغفرت کا مفہوم ظاہر ہو جانے کے بعد اب یہ کہنے کا جواز باقی نہیں رہتا کہ مسیح کو استغفار کا حکم نہیں ہوا اور حبیب کو ہوا۔ لہٰذا مسیح حبیب سے افضل ہے اور مسیح وجیہ فی الدنیا والآخرۃ کا مصداق اور حبیب گناہوں پر نادم اور شرمسار۔

مسیح کے بارے میں کتاب مقدس نے کہا :۔

"لعنتی تھا"۔ (گلیتوں باب ۳ آیت ۱۳)

حبیب کے حق میں قرآن نے کہا :۔

"سب کے حق میں وہ سراپا رحمت ہیں"۔ (سورۃ انبیاء)

کتاب مقدس نے بھی کہا :۔

marfat.com

"دنیا کا سردار آتا ہے"۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

مسیح کی صفت کتاب مقدس میں :۔

"نیک نہ تھا"۔ (لوقا، باب ۱۸ آیت ۱۹)

حبیب کی صفت قرآن میں :۔

"آپ ہدایت مستقیمہ کے حامل ہیں۔ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

(سورہ حج۔ سورہ ن)

اور کتاب مقدس میں بھی۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا، تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخش دے گا۔ یعنی سچائی کی روح"۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۷)

مسیح کا حال کتاب مقدس میں :

"مسیح کو خدا نے چھوڑ دیا، وہ تختہ دار پر چلایا۔ اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ (متی باب ۲۷ آیت ۴۶)

حبیب کا حال قرآن میں :۔

"قسم چاشت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے تمہارے رب نے تمہیں نہیں چھوڑا"۔ (سورہ والضحیٰ)

عنوانات سابقہ میں مسیح کی جو شخصیت اور صفات پیش کی گئی ہیں وہ بائبل کی زبان ہے اور اہل کتاب کے لیے آئینہ۔ ورنہ قرآن اور اہل قرآن کے نزدیک مسیح رحمت اور وجاہت دارین کے حامل ہیں۔

اور حبیب وہ ہیں جن کے آنے کی بشارت دینے کے لئے مسیح دنیا میں آئے جن کی شریعت پر عمل کرنا مسیح کیلئے افتخار کا سہرا ہے۔ کوثر کے ساقی، لواء حمد کے حامل اور مقام محمود کے حامل ہیں۔ آدم سے عیسیٰ تک سارے نبیوں کو جن کی شفاعت کی حاجت ہے اپنے سب کے التفات کا محور اور اس کی تجلیات کا مرکز ہیں جن کا منشا اس کی مرضی اور جن کا اسوہ اس کی شریعت کہلاتی ہے۔

marfat.com

عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے تمام جمادات کی خوبیاں ایک نبات میں رکھ دیں اور نباتات کے کل محاسن ایک حیوان میں رکھ دیے اور تمام حیوانات کے کمالات انسان میں رکھ دیے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا سنریہم آیا تنافی الآفاق و فی انفسہم دیدہ بینا کو آفاق و انفس کی تمام آیات حضرت انسان کے دامن میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان تمام انسانوں کے فضائل و محامد ایک نبی کی ذات میں رکھ دیئے اور تمام انبیاء کے جن کمالات اور معجزات جمع کر کے حقیقت محمدی میں رکھ دیئے خلاصہ یہ ہے کہ تشریع ہو یا تکوین کسی عالم کی حقیقت میں کوئی کمال نہیں ہے۔ مگر وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے وابستہ ہے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح حیوان سعی بسیار کے باوجود انسان نہیں ہو سکتا اور ایک انسان ریاضت و عبادت کے ان گنت مراحل اور محاسن و محامد کی بے شمار وادیاں عبور کرنے کے بعد بھی مقام نبوت نہیں پا سکتا اسی طرح حضرت آدم سے لے کر جناب عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کے کمالات جمع کر لیں پھر بھی مقام مصطفوی تک رسائی نہیں ہوتی بلکہ حق یہ ہے کہ جس جگہ تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل و مناقب کی انتہا ہوتی ہے۔ وہاں سے مقام مصطفےٰ کی ابتداء ہوتی ہے۔

معجزہ نبی کے اس فعل کو کہتے ہیں جو عام انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نبی اسباب عادیہ کے بغیر ان افعال کو صادر کرتا ہے اور اسباب عادیہ سے عام انسان بھی ان افعال کو وجود میں لا سکتا ہے۔ لیکن حضور کے معجزات اس قسم کے ہیں کہ عالم اسباب میں سے کوئی سبب انہیں

marfat.com

وجود میں نہیں لاسکتا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر عصا مارا تو اس میں سے پانی نکل آیا لیکن زمین میں بہرحال پانی ہوتا ہے اور پانی تک زمین کو کھودا جائے تو اس سے پانی نکل آتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے موقع پر اپنی انگلیوں سے پانی جاری کر دیا کمال حضرت موسیٰ کا بھی تھا کہ زمین سے بغیر آلات کے پانی جاری کیا لیکن ان کے کمال کی عظمت کو کون پاسکتا ہے۔جنہوں نے اس جگہ سے پانی جاری کر دیا جہاں اصلاً پانی نہیں ہوتا۔حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے لوہا نرم کر دیا تھا وہ آسانی سے اس لوہے سے زرہ بنالیتے تھے۔لیکن لوہا ایسی جنس ہے کہ اسباب عادیہ سے نرم ہو ہی جاتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اُحد پہاڑ کی ایک گھاٹی میں داخل کیا تو وہ موم کی طرح نرم ہوتا چلا گیا اور پتھر ایسی جنس ہے جس میں کسی طرح نرمی نہیں آتی۔ایک مرتبہ اُحد پہاڑ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا احد جبل یحبنا ونحبہ احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔پتھر کی حقیقت میں محبت نہیں ہوتی۔حتیٰ کہ جس دل میں محبت نہ ہو لوگ اسے سنگدل کہتے ہیں۔لیکن سرکار کی نظر اگر پتھر پر پڑ جائے تو وہ بھی محبت سے معمور ہو جاتا ہے۔

اب سوچئے داؤد علیہ السلام کا اعجاز لوہے کو نرم کرنا تھا لیکن لوہا تو بہرصورت کسی نہ کسی سبب سے نرم ہو ہی جاتا ہے۔اعجاز تو ان کا ہے جنہوں نے اس جنس میں محبت پیدا کی جس میں اصلاً محبت نہیں ہوتی۔

جو نبی آتا تبلیغ کرتا اور تبلیغ کے باوجود لوگ راہ راست پر نہ آتے تو ان پر عذاب نازل ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماکنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک رسول نہ آجائے ثابت ہوا کہ رسول آنے کے بعد لوگ ایمان نہ لائیں تو عذاب رک نہیں سکتا اور حضور آئے تو فرمایا:۔

ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم الانفال: ۳۳

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے اور آپ ان میں ہوں

marfat.com

پتہ چلا کہ انبیاء سابقین کی بعثت کے بعد عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور حضور کی آمد کے بعد کسی پر عذاب آ نہیں سکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عیسٰی علیہ السلام تک لاکھوں نبی آتے تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن دنیا سے کفر کی سیاہی دھل نہ سکی، شرک کی صدائیں گونجتی رہیں عناصر اور کواکب کی پوجا ہوتی رہی اور ایک سرکار کی بعثت، کیا ہوئی زمانے میں انقلاب آگیا۔ انسانوں نے کلمہ پڑھا جنات مسلمان ہوئے۔ حیوانات نے آپ کی نبوت پر گواہی دی شجر و حجر نے رسالت کا اقرار کیا حتی کہ آپ کے ساتھ جو شیطان (ہمزاد) پیدا ہوا تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا غرض صنم کدہ جہاں میں ہر طرف تکبیر و تہلیل کی آوازیں گونجنے لگیں۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے جھرمٹے میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے اور جب کافی دیر تک نہ آئے تو ہم لوگ پریشان ہو گئے۔ آپ کو تلاش کرنے کا خیال آیا۔ سب سے پہلے میں اُٹھا۔ بنی النجار کے باغ کے قریب پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں تشریف فرما ہیں۔ باغ کے دروازے بند تھے۔ میں نے اس میں داخلے کے لیے ایک نالہ کے سوا اور کوئی راستہ نہ پایا۔ پس میں نے لومڑی کی طرح اپنا جسم سکیڑا اور نالہ کے ذریعہ باغ میں داخل ہوا اندر پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔

غور فرمایئے کہ باغ کی چار دیواری کے باہر ابو ہریرہ کو کیسے یقین ہو گیا کہ حضور باغ میں تشریف فرما ہیں اور ایسا یقین کہ اور کوئی راستہ نہ ملا تو نالہ کے ذریعہ ہی داخل ہو گئے۔ لگتا ہے باغ کے باہر انہیں خوشبوئے رسالت آ رہی تھی اور ان کے دل و دماغ میں جب مشام نبوت کی مہک پہنچی تو انہیں یقین ہو گیا کہ سرکار باغ کے اندر ہیں۔ پھر باغ کے اپنے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو مغلوب ہو گئی تھی اور سرکار کی خوشبو ان پر غالب تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی جنس کے بالمقابل نہیں آئے مگر اس جنس کے کمالات

marfat.com

مغلوب ہو جاتے اور سرکار کے انوار اس پر غالب رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورج کے بالمقابل کھڑے نہیں ہوئے مگر حضور کا نور سورج کے نور پہ غالب رہتا اور کبھی چاند کے سامنے نہیں آئے۔ مگر چاند کی روشنی پر حضور کی روشنی غالب رہتی۔ آپ متوسط قد تھے۔ مگر جب کبھی لمبے قد والوں کے درمیان چلتے تو سب سے بلند نظر آتے۔ ہر جنس سے فوق، ہر نوع سے اعلیٰ۔ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کے امام ہوئے۔ سدرہ پر پہنچے تو فضائی پرواز کے شہبازحضرت جبریل بھی پیچھے رہ گئے اور ایک وقت ایسا آیا کہ تجلیات الٰہیہ کی سب سے بلند جلوہ گاہ عرش الٰہی بھی پیچھے رہ گیا اور حضور اس سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔ زمان و مکاں کو شرفِ ظرفیت بخشا۔ لیکن ایک مقام ایسا آیا کہ زمان و مکاں کی قیود پیچھے رہ گئیں اور سرکار ان قیود سے آگے نکل گئے ؎

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

---

marfat.com

مقامِ مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

عقل و خرد میں یہ طاقت کہاں کہ ان کی حقیقت کو سمجھ سکے، وہم و گمان میں یہ وسعت کب کہ ان کے مقام کو پا سکے۔ ماہیّت اور حقیقت کی بحث چھوڑیں آیئے مقامِ مُصطفٰی کے جو پہلو عقل کے سامنے اور عظمت رسُول کے جو زاویے ہماری نظر میں ہیں انہیں اہل دل کے سامنے پیش کر دیں۔

حضور آئے تو نظامِ عالم میں انقلاب آیا۔ دِلوں کی سوچ بدلی۔ عمل کے اطوار بدلے۔ جن کا کردار ننگِ انسانیت تھا ان کی پاکبازیوں پر قدسیوں کو رشک آنے لگا۔ وہ کیا آئے کہ چمنستانِ وجود میں خزاں ندیدہ بہار آئی۔ عرفان کی کلیاں چٹکیں، ایمان کے پھول مہکے۔ بندے کو خدا سے وہ قُربِ حاصل ہُوا جس کا نہ تصوّر تھا نہ گمان۔ رحمتِ خداوندی کی ایسی بارش ہوئی کہ دنیائے وجود کا ہر ذرّہ شاداب ہو گیا۔

اِن کے آنے سے اصول اور پیمانے بدلے۔ رنگ و نسل کا امتیاز اٹھا۔ انسانیت کے ہر طبقہ کو ہدایت ملی۔ اللہ اللہ یہ ان کا مرتبہ ہے وہ رخ بدلیں تو قبلہ بدل جائے۔ وہ ہاں کہہ دیں تو احکام فرض ہوں۔ منع کر دیں تو حرمت لازم ہو۔ ادب اتنا کہ ان کی آواز پر آواز اونچی ہو نہیں سکتی۔ نام لیکر بلانے کی اجازت نہیں۔ دل پر کسے اختیار ہوتا ہے۔ مگر ان کے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی ناگواری ہو تو ایمان نہیں رہتا۔

اِن کا مقام کوئی کیسے سمجھے۔ فرشتوں کو حیرت ہے کہ جن کے ہاتھوں کی ایک جنبش سے مہر و ماہ گردش میں آجاتے ہیں جو خاک کی مٹھی اٹھا کر پھینکیں، تو چہرے بگڑ جائیں۔ وہ بھی طائف کی وادی میں مظلومیت سے پتھر کھاتے ہیں۔

marfat.com

کبھی جبل اُحد کی گھاٹیوں میں اپنے چہرے سے لہُو پونچھتے نظر آتے ہیں۔ نیاز کا عالم یہ ہے کہ ساری رات مصلّے پر کھڑے روتے گزر جاتی ہے اور مقام ناز یہ ہے کہ بدر کے میدان میں رب ذوالجلال سے کہتے ہیں اگر آج یہ جماعت ہار گئی تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہو سکے گی۔ کبھی چٹائی پر لیٹے ہیں جس کے نقش بدن پر اُبھر آئے کبھی سرِعرش مسند آرا ہوئے۔ جبریل ان کے سینہ میں وحی اتارتا ہے۔ پھر وہی جبریل ان سے اسلام اور ایمان کی باتیں سیکھتا ہے۔ زمان و مکان کی قیود اور عالم رنگ و بو میں آئے پھر یکایک ان تمام تعینات اور قیودات سے نکل کر لامکان جا پہنچے۔ عقل حیران ہے، انہیں کیا سمجھے وہ مختارِ کُل ہیں یا عجز سراپا۔ جبرئیل کو فیض دینے والے ہیں یا اس سے فیض یافتہ عرشی ہیں، فرشی ہیں۔ مجرد ہیں، مقید ہیں ناز ہیں، نیاز ہیں، کیا ہیں!

ع حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

*

ضرورت مُصطفٰے اللہ تعالیٰ روزِ ازل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ضرورت کا اظہار فرماتا رہا ہے۔ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے حضور کی اطاعت کا وعدہ لیا۔ پھر عالم اجسام میں اسی نورؐ کو جبین آدم میں رکھ کر فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ اور جب رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر رسول اپنی اُمت کو تلقین کرتا رہا کہ اگر میرے زمانے میں یا اس کے بعد وہ معبوث ہو جائیں تو تمہیں ان پر ایمان لانا ہوگا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ تا آنکہ حضرت ابراہیم نے ان کے آنے کی دعا مانگی حضرت عیسٰی نے کہا۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا" (یوحنا) الغرض آپ کی آمد کے انبیاء و رسل سارے منتظر تھے۔ آپ نہ آتے تو یہ آرزوئیں کس طرح پوری

marfat.com

ہوتیں، یہ دعائیں کیونکر مستجاب ہوتیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جو نبی آتے تھے۔ ان کی سیرت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط نہ ہوتی تھی، اس لیے کسی ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کی زندگی اخلاق کے تمام شعبوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ آپ آئے اور فرمایا بعثت لا تمم مکارم الاخلاق میں ادھورے اخلاق کو پورا کرنے آیا ہوں۔

- حضرت آدم سے عیسٰی تک جس قدر نبی آئے سب خدا کی کسی نہ کسی صفت کا مظہر بنے یہ تمام نبی مظہر صفات تھے۔ ذات کا مظہر کوئی نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے اور ذات حق کا مظہر اور جمال الوہیت کا آئینہ بن کر آئے۔
- جو نبی دنیا کے سامنے آتا وہ خدا کی ذات پر گواہی دیتا اور شہادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ سن کر اور دیکھ کر سماع کی شہادت فرع اور مشاہدہ کی شہادت اصل کہلاتی ہے اور اگر سماعی شہادت کے ساتھ مشاہداتی شہادت لاحق نہ ہو تو وہ شہادت کامل نہیں ہوتی۔ انبیاء سابقین نے خدا کی ذات پر شہادت دی۔ مگر وحی سے سن کر دی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کی ذات پہ شہادت دی اور خدا کو دیکھ کر شہادت دی۔
- اللہ تعالیٰ نبوت کو تخلیق کرتا رہا۔ ایک کے بعد دوسرا نبی مبعوث کرتا رہا۔ پھر خدا نے چاہا کہ ایک ایسا نبی مبعوث فرمائے جس سے کوئی بڑھ نہ سکتا ہو، جو تخلیق کی معراج ہو۔ جو اس کے فن کی آن اور اس کی عظمت کا نشان کہلائے جس کے بنانے پہ وہ ناز کرے جسے دیکھ کر دیکھنے والے بے ساختہ کہہ اٹھیں" من خدائے عزوجل را بچندیں وجوہ پرستش مے کنم کہ آں رب محمد است۔

ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کے آنے کی ضرورت تھی اگر آپ نہ آتے تو قدسیوں کے خواب ناتمام رہتے۔ رسولوں کی دعائیں مستجاب نہ ہوتیں، مکارم اخلاق ادھورے رہتے، اور نبیوں کی شہادت کامل نہ ہوتی۔ حضور نہ آتے تو

marfat.com

رحمت خداوندی کا عموم اور ہدایت کا شمول نہ ہوتا۔ کتنی آرزوئیں تشنہ رہ جاتیں۔ اور کتنی امنگیں ناتمام رہتیں۔ اللہ اللہ! وہ نہ ہوتے تو جمالِ حق کا آئینہ نہ ہوتا۔ وہ نہ آتے تو شاہکار الوہیت کا ظہور نہ ہوتا۔

وحیِ مصطفٰے جبرئیل امین جب پہلی وحی لے کر غار حرا میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد الٰہی میں مستغرق تھے۔ جبرائیل نے کہا اقرأ (پڑھیئے) بھلا جس کا ذہن حسن الوہیت کی تجلیات میں کھویا ہوا ہو۔ جس کی آنکھیں ذوق نظارہ سے مخمور ہوں اسے کب گرد و پیش کا ہوش رہتا ہے۔ حضور نے اسی بے خودی کے عالم میں فرمایا۔ ما انا بقارئ (میں نہیں پڑھتا) جبرائیل نے حضور کو سینہ سے لگا کر بھینچا اور پھر کہا اقرأ پھر فرمایا ما انا بقارئ پھر سینہ سے لگا کر کہا اقرأ۔ پھر ما انا بقارئ جواب ملا۔ چوتھی بار جبرئیل امین نے کہا اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ جب حضور نے اپنے رب کا نام سنا تو آپ متوجہ ہوئے کہ یہ بھی تو اسی ذات کا نام لے رہا ہے۔ جس کے جلووں میں میں محو ہوں۔ رب سنتے ہی آپ نے پڑھا۔ اقرأ باسم ربك الذی خلق۔

جبرئیل نے حضور کو سینہ سے کیوں لگایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جبرئیل حضور کو اپنے سینہ سے لگا کر حضور میں ملکوتی مناسبت پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ حضور ان سے وحی لے سکیں۔ لیکن ذوق سلیم اس کو باور نہیں کرتا۔ حضور دنیا میں مخلوق سے فیض لینے نہیں آئے تھے بلکہ تمام خلق خدا کو فیض دینے آئے تھے اور جبرئیل حضور کو سینہ سے لگا کر کچھ دینا نہیں لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ سینہ سے سینہ ملا تو یہ راز کھلا کہ حضرت مصطفوی میں فقط اقرء نہ کہو اقرأ باسم ربك الذی خلق پوری آیت پڑھو جس کا کلام پڑھوانا ہے اس کا نام لو۔ یہ فیض پہنچا تو جبرئیل نے پوری آیت پڑھی ورنہ پہلے ہی پڑھ دیتے۔

دوسرے نبیوں پر بھی کتاب نازل ہوئی۔ مگر ہم نے دیکھا ہے کہ انہیں منزل کتاب تک جانا پڑتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کتاب لینی ہے تو

marfat.com

پہاڑ طور پر آد۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حصول کتاب کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔۔ حضور نبی کریم جس جگہ ہوتے تھے کتاب وہیں آجاتی تھی۔ حضور نزول کے تابع نہ تھے۔ نزول حضور کے تابع تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ انہوں نے فرمایا کان خلقہ القرآن (حضور کا خلق قرآن تھا) عربی میں خَلق انسان کی ظاہری بناوٹ کو اور خُلق باطنی اوصاف کو کہتے ہیں۔ گویا خَلق صورت کا اور خُلق سیرت کا نام ہے اور حضرت عائشہ کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ حضور کی سیرت کی اٹھان فطرۃً وہی تھی جس کی ہدایت بعد میں قرآن نے دی ہے اور اگر بالفرض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تنزیل قرآن نہ ہوتی پھر بھی آپ کی سیرت قرآن کے مطابق ہوتی۔ حدیث عائشہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر حضور کی سیرت کو جامع عبارت سے بیان کیا جائے تو وہ متن قرآن ہوگا اور اگر آیات قرآن کو انسان کی سیرت میں متشکل کیا جائے تو وہ حضور کی سیرت کہلائے گی۔

علوم مصطفےٰ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ ظاہر و باطن، غیب و شہادت اور تکوین و تشریع کی کوئی حقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ سے مخفی نہیں ہے۔ امام ترمذی تصحیح بخاری کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجلی لی کل شئ وعرفتہ ہر چیز مجھ پہ منکشف ہوگئی اور میں نے اسے جان لیا نیز صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز کے بعد فرمایا واللہ مایخفی علی رکوعکم ولا خشوعکم (خدا کی قسم مجھ سے نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے نہ خشوع) رکوع نماز کی ظاہری ہیئت کو اور خشوع باطنی کیفیت کو کہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن اور غیب و شہادت کی ہر حقیقت حضور کے علم میں ہے۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا سلونی فلا تسئلونی

marfat.com

عن شئی الا اخبر تکم (مجھ سے سوال کرو تم مجھ سے کسی چیز کے بارے میں استفسار نہیں کرو گے۔ مگر میں تمہیں اس چیز کی خبر دوں گا) یہ دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا علم تمام حقائق ممکنہ کو محیط ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن حذافہ جن کے بارے میں لوگ شک کرتے تھے کہ شاید وہ حذافہ کے بیٹے نہیں ہیں اور ان پر تہمت لگاتے تھے۔ انہوں نے پوچھا میرا باپ کون ہے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہی ہے۔ ایک اور شخص نے سوال کیا میرا باپ کون ہے فرمایا تمہارا باپ سالم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ تکوینی امور ہوں یا تشریعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سب پر مشتمل ہے۔

امام بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں ابتدائے عالم سے تمام احوال کی خبریں بیان کرنا شروع کیں۔ یہاں تک کہ اہل جنت کے جنت میں جانے اور اہل نار کے جہنم میں جانے تک کے تمام واقعات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کر دیے۔ پس جسے یہ باتیں یاد رہیں اسے یاد رہیں اور جس نے بھلا دیں اس نے بھلا دیں۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن (حضور نے ایک مجلس میں ماکان و مایکون یعنی ماضی و مستقبل کی تمام خبریں بیان کر دیں۔)

اس جگہ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں ان تمام امور کا تفصیلاً بیان نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اہم اہم باتیں بیان کر دی تھیں۔ اس کے جواب سے پہلے یہ گذارش ہے کہ گمراہی کی اولین بنیاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو اپنے اوپر قیاس کر لیا جائے اور اس بنا پر یہ فرض کیا جائے کہ چونکہ ہم قلیل وقت میں کثیر امور بیان نہیں کر سکتے۔ اس لیے حضور بھی نہیں کر سکتے۔ اب دیکھیں کہ قلیل

marfat.com

دقت میں یہ بیان ممکن ہے یا نہیں، تو دیکھیے قرآن کریم کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے تین ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس لا کر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔ پس جب سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی اس قدر طویل کام کو ایک لمحہ میں کر سکتا ہے تو جن کے سامنے حضرت سلیمان بھی اُمتی کی حیثیت رکھتے ہیں وہ ایک دن میں یہ تفصیلی احوال کیوں بیان نہیں کر سکتے۔ نیز بخاری شریف میں ہے کہ حضرت داؤد گھوڑی پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالنے سے پہلے زبور ختم کر لیتے اور سب کو چھوڑیے واقعہ معراج بھی تو ایک لمحہ میں وقوع پذیر ہوا۔ پس جو ایک لمحہ میں تفصیلاً سیر معراج کر سکتے ہیں وہ ایک مجلس میں ابتدائے آفرینش سے دخول جنت تک کے تفصیلی احوال بھی بیان کر سکتے ہیں اور اگر یہ مشکل ہے تو پھر وہ بھی ممکن نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ بنی اسرائیل ۸۵ تمہیں جو علم ملا ہے وہ قلیل ہے (تمام جہان والوں کے علم کو اللہ تعالیٰ قلیل فرماتا ہے اور حضور کے علم کے بارے میں فرمایا وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیما (النساء ۱۱۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا کر دیا جنہیں آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور یہ اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ غور کیجیے کہ جس کے نزدیک کل جہان والوں کا علم قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

رحمت مصطفیٰ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ عالم موجودات کے ذرہ ذرہ کو حضور کی رحمت شامل ہے۔ نبوت اور رسالت ہو یا امامت اور ولایت، سب کا سبب حضور کی رحمت ہے۔ مومنوں کو حضور کی رحمت سے ایمان ملا اور کفار کو دنیا میں حضور کے سبب امان ملی یوں تو سب نعمتیں حضور کی رحمت اور آپ کی وساطت سے ہی ملتی ہیں لیکن جو نعمتیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے بانٹیں جو رحمتیں آپ خود تقسیم کرتے رہے ان کی شان ہی کچھ اور ہے

marfat.com

مکہ کے کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ آپ تبلیغ کرتے تو دلسوز آوازے کستے۔ راستہ میں کانٹے بچھادیتے۔ دوران عبادت گندگی ڈال دیتے۔ ابوسفیان آپ پر چڑھائی کرکے لشکر لایا۔ وحشی نے آپ کے محبوب چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ ہندہ نے ان کا جگر نکال کر دانتوں سے چبایا یہ سارے ظالم اور ستم ایجاد لوگ جب فتح مکہ کے بعد مقہور اور مغلوب ہوکر آپ کے سامنے پیش ہوئے، جب یہ مجبور اور آپ ان سے ہر طرح کا انتقام لینے پر قادر تھے اس وقت آپ نے فقط اتنا فرمایا :

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف ۹۲)

میں تمہیں کوئی ملامت نہیں کرتا، جاؤ خدا تمہیں معاف کرے وہ بہت رحم کرنیوالا ہے۔

حضرت حمزہ نے اسلام کی خاطر بڑی قربانیاں دی تھیں۔ حضور نبی کریم کو ان سے بڑا پیار تھا۔ ان کی شہادت پر حضور بہت آزردہ رہے۔ ان کا قاتل وحشی حضور کی خدمت میں آکر کہتا ہے۔ میں اسلام لانا چاہتا ہوں۔ مگر ایک شرط ہے پوچھا کیا؟ کہنے لگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما یضاعف لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مھانا (الفرقان ۶۸-۶۹) "جو لوگ شرک نہیں کرتے نہ ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زناکاری اور جو ایسا کریں انہیں سخت عذاب ہوگا اور قیامت کے دن ان کا عذاب دگنا کر دیا جائیگا اور وہ اس میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔" وحشی نے کہا میں نے یہ سب گناہ کیے ہیں اگر میں اسلام لے آؤں تو کیا میری بخشش ہوجائے گی۔ اسی وقت قرآن نازل ہوا اور حضور نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ الفرقان ۷۰ مگر جو شخص ان گناہوں کے بعد توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور اس کے عمل نیک ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی پچھلی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔

وحشی کہنے لگا یہ تو اسلام لانے سے پہلے گناہوں کی معافی ہے اگر اسلام لانے

marfat.com

کے بعد مجھ سے کوئی گناہ ہوا تو اس کی بخشش کیسے ہوگی۔

فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء (النساء ۱۱۶) اللہ جس کے لئے چاہیے گا شرک کے علاوہ تمام گناہ بخش دے گا۔ وحشی کہنے لگا اور اگر خدا میرے لیے بخشش نہ چاہے تو پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ خدا مجھے بھی بخش دے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ الزمر: ۵۳

(آپ کہہ دیجئے اے میرے گنہ گار بندو! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔)

وحشی نے کہا اب مجھے اطمینان ہوگیا ہے اور میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ غور کیجیے کتنی بحث وتکرار کرکے اور کس قدر ناز اٹھا کر اس شخص کو کلمہ پڑھایا ہے جو آپ کو سخت ترین اذیت پہنچانے والا اور آپ کے محبوب ترین چچا کا قاتل تھا

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پاس ہی قریش کے صناد بیٹھے آپ کو ایذا پہنچانے کی تجویز سوچ رہے تھے۔ ان میں سے عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور عین سجدہ کی حالت میں حضور کی پشت پر اونٹنی کی جھلی لاکر رکھ دی یہ منظر دیکھ کر وہ اشقیاء تمسخر کر رہے تھے کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور اس جھلی کو حضور کی پشت سے اٹھایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ان تمام کافروں کا نام لے لے کر دعا ضرر کی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رحمت ہیں تو یہ دعا ضرر کیسی؟ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے اس بات پر غور فرمایئے کہ طائف کی وادی میں کفار نے حضور

marfat.com

کو پتھروں سے گھائل کیا، غزوہ اُحد میں آپ کا چہرہ لہو لہان کر دیا۔ یہ دلخراش منظر دیکھ کر جبریل سے بھی یارا ے ضبط نہ رہا۔ اس نے بھی کہا ان ظالموں کے لیے دعا ضرر کریں۔ لیکن جب حضور رحمۃ للعالمین کے ہاتھ اُٹھے تو ان کے حق میں دعا خیر کے لیے اُٹھے اور فرمایا، اے خداوندا! انہیں ہدایت دے! یہاں اتنی تکلیفوں کے باوجود دعا دے کر حضور نے یہ ظاہر فرمادیا کہ میری ذات کو اذیتیں دو برداشت کر لوں گا۔ میرے چچا کو قتل کر کے ان کا جگر تک چبا ڈالو صبر کر لوں گا، ہر ستم گوارا ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کی عبادت میں خلل ڈالو، نمازمیں فساد برپا کر دو یہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّت کو جس قدر عبادت کا حکم دیا ہے خود اس سے زیادہ عبادت کی ہے۔ چنانچہ اُمّت کے لیے پانچ نمازیں فرض کیں اور خود چھ فرض نمازیں پڑھتے تھے۔ دوسروں کے لیے مال میں سے چالیسواں حصّہ زکوٰۃ فرض کی اور خود سب کچھ صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ہمارے لیے صرف دن کا روزہ مقرر کیا اور خود وصال کے روزے بھی رکھے جس میں نہ سحری ہے نہ افطار۔

اللہ تعالیٰ کو اوروں سے شکوہ ہے کہ وہ قیام کم کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلاً آپ بہت زیادہ قیام کرتے ہیں۔ ذرا کم کیا کریں۔ اسی طرح اوروں سے شکایت ہے کہ وہ راہ خدا میں مال کم خرچ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے لاتبسطھا کل البسط آپ راہ خدا میں مال بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ ذرا کم خرچ کیا کریں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فسبح واطراف النہار لعلك ترضیٰ آپ صبح اور شام نماز ادا کیا کریں تاکہ آپ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں۔ اللہ اکبر ساری مخلوق کی عبادت یہ ہے کہ وہ خدا کو راضی کرے اور حضور کی عبادت یہ ہے کہ خدا انہیں راضی کر دے۔ جب محب اپنے محبوب کو دیکھے تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور سے فرمایا آپ نماز پڑھیے اور نماز کے دوران ہماری

marfat.com

تجلیات کا مشاہدہ کیجیے تاکہ آپ راضی ہوں۔ اسی لیے حضور نے فرمایا جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (نماز پڑھنے سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں)۔

زیارت بھی ایک عبادت ہے۔ چنانچہ کعبہ اور قرآن کی زیارت کرنا عبادت ہے اور سب سے بڑھ کر عبادت ایمان کی نگاہ سے حضور کے چہرہ انور کو دیکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص اب عبادت کر کے ولی اور غوث کا مرتبہ تو پا سکتا ہے لیکن صحابیت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ غور کیجیے جب حضور کو دیکھنا اتنی عظیم عبادت ہے تو رب ذوالجلال کو دیکھنا کس قدر عظیم عبادت ہوگی! اور یہ ایسی عبادت ہے کہ پوری کائنات میں سوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عبادت کا اور کوئی عابد نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جبریل نے پوچھا کہ احسان کس مرتبہ کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ (خدا کو دیکھتے ہوئے اس کی عبادت کرنا) لہٰذا کاملین اور مقربین اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ دوران نماز جمال الوہیت نظر میں ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین (آپ دوران عبادت حالت قیام میں ہوں یا حالت سجود میں خدا آپ کو دیکھتا رہتا ہے) دیکھئے عبادت کے وقت تمام عابدوں کی نظریں خدا کی طرف ہوتی ہیں اور خدا کی نظریں مصطفےٰ کی طرف ہوتی ہیں ؎

ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ان کو دیکھتا ہوگا

مقام مصطفےٰ

ایک دن صحابہ کرام باتیں کر رہے تھے کہ آدم صفی اللہ ہیں، ابراہیم خلیل اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ اسی دوران حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا بلاریب آدم صفی اللہ ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ ہیں مگر یاد رکھو میں حبیب اللہ ہوں اور میں فخر نہیں کرتا ایک اور موقعہ پر فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ یعنی میرے لیے یہ فخر کی بات نہیں کہ مجھے ان کی

marfat.com

قیادت مل گئی۔ فخر تو رسولوں کو کرنا چاہیئے جنہیں محمد جیسا قائد مل گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فکر آخرت سے دعا کرتے ہیں لا تخزنا یوم یبعثون (اے خداوندا روز حشر ہیں شرمندہ نہ کرنا) اور جس مرتبہ کے لیے حضرت ابراہیم نے دُعا کی حضور کو وہی مقام بنا مانگے دیا اور فرمایا یوم لا یخزی اللہ النبیَّ والذین آمنوا معہ (حشر کے دن اللہ تعالیٰ نہ اپنے نبی کو شرمندہ کرے گا اور نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو) بلکہ شرمندہ نہ کرنا تو کجا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا سر محشر آپ سرخرو ہوں گے اور لواء حمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نوازشوں اور عنایتوں کی موسلا دھار بارش ہوگی اور وہ اس وقت تک بخشتا اور نوازتا رہے گا جب تک آپ راضی نہیں ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنّا کی رب ارنی انظر الیک (اے رب مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں اس کا نظارہ کروں) انہیں فرمایا لن ترانی (تم نہیں دیکھ سکتے) اور حضور سے فرمایا الم تری ربک (کیا آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا) اللہ عزّ وجلّ کے جلال وجبروت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا کلام اگر کسی پہاڑ پر اُترے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس کی صفت کی تجلی اگر حضرت موسیٰ جیسے نبی پر ہو تو ہوش جاتے رہیں۔ پہاڑوں میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے کلام کا بار اٹھا سکیں۔ تو ان کا حوصلہ کیسا ہوگا جس کے سینہ پر قرآن کی ایک دو نہیں چھ ہزار سے زیادہ آئتیں اُتریں۔ مخلوقات کے عالم میں کسی کو اسے دیکھنے کی ہمت نہیں تو ان آنکھوں کا کیا کہنا جنہوں نے اپنے رب کو اس شان سے دیکھا کہ دکھانے والے کو بھی کہنا پڑا

ما زاغ البصر وما طغیٰ!

عارفوں کے دو گروہ ہوتے ہیں ایک وہ ہیں جن کی نظر پہلے مصنوع پر پڑتی ہے اور پھر اس کے بعد صانع تک پہنچتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کی نظر ابتداً صانع پر ہوتی ہے اس کے بعد مصنوع کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰتِ والارضِ لیکون

marfat.com

من المؤمنین (الانعام ۵۷) اللہ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کی تمام حقیقتیں دکھائیں۔ اس کے بعد وہ تجلیات الٰہیہ تک پہنچے، یہ تھا مقام ابراہیم اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ ایک موقعہ پہ آپ نے فرمایا

رایت ربی عزوجل فی احسن صورۃ قال فیم یختصم الملاء الاعلٰی قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی فعلمت مافی السمٰوٰت والارض (میں نے اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا اس نے پوچھا ملاء اعلیٰ کس بات میں نزاع کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو ہی خوب جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو دیکھ لیا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے زمین و آسمان کو دیکھا اور حضور نے پہلے خدا کو دیکھا اور پھر زمین و آسمان کو دیکھا حضرت موسٰی علیہ السلام کہتے ہیں، ان معی ربی میرے ساتھ ہے میرا رب پہلے اپنا ذکر کیا، پھر خدا کا اور حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا ان اللہ معنا اللہ ساتھ ہے ہمارے پہلے خدا کا ذکر فرمایا اور پھر اپنا، حضرت سلیمان ملکہ سبا بلقیس کی طرف خط لکھواتے ہیں انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلے اپنا اور پھر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم ہرقل کی طرف خط لکھوایا تو لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد الی ھرقل عظیم الروم پہلے اللہ کا نام لکھوایا اور پھر اپنا۔ ان شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے مخلوق کو دیکھنا اور پھر مخلوق سے خالق کی طرف متوجہ ہونا یہ حضرت ابراہیم اور موسٰی اور سلیمان علیہم السلام کا مقام ہے اور سب چیزوں سے پہلے اپنے رب کو دیکھنا اور پھر کسی اور کی طرف التفات کرنا یہ مقام محمدی ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ہر ایک کا قبلہ الگ الگ ہوتا ہے۔ مقربین کا قبلہ عرش ہے اور کروبیین کا قبلہ بیت المعمور ہوتا ہے۔ انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت الحرام۔ لیکن یہ حضور کے جسم کا قبلہ ہے اور

marfat.com

آپ کی روح کا قبلہ خدا کی ذات ہے۔ اور آپ کی ذات خدا کا قبلہ ہے۔ قبلہ کا مطلب ہے مرکز التفات یعنی اللہ تعالٰی آپ کی توجہ کا مرکز ہے اور آپ خدا کے التفات کا محور ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں۔ انبیاء میں ان کا مقام سب سے اونچا ہے۔ سب خدا کے طالب اور وہ اس کے مطلوب ہیں ان کی عظمت کا اندازہ کوئی کیسے کرے جن کی نسبتوں کی خدا قسم کھائے۔ جن کا جاگنا عبادت اور جن کی نیند خدا کی زیارت ہو۔ ان کے مقام تک کسے رسائی ہو جو اس وقت خدا سے ہمکلام ہوں جب کسی کو اس سے یارائے سخن نہ ہو۔ جن کا منشاء خدا کی مرضی کہلائے اور جن کے ماتھے پر بل ہوں، تو خدا ناراض ہو جائے۔

---

marfat.com

حدیثِ لولاک

مئی ۱۹۷۲ء کے شمارے میں مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کے عنوان سے جناب خالد بزمی صاحب کا مضمون پڑھا اس مضمون میں اس شعر پر بحث کی گئی ہے۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

خالد بزمی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"لولاک والی حدیث صحیح نہیں ہے لیکن مولانا ظفر علی خاں بہرحال محدث نہیں شاعر تھے اور انہوں نے یہ الفاظ عام رواج کے مطابق ہی استعمال کر لیے"

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ اگر یہ بات صرف مولانا ظفر علی خاں کی شاعری تک محدود ہوتی تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن حدیث لولاک کا ذکر تو وقت کے مجدّد اور اس صدی کے سب سے بڑے محدث اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بھی اپنے اشعار میں کیا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں :

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

(حدائق بخشش حصہ اول صہ۹۳)

اور محدث ابن جوزی کے تلمیذ رشید شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

ترا عِزِّ لولاک تمکین بس ست ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس ست

(بوستان صہ۲۰)

marfat.com

اس لیے اس حدیث کو محض اس لیے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا ذکر صرف ایک شاعر نے کیا ہے۔

اس حدیث کو ناقابل تسلیم قرار دیتے ہوئے خالد بزمی صاحب لکھتے ہیں کہ کسی حدیث کے صحت پر مبنی ہونے کا سب سے پہلا ثبوت اس حدیث کا قواعد عربی کے مطابق ہونا ہوتا ہے اور یہ الفاظ عربی زبان کے قاعدوں[1] کے مطابق درست نہیں ہیں۔ ان میں سب سے پہلے لولاک کی ترکیب ہی محل نظر ہے"۔ کاش بزمی صاحب نشاندہی کرتے کہ اس حدیث میں فلاں عربی قاعدہ کی مخالفت ہے اور اس کی ترکیب میں فلاں غلطی ہے تاکہ اس پر غور کیا جاتا۔

بہرحال اس بحث کے اجمال بلکہ اہمال سے صرف نظر کرکے اس لفظ کی ترکیب نحوی پیش خدمت ہے۔ اس حدیث میں لولا کے بعد ضمیر مجرور متصل کو ذکر کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ لولا کے بعد مبتدا مذکور ہوتا ہے اور خبر محذوف ہوتی ہے اور مبتدا اسم ظاہر بھی ہوتا ہے اور ضمیر بھی عموماً مرفوع منفصل ہوتی ہے لیکن قلیل طور پر ضمیر متصل بھی لائی جاتی ہے اور اس وقت لولا جارہ ہوتا ہے اور مجرور بربنا ابتداء محلاً مرفوع ہوتا ہے چنانچہ ابن ہشام انصاری فرماتے ہیں:

اذا ولی لولا مضمر فحقه ان یکون ضمیر رفع نحو لولا انتم لکنا مومنین وسمع قلیلا لولای ولولاک ولولاه خلافا للمبرد ثم قال سیبویه والجمهور هی جارة للضمیر مختصة به کما اختصت حتیٰ والکاف بالظاهر ولا تتعلق لولا بشیٔ وموضع المجرور بها رفع بالابتداء والخبر محذوف۔ (مغنی اللبیب جلد ۱ ص ۲۱۶)

(جب لولا کے بعد ضمیر لائی جائے تو وہ ضمیر مرفوع ہونی چاہیئے مثل

---

[1] اگر میں یہ کہہ دوں کہ "صاحب مضمون کا قاعدوں لکھنا ہی خلاف قاعدہ ہے کیونکہ عربی زبان میں قاعدہ کی جمع قاعدوں نہیں قواعد آتی ہے" تو امید ہے بزمی صاحب بُرا نہیں مانیں گے (سعیدی)

marfat.com

لولا انتم ..... الخ اور قلیلاً سنا گیا ہے۔ لولای۔ لولاک اور لولاہ برخلاف مبرّد کے اور سیبویہ اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ لولا جارہ اور ضمیر کے ساتھ خاص ہے جیسے حتیٰ اور کاف کی خبر اسم ظاہر کے ساتھ خاص ہے اور یہ لولا کسی کے متعلق نہیں ہوتا اور اس کا مجرور بنا بر ابتدا محلاً مرفوع ہوتا ہے ۔

نیز علامہ بوصیری نے عربی زبان کے مشہور قصیدہ بردہ میں لولا کے بعد ضمیر مجرور متصل کو استعمال کیا ہے فرماتے ہیں :۔

لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم ۔

اور عربی زبان کا مشہور اور مستند شاعر ابوالطیب متنبی کا یہ شعر بھی لولا کے بعد ضمیر مجرور متصل کے استعمال پر ایک قوی شہادت ہے ۔

الی ذی شیمۃ لشغفت فؤادی فلولاہ لقلت بہ النسیا

(دیوان متنبی صد ۲۷)

اس حدیث پر بزمی صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ لولاک اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں ہے لولاک لما خلقت الافلاک اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس بارے میں یہ معروض ہے کہ صرف لولاک کے ذکر کر دینے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ یہ لولاک لما خلقت الافلاک سے ماخوذ ہے، یہ حدیث متعدد الفاظ سے مروی ہے۔ مثلاً

لولاک ما خلقت الجنۃ لولاک لما خلقت النار

لولاک لما خلقت الدنیا

پس جب یہ حدیث متعدد الفاظ سے مروی ہے تو صرف لولاک کا ذکر لولاک لما خلقت الافلاک کو کیسے مستلزم ہوگیا۔ صاحب مضمون کے علم اور بصیرت کے پیش نظر یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے سامنے حدیث کے یہ مختلف الفاظ نہیں تھے۔ پھر وہ کونسا جذبہ تھا جس کی وجہ سے بزمی صاحب نے حدیث کے یہ معروف اور مسلم الفاظ چھوڑ کر خاص لفظ افلاک کو ذریعہ تنقید بنایا۔

marfat.com

اس حدیث کی تحقیق کے سلسلے میں اولاً گذارش یہ ہے کہ ماہرین حدیث نے تصریح کی ہے کہ لولاک لما خلقت الافلاک معنیً ثابت ہے لیکن لفظ افلاک کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

لولاک لما خلقت الافلاک قال الصنعانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاک ماخلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاک ماخلقت الدنیا

(موضوعات کبیر ص۵۹)

(صنعانی نے کہا کہ لولاک لما خلقت الافلاک موضوع ہے (خلاصہ) لیکن اس کا معنی صحیح ہے کیونکہ دیلمی نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے میرے پاس جبریل آئے اور کہا اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا کرتا نہ نار اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ کرتا)

اور مولانا عبدالحیٔ لکھتے ہیں :۔

قلت نظیر اوّل ما خلق اللہ نوری فی عدم ثبوتہ لفظاً و ورودہ معنیً ما اشتھر علی لسان القصاص والعوام والخواص من حدیث لولاک ماخلقت الافلاک۔ (الآثار المرفوعۃ ص۴۵)

(میں کہتا ہوں کہ اوّل ماخلق اللہ نوری جس طرح معنیً ثابت ہے اور لفظاً ثابت نہیں اسی طرح وہ حدیث ہے جو واعظین اور عوام وخواص کی زبان پر مشہور ہے یعنی لولاک ماخلقت الافلاک۔)

دیلمی نے فردوس میں، احمد قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اور کثیر محدثین اور اجلّہ علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کو متعدد الفاظ سے ذکر کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے مسائل کو مستنبط کیا ہے اور اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ

marfat.com

محدثین اور علماء اسلام کے نزدیک حدیث لولاک صحیح اور ثابت ہے اور یہ متعدد الفاظ سے مروی ہے، البتہ لولاك لما خلقت الافلاك میں افلاک کا لفظ کسی روایت سے ثابت نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ علماء اصول حدیث کی تصریح کے مطابق روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔ (دیکھیے شرح نخبۃ الفکر صہ ۲۷) اور جبکہ افلاک کے معنی میں لفظ سماء حدیث میں وارد ہے تو سماء کے معنی میں افلاک کی روایت قطعاً جائز قرار پائی۔ اسی وجہ سے ماہرین حدیث نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت معنیً ثابت ہے اور اعاظم علماء اسلام نے اس کو افلاک کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ذیل میں ہم ان احادیث کو پیش کر رہے ہیں جن میں لولاک کے ساتھ لفظ سماء کی صراحت کی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین حلبی فرماتے ہیں۔

وذکر صاحب کتاب شفاء الصدور فی مختصرہ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ عز وجل قال یا محمد وعزتی وجلالی لولاك ماخلقت ارضی ولاسمائی ولارفعت ھذہ الخضراء ولا بسطت ھذہ الغبراء۔ (انسان العیون جلد ۱ صہ ۳۵)

(صاحب شفاء الصدور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور حضور نے اللہ عز وجل سے روایت کیا کہ اللہ نے فرمایا: اے محمد! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمین پیدا کرتا، نہ آسمان، یہ نیلگوں چھت بلند کرتا اور نہ خاکی فرش بچھاتا)

اور علامہ فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفی حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عند البیہقی فی دلائلہ والحاکم وصححہ وقول اللہ تبارك وتعالیٰ لآدم علیہ السلام لولا محمد ما خلقتك وروی فی حدیث آخر لولاہ ماخلقتك ولاخلقت سماءً ولا ارضاً

بیہقی اور حاکم نے حدیث عمر میں ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا اور وہ اللہ

عزوجل کا حضرت آدم سے یہ فرمانا ہے۔ کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا اور ایک دوسری حدیث میں ہے اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا اور نہ ہی آسمان و زمین کو پیدا کرتا) (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات صہ ۲۶۴)

اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں :۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ و منح محمدیہ میں رسالہ میلاد و امام علامہ ابن طغربک سے ناقل مروی ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا الٰہی تو نے میری کنیت ابو محمد کس لیے رکھی ؟ حکم ہوا اے آدم ! اپنا سر اٹھا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر اٹھایا تو سرا پردہ عرش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نظر آیا۔ عرض کی الٰہی یہ کیسا نور ہے ؟ فرمایا ھذا نور نبی من ذریتك اسمہٗ فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ما خلقتك ولا خلقت سماءً ولا ارضاً۔ یہ نور ایک نبی کا ہے۔ تیری اولاد سے اس کا نام آسمان میں احمد ہے اور زمین میں محمدؐ۔ اگر وہ نہ ہوتا میں نہ تجھے بناتا نہ آسمان زمین کو پیدا کرتا۔ (تجلی الیقین صہ ۴۰)

اور علامہ عبدالرحمٰن صفوری شافعی تحریر فرماتے ہیں :۔

عن علی رضی اللہ عنہ قلت یا رسول اللہ لم خلقت قال لما اوحی الیٰ ربی بما اوحی قلت یا رب لم خلقتنی قال تعالیٰ وعزتی وجلالی لولاك ما خلقت ارضی ولا سمائی۔ (نزھۃ المجالس جلد ۲ صہ ۱۱۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کس لیے پیدا کیے گئے ! حضور نے فرمایا۔ جب اللہ نے میری طرف وحی کی تو میں نے پوچھا تو نے مجھے کس لیے پیدا کیا۔ فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم تمہیں پیدا نہ کرتا تو نہ آسمان کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو۔!

نقول بالا میں یہ حدیث لفظ سماء کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور اسے علمائے اسلام اور ماہرین حدیث نے روایت کیا ہے اور اس سے ہمارا مقصود اس بات پر دلیل قائم کرنا ہے کہ افلاک کے معنی میں لفظ سماء کے ساتھ اس حدیث

marfat.com

کی روایت کی گئی ہے اور چونکہ افلاک کا لفظ معنیً ثابت ہے اس وجہ سے اس حدیث کی سماء کے معنی میں افلاک کے ساتھ روایت بالمعنی قطعاً جائز قرار پائی۔
باقی بزمی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ :
" پھر افلاک کا لفظ قرآن اور حدیث میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا"
چنداں لائق التفات نہیں ہے، کیونکہ اگر صرف لفظ افلاک کے مطالبہ پہ ہی اصرار ہے تو یہ محض لفظی ضد کے سوا کچھ نہیں ورنہ فلک جو افلاک ہی کا واحد ہے۔ اس کا استعمال قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کُلٌ فی فلکٍ یسبحون۔ یٰس: ۴۰ اسی طرح حدیث شریف میں بھی لفظ فلک مستعمل ہے چنانچہ لغت حدیث کے مشہور امام علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:۔
(فلك) فی حدیث ابن مسعود ترکت فرسك کانه یدور فی فلك
(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۳ صہ ۲۱۵)
اسی طرح لغت حدیث کے ایک دوسرے امام شیخ محمد طاہر نے بھی اس حدیث کو مجمع بحار الانوار جلد ۴ صہ ۹۰ پر فلک کے تحت ذکر کیا ہے۔
مذکورہ بالا تصریح سے ظاہر ہو گیا کہ فلک کا لفظ غیر قرآنی یا غیر حدیثی نہیں ہے اور کتاب و سنت میں یہ لفظ مستعمل ہے۔ فلہذا اس کی جمع افلاک بھی قرآن اور حدیث کی زبان کے لیے اجنبی اور اس سے متصادم نہیں بلکہ اطلاقات کتاب و سنت کے موافق اور عین مطابق ہے اور یہ تمام حقائق اساتید اسلام اور محققین علمائے کرام پر عیاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کو لفظ افلاک کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے۔
چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
سرِ حدیث قدسی لولاك لما خلقت الافلاك را کہ در شان ختم الرسل واقع است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ایں جا باید جست۔
حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک جو حضور ختم الرسل کی شان میں

marfat.com

آئی ہے۔ اس کا بھید بھی اس جگہ معلوم کرنا چاہیئے۔
(مکتوبات دفتر سوم حصہ نہم صد ۱۵۵ مکتوب ۱۲۲)

اسی حدیث کو شیخ احمد سرہندی نے مکتوبات دفتر سوم حصہ نہم صد ۱۷۶ مکتوب ۱۲۴ میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو علمی اور تحقیقی مقام ہے۔ وہ خویش و بیگانہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور مکتوبات میں شیخ کا اس حدیث کو متعدد بار ذکر کرنا اور اس سے استدلال کرنا اس امر پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ ان کے نزدیک حدیث لولاک لما خلقت الافلاک معنیً صحیح اور ثابت ہے۔

اور علامہ محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں :۔

والتعین الاول المشار الیہ بقولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر وبواسطتہ حصلت الافاضۃ کما یشیر الیہ لولاک لما خلقت الافلاک۔ (روح المعانی جلد ۱ صد ۵۱)

اور تعین اول کی طرف حضور کے قول اول ما خلق اللہ نوری میں اشارہ ہے اور اسی کے واسطے سے خلق کو فیضان ہوا اور اس کی طرف لولاک لما خلقت الافلاک میں اشارہ ہے۔

تفسیر روح المعانی اہل سنت کے تمام مکاتب فکر میں یکساں مقبول ہے اور علامہ محمود آلوسی کو متاخرین مفسرین میں سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ ان کی علمی ثقاہت سب کے نزدیک مستند حیثیت رکھتی ہے اور حدیث پر جرح و قدح کرنے میں ان کی نظر ابن جوزی سے کم نہیں ہے چنانچہ بعض ایسی احادیث جن کا عامۃ الفقہاء اور بعض محدثین نے اعتبار کیا ہے مثلاً منع ذکر جہر کے بارے میں اثر ابن مسعود اور حدیث تلک الغرانیق العلی ان کی اسناد پر علامہ آلوسی نے محققانہ جرح کرنے کے بعد انھیں رد کر دیا ہے۔ پس ایسے عظیم محقق اور ناقد حدیث کا لولاک لما خلقت الافلاک سے استشہاد کرنا اس حدیث کی

marfat.com

صحت پر نہایت قوی اور عادل شہادت ہے۔

اور مولانا ذوالفقار علی دیوبندی لکھتے ہیں :-

وقولہ لولاہ اقتباس من حدیث لولاک لما خلقت الافلاک

(عطر الوردہ شرح قصیدہ بردہ صد ۱ و صد ۲۵)

بوصیری کا قول لولاہ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا اقتباس ہے۔

مولانا ذوالفقار علی مسلک دیوبند کے ترجمان اور اصول میں برمی صاحب کے ہم عقیدہ ہیں ، اس لیے سلفی اور دیوبندی دونوں حضرات پر مولانا ذوالفقار علی کی یہ تحریر حجت ہے جس میں انہوں نے لولاک لما خلقت الافلاک کا حدیث ہونا تسلیم کر لیا ہے۔

ان تصریحات سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ حدیث لولاک کی افلاک کے لفظ کے ساتھ روایت بالمعنی جائز ہے اور سماء جنت نار اور دنیا کے الفاظ کے ساتھ اس کی روایت باللفظ صحیح ہے اور اس طرح حدیث لولاک روایت و درایت ترکیب و اعراب ہر اعتبار سے بے غبار ہوگئی۔

---

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
نماز جنازہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کس طرح اور کس کیفیت سے پڑھی گئی۔ اس بارے میں مختلف قسم کی روایات تاریخ اور سیرت کی کتب میں وارد ہیں۔ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ صحابہ کرام مختلف ٹولیوں اور جماعتوں کی شکل میں آکر آپ پر صرف صلوٰۃ و سلام عرض کرتے لیکن جو چیز حدیث صحیح سے ثابت ہے اور جو معتمد اور محققین علمائے کرام کا مختار ہے اور جس چیز کی بکثرت کتب سیر میں صراحت ہے اور جو امر اصول حنفیہ اور اصول شافعیہ کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی نماز جنازہ معروف طریقہ سے پڑھی گئی الا یہ کہ اس نماز جنازہ میں کوئی شخص امام نہیں تھا اور نہ اس میں اللھم اغفر لحینا و میتنا والی معروف دعا پڑھی گئی بلکہ اس دعا کے قائم مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں کلمات طیبات عرض کیے گئے۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ ہجری لکھتے ہیں۔

روی انہ لما صلی اھل بیتہ لم یدر الناس ما یقولون فسئلوا ابن مسعود فامرھم ان یسئلوا علیاً فقال لھم قولوا ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ الایہ۔ لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوات اللہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شیء یا رب العلمین علی

marfat.com

محمد بن عبد الله خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العلمین الشاهد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر علیه السلام. ذکره الشیخ زین الدین بن الحسین المراغی فی کتابه تحقیق النصرة۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت نے جب آپ پر نماز جنازہ پڑھ لی تو بعد میں دوسرے حضرات نہ جان سکے کہ وہ آپ پر کس طرح نماز جنازہ پڑھیں لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اس مسئلہ میں پوچھا تو انہوں نے حضرت علی کی طرف رہنمائی کی حضرت علی نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ان الله وملائکته یصلون علی النبی الایة پڑھ کر یہ کلمات عرض کرو۔

لبیک اللهم ربنا وسعدیک صلوات الله البر الرحیم والملائکة المقربین والنبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وما سبح لک من شئ یارب العالمین علی محمد بن عبد الله خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاهد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیه السلام۔

چنانچہ شیخ زین الدین بن الحسین المراغی نے اپنی کتاب تحقیق النصرة میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وظاهر هذا ان المراد ما ذهب الیه جماعة انه لم یصل علیه الصلاة المعتادة وانما کان الناس یاتون فیدعون قال الباجی ووجهه انه علیه السلام افضل من کل شهید یغنیه فضله عن الصلوٰة علیه فهو صلی الله علیه وسلم اولی قال وانما فارق الشهید فی الغسل لان الشهید حذر من غسله لازالة الدم عنه وهو مطلوب بقاءه لطیبه ولانه عنوان لشهادته فی الاخرة ولیس علی النبی صلی الله علیه وسلم ما تکره ازالته فافترقا انتهی لکن قال قاضی عیاض الصحیح الذی علیه الجمهور

marfat.com

ان الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت صلوٰۃ حقیقۃ لا مجرد الدعاء فقط انتھی واجیب بما استدل بہ الاولون بان المقصود من الصلوٰۃ علیہ عود التشریف علی المسلمین مع ان الکامل یقبل زیادۃ التکمیل نعم لا خلاف انہ لم یومھم احد علیہ کما مر بقول علی ھو امامکم حیا ومیتا فلا یوم علیہ احد ولحدیث رواہ ابن سعد واخرج الترمذی ان الناس قالوا لابی بکر انصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا وکیف نصلی قال یدخل قوم نیکبرون ویصلون ویدعون ثم یدخل قوم فیصلون ویکبرون ویدعون فرادی۔

اس عبارت کا ظاہری مفہوم اس جماعت کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر معروف طریقہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ آتے اور دعا مانگ کر رخصت ہو جاتے۔ علامہ باجی نے اس قول کی توجیہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شہید سے افضل ہیں اور جب شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہ پڑھا جانا بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔

نوٹ : شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنا شافعیہ اور ظاہریہ کا مسلک ہے احناف کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ) البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا اور شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کے جسم پر جو خون لگا ہوتا ہے اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تاکہ قیامت کے روز حشر میں اس کی شہادت کی گواہی دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کو زائل کرنا ناپسندیدہ ہوتا لیکن قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ معروف طریقہ سے پڑھی گئی تھی۔ علامہ زرقانی علامہ باجی کی دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور پر نماز جنازہ سے مقصود حضور کو فائدہ پہنچانا نہیں تھا حتیٰ کہ اس کو شہید

marfat.com

پر قیاس کیا جائے بلکہ حضور پر نماز جنازہ پڑھنے سے مسلمانوں کو شرف دینا تھا۔ اور اگر جنازہ پڑھنے سے صاحب جنازہ کو کوئی کمال حاصل ہوتا ہے تو جو شخص کامل ہو وہ زیادتی کمال کو قبول کرتا ہے۔ ہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ اس میں امام کوئی شخص نہیں تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات اور بعد الوفات ہر شخص کے امام ہیں۔ بحوالہ ابن سعد نیز امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ نے حضرت ابو بکر سے دریافت کیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھیں آپ نے فرمایا ہاں۔ پوچھا کس طرح فرمایا گروہ در گروہ جاؤ تکبیرات جنازہ پڑھو۔ درود شریف پڑھو اور دعائیہ کلمات عرض کرو۔ اور سب الگ الگ نماز پڑھو، یعنی بغیر امام کے۔

(شرح العلامہ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد ۸ ص۲۹۲)

زرقانی کے اس اقتباس سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ معروف طریقہ سے پڑھی گئی تھی۔ البتہ نہ کوئی شخص امام تھا اور نہ نماز میں درود شریف کے بعد اللّٰھمّ اغفر لحینا والی معروف دعا پڑھی گئی تھی۔ اس کی جگہ مخصوص دعا اور ثناء کے کلمات پڑھے گئے جو مختلف حضرات نے مختلف الفاظ سے پڑھے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا یہی جمہور امت کا مسلک ہے اور یہی صحیح بات ہے اور بعض لوگوں نے جو معروف نماز جنازہ کے برخلاف صرف صلوٰۃ وسلام کا قول کیا ہے اس کے باطل ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

۱۔ علامہ قسطلانی نے تحقیق النصرۃ سے معروف نماز جنازہ کے برخلاف جو مجرد دعا کی روایت نقل کی ہے وہ بلا سند ہے اور اس کو ردی کے صیغہ تمریض سے ذکر کیا ہے اور یہ مجہول روایت ہے اس کے برخلاف امام ترمذی نے شمائل ترمذی میں سند صحیح کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر معروف طریقہ

marfat.com

سے نماز جنازہ پڑھنے کی حدیث کا اخراج کیا ہے۔

۲۔ علامہ باجی نے جو معروف طریقہ سے نماز جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہہ کی ہے۔ اس کو علامہ زرقانی نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے سے مقصود حضور کے لیے مغفرت کی دعا کر کے آپ کو فائدہ پہنچانا نہیں بلکہ مقصود حضور سے نسبت قائم رکھ کر خود کو مشرف کرنا تھا اس لیے استغفار کے کلمات عرض نہیں کیے گئے اس کی نظیر درود شریف ہے ہم اَللّٰھم صلی علی محمد کہتے ہیں یعنی اے اللہ محمد پر رحمت نازل فرما تو اس سے قطعاً کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ اللہ سے حضور کے لیے رحمت طلب کر رہا ہے اور اس کی اس دعا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی فائدہ پہنچے گا بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس درود و دعا سے درود پڑھنے والے کو فائدہ پہنچے گا کہ یہ شخص بھی حضور کے غلاموں، خیر خواہوں اور ثنا گذاروں میں شامل ہے۔ اس طرح اذان کے بعد حضور کے لیے مقام محمود کے حصول کے لیے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم دعا کریں گے تو حضور کو مقام محمود ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ بنی اسرائیل ۹ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا تو لازماً اس دعا کا یہی مطلب ہے کہ اس دعا سے حضور کو نہیں بلکہ ہمیں فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ اس دعا کے ذریعہ ہم اپنی نمک خواری حضور کے حق میں خیر خواہی، ثنا گذاری اور اپنی غلامی کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز جنازہ میں جو آپ کے حق میں دعا و ثنا کے کلمات عرض کیے گئے تھے ان سے مقصود صحابہ کرام کا اس دعا و ثناء سے خود کو مشرف کرنا تھا نہ کہ معاذ اللہ اپنی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی فیض پہنچانے کا قصد تھا۔

۳۔ علامہ باجی نے حضور کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کو شہید کی نماز جنازہ نہ پڑھنے پر جو قیاس کیا ہے وہ بر خود غلط ہے اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے

marfat.com

کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔
عن عقبة بن عامر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج یوماً
فصلی علی اهل احد صلوٰته علی المیت۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۱۷۹)
عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور
آپ نے شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔
اس حدیث سے وہ بنیاد ہی منہدم ہو گئی جس پر علامہ باجی نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہ پڑھے جانے کا محل تعمیر کیا تھا۔
بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ضرور رہا ہے
لیکن صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے۔ چنانچہ مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت
الشاہ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں۔
جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک گروہ کے نزدیک یہ نماز
معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے بعض
احادیث بھی اس کی موئید ہیں کما بینا فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ
الجنائز اور بہت علمائے کرام یہی نماز معروف مانتے ہیں امام قاضی عیاض نے اس
کی تصحیح فرمائی کما فی شرح الموطا للزرقانی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تسکین فتن وانتظام امت میں مشغول تھے جب تک ان کے دست حق پرست
پر بیعت نہ ہوئی تھی۔ لوگ فوج در فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے۔
جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق اکبر ہوئے انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی پھر
کسی نے نہ پڑھی کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں ان تمام مطالب
کی تفصیل قلیل فقیر کے رسالہ مذکورہ میں ہے مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔
ان ابا بکر رضی اللّٰہ عنہ کان مشغولاً بتسویة الامور وتسکین الفتنة
فکانوا یصلون علیہ حضورہ وکان الحق لہ هو الخلیفة فلما فرغ صلی علیہ

marfat.com

ثم لم یصلی علیہ بعد کا علیہ (فتاوی رضویہ جلد ۴ صد ۵۴)

فتاوی رضویہ کے اس اقتباس سے ظاہر ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ معروفہ نہ پڑھنا صرف علماء کے ایک گروہ کا قول ہے اور باقی تمام علماء اسلاف اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ معروف طریقہ سے پڑھی گئی تھی اور اب ہم آپ کے سامنے جمہور کے مسلک پر ایسے دلائل اور شواہد پیش کرتے ہیں جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

حدیث صحیح سے استدلال

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں جس کے آخر میں ہے:۔

قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم فعلموا ان قد صدق قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا کیف قال یدخل قوم فیکبرون ویدعون ویصلون ثم یخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس۔ (الحدیث بطولہ) شمائل ترمذی صد ۳۴)

صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے صاحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پس انہوں نے آپ کے صدق کو جان لیا۔ پھر پوچھا کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کیسے۔ آپ نے فرمایا ایک جماعت داخل ہوکر تکبیر پڑھے۔ دعا مانگے اور درود شریف پڑھے پھر وہ چلے جائیں۔ پھر ایک جماعت داخل ہوکر تکبیر پڑھے، درود پڑھے اور دعا مانگے پھر وہ چلے جائیں۔

marfat.com

نماز جنازہ میں اصل اور فرض قیام اور تکبیرات اربعہ ہیں باقی ثناء صلوٰۃ اور دعا وغیرہ ثانوی حیثیت اور استحباب کا درجہ رکھتی ہیں اس حدیث صحیح میں تکبیرات کا ذکر موجود ہے اور وہی نماز جنازہ کی اصل ہیں۔ باقی دعاء اور صلوٰۃ کا بھی ذکر ہے اور یہ واضح رہے کہ دعا سے مراد یہاں وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان ہے۔

اصولِ حنفیہ کی روشنی میں

ائمہ احناف کے نزدیک ولی کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جنازہ کو دوبارہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ چنانچہ امام اجل برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی المتوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔

ان صلی غیر الولی و السلطان اعاد الولی ان شاء لان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد لان الفرض یتادی بالاول والنفل بها غیر مشروع ولهذا رأینا الناس ترکوا عن اخرهم الصلاۃ علی قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو الیوم کما وضع (ھدایہ ج ۱ ص ۴۰)

اگر ولی اور حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار ہے کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو اب دوبارہ کسی شخص کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنا مشروع نہیں ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر تمام جہان کے مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنی چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی (زندہ اور تروتازہ ہیں) جیسے اس دن تھے جب آپ کو قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اور امام کمال الدین بن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

لوکان مشروعاً لما اعرض الخلق کلهم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقرب الیه الصلوٰۃ والسلام بانواع الطرق عنه فهذا دلیل ظاهر علیه، فوجب اعتباره۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۶)

marfat.com

اگر نماز جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء و صلحاء اور وہ حضرات ہیں جو طرح طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو سلف سے لے کر خلف تک تمام مسلمانوں کا حضور کی قبر انور پر نماز جنازہ نہ پڑھنا نماز جنازہ کے تکرار کے عدم جواز کی کھلی ہوئی دلیل ہے اور اس کا اعتبار کرنا واجب ہے۔

ہدایہ اور فتح القدیر کی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہ نماز جنازہ کے عدم تکرار کی مشروعیت اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ کل جہاں کے مسلمان علماء اور صلحاء آپ کی قبر انور پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور یہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ سے مراد معروف نماز جنازہ ہو اور اگر اس سے مراد محض صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہو تو وہ آج تک قبر انور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت میں احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ کا یہ استدلال کس طرح صحیح ہو گا۔

اصول شافعیہ کی روشنی میں

امام شافعی کے نزدیک میت پر متعدد بار نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

قال الشافعی تعاد الصلوٰۃ علی الجنازۃ مرۃ بعد اخری لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر جدید فسال عنہ فقیل قبر فلانۃ فقال ھلا اذنتمونی بالصلوٰۃ فقیل انھا دفنت لیلا فخشینا علیک ھوام الارض فقام وصلی علی قبرھا ولما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی علیہ اصحابہ فوجا بعد فوج۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جنازہ پر بار بار نماز پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک نئی قبر پر ہوا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ فلاں عورت کی قبر ہے۔ فرمایا مجھے کیوں نہ خبر دی۔ عرض کیا گیا کہ اس کو رات کو دفن کیا گیا تھا اور ہمیں خوف تھا کہ آپ کو حشرات الارض سے تکلیف نہ پہنچے۔

marfat.com

حضور نے قبر پر اس کی نماز پڑھی اور جب حضور کا وصال ہوا تو صحابہ نے گردہ در گردہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ (عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش فتح القدیر جلد ۱ صہ ۴۵۹)

امام شافعی کا یہ استدلال بھی اس وقت تک صحیح نہیں ہو گا جب تک حضور کی نماز جنازہ کو معروف نماز جنازہ پر محمول نہ کیا جائے۔

سابقہ تحریرات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے حنفیہ اور شافعیہ نے اپنے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔ احناف نماز جنازہ کے عدم تکرار کے قائل ہیں اور وہ قبر انور پر سلف وخلف کے نماز جنازہ نہ پڑھنے سے استدلال کرتے ہیں اور شافعیہ نماز جنازہ کا تکرار جائز کہتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر صحابہ کرام کے گروہ در گروہ کا بار بار نماز جنازہ پڑھنے سے نماز جنازہ کے تکرار کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے اور یہ دونوں استدلال اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جب نماز جنازہ سے مراد معروف نماز جنازہ ہو نہ کہ فقط درود وسلام کیونکہ ما بہ النزاع معروف نماز جنازہ ہے نہ کہ محض درود وسلام۔

آیئے اب ہم حدیث ترمذی کی شرح حنفی اور شافعی علماء کی تقریرات کی روشنی میں دیکھیں۔

ملا علی قاری حنفی کی شرح

حضرت محدث ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں۔

(قال یدخل قوم فیکبرون) ای اربع تکبیرات وھن الارکان عندنا والبواقی مستحبات (ویدعون ویصلون) ای علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والواو لمطلق الجمع اذ الصلوٰۃ مقدمۃ علی الدعاء ولم یذکر التسبیح لما ھو معلوم من وقوعہ بعد التکبیرۃ الاولیٰ وانما بین الصلوٰۃ والدعاء المخصوصین فی ھذہ الصلوٰۃ بعد التکبیرتین من الثانیۃ والثالثۃ فیہ ایماء الی عدم

maktabah.org

الدعا بعد الرابعة واشعار بعدم فرضية قراءة الفاتحة بعد التكبيرة الاولیٰ۔

(ایک قوم داخل ہوکر تکبیریں پڑھے۔ یعنی چار تکبیریں اور یہی نماز جنازہ میں ہمارے نزدیک فرض ہیں اور باقی امور مستحب ہیں اور دعا اور درود پڑھیں) اس جگہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے ہے کیونکہ نماز جنازہ میں پہلے درود پڑھتے ہیں اور پھر دعا مانگتے ہیں اور حدیث شریف میں ثنا کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ثنا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر نے دوسری اور تیسری تکبیروں کے بعد اس نماز جنازہ میں بالخصوص دعا اور درود کا ذکر کیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد نماز جنازہ میں دعا نہیں ہوتی اور نہ ہی پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

(جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی ج:۲ ص:۲۱۴)

حضرت ملا علی قاری کی یہ شرح سوائے معروف نماز جنازہ کے اور کسی چیز پہ منطبق نہیں ہوتی۔

امام مناوی شافعی کی شرح

حضرت محدث عبدالرؤف المناوی الشافعی المتوفی ۱۰۰۳ھ فرماتے ہیں۔

وقال یدخل قوم فیکبرون ویدعون ویصلون ثم یخرجون فیہ وجوب هذه الثلاثة وهی ارکان عند الشافعی وقدم الدعاء علی الصلوٰة لما تقرر ان الاستفهام عن الصلوٰة علیه لتردد فی انه هل یحتاج للدعاء وفیه ان تکریر صلوٰة الجنازة غیر ممنوع وان لم یصلوا کلهم بامام واحد۔

(شرح شمائل ترمذی علی ہامش جمع الوسائل جلد ۲ صـ ۲۱)

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ایک گروہ جاکر تکبیر پڑھے دعا مانگے اور درود پڑھے پھر آجائے) اس فرمان میں یہ اشارہ ہے کہ یہ تینوں امور

marfat.com

واجب ہیں اور امام شافعی کے نزدیک یہی امور نماز جنازہ کے ارکان ہیں اور دعا کا ذکر درود سے پہلے اس لیے کیا ہے کہ سائل کو اس بات میں تردد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہوگی یا نہیں اور اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نماز جنازہ کا تکرار مشروع اور جائز ہے خواہ وہ نماز کسی ایک امام کی اقتدا میں نہ پڑھی گئی ہو۔ (شرح شمائل ترمذی علی ہامش جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۱۶)

حضرت محدث عبدالرؤف المناوی الشافعی نے جو اس حدیث کی شرح کی ہے وہ بھی سوائے معروف نماز جنازہ کے اور کسی چیز پر منطبق نہیں ہوتی۔

احناف کے جوابات

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ پر جو صحابہ کرام نے گروہ در گروہ آکر نماز جنازہ پڑھی اور اس سے ائمہ شافعیہ نے نماز جنازہ کے تکرار کی مشروعیت کو مستنبط کیا ائمہ احناف نے ان کے استدلال کے مسکت جوابات دے کر ان کے اس استشہاد کو اصلاً ساقط کر دیا۔

چنانچہ علامہ سید ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

ذکر فی النھایۃ عن المبسوط بعد ما ذکرہ ان تعلیل الصحابۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر رضی اللہ عنہ کان مشغولاً بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ وکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل بعدہ۔ (ردالمحتار ج۱ ص۸۲۵)

حضرت ابوبکر سے پہلے صحابہ کے نماز جنازہ پڑھنے کی تاویل کو صاحب عنایہ نے مبسوط سے نقل کرنے کے بعد کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے میں اور فتنہ کو دور کرنے میں مصروف تھے اس وجہ سے صحابہ کرام حضرت ابوبکر سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے حالانکہ حق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ کیونکہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی تھے جب وہ فارغ ہوگئے تو انہوں نے نماز جنازہ پڑھی اور ان کے بعد پھر کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(ردالمحتار جلد ۱ ص ۸۲۵)

marfat.com

علّامہ شامی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ولی کے پڑھنے سے پہلے احناف کے نزدیک تکرار جائز ہے اور ولی کے بعد جائز نہیں اور صحابہ کرام کا تکرار ولی شرعی حضرت ابوبکر صدیق کے نماز جنازہ سے پہلے تھا اس لیے یہ تکرار اصول حنفیہ سے متصادم نہیں ہے۔

شافعیہ کے اسی استدلال کا جواب دیتے ہوئے علّامہ احمد بن اسماعیل الطحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ تحریر فرماتے ہیں۔

وصلوٰة الصحابہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم افواجاً خصوصیۃ کما تاخیر دفنہ من یوم الاثنین الی لیلۃ الاربعاء کان کذلک لانہ مکروہ فی حق غیرہ بالاجماع اولانہا کانت فرض عین علی الصحابۃ لعظیم حقہ صلی اللہ علیہ وسلم لانتفلا بہا والا یصلی علی قبرہ الشریف الی یوم القیمۃ لبقائہ صلی اللہ علیہ وسلم کما دفن طریا بل ھو حی یرزق بسائر الملاذ والعبادات وکذا سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد اجتمعت امۃ علی ترکہا کما فی السراج والحلبی والشرح حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۔ ص۳۵۷

صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کو فوج در فوج پڑھنا اسی طرح حضور کی خصوصیت کے سبب تھا جیسے آپ کے دفن میں پیر سے بدھ کی رات تک تاخیر، حالانکہ دوسروں کے حق میں تاخیر دفن بالاجماع مکروہ ہے یا حضور کے حق کی وجہ سے کہ تمام صحابہ پر حضور کی نماز جنازہ پڑھنا فرض تھی (اور وہ یکبار پڑھنے سے ممکن نہ تھا) فوج در فوج پڑھنا نفل کی وجہ سے نہ تھا ورنہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی جاتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے وقت سے لے کر اب تک اُسی حالت پر ہیں بلکہ آپ زندہ ہیں اور آپ کو تمام لذائذ و عبادات حاصل ہیں جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حالانکہ امت نے آپ پر نماز جنازہ پڑھنے کے ترک پر اجماع کر لیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی نے بھی غنیۃ المستملی ص۵۸۲ میں اس قسم کے جوابات دیے ہیں اور فقہاء اسلام کی ان تمام عبارات سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تمام گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر معروف نماز جنازہ میں ہے نہ کہ محض صلوٰۃ والسلام میں کیونکہ نماز جنازہ کا پڑھنا قبر پر اجماعاً متروک ہو چکا ہے اور صلوٰۃ و سلام تو قبر پہ آج تک پڑھا جا رہا ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت پڑھا جاتا رہے گا۔

امام شافعی کا ایک اور استدلال

امام شافعی کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے امام کا ہونا ضروری نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کے بغیر اگر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لی جائے تب بھی وہ ادا ہو جائے گی۔

ملاحظہ فرمائیے۔

ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ تحریر فرماتے ہیں۔

فقد صلی الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افراداً لم یؤمہم احد وذلک لعظم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتنافسہم فی ان لا یتولی الامامۃ فی الصلوٰۃ علیہ واحد وصلوا علیہ مرۃ بعد مرۃ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الموتی والامر المعمول بہ الی الیوم ان صلی علیہ بامام ولو صلی علیہما افراداً اجزاھم الصلوٰۃ ان شاء اللہ۔ (کتاب الام جزء ۱ ص ۲۷۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کرام نے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھی اور کوئی شخص امام نہ ہوا اس کا سبب حضور کی عظمت تھا اور ان کا یہ چاہنا کہ حضور کی نماز پڑھانے کا حق کسی شخص کو بھی نہ ہوا اور وہ گروہ در گروہ حاضر ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ پڑھانے کا طریقہ اور آج تک کا تعامل یہی ہے کہ نماز جنازہ امام کی اقتداء میں ہونی چاہیئے تاہم اگر بغیر امام کے پڑھی گئی تو وہ ان شاء اللہ ادا ہو جائے گی۔

امام شافعی کی یہ تقریر اور استدلال بھی اسی وقت صحیح ہو گا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کو معروف نماز جنازہ پر محمول کیا جائے۔

نماز جنازہ میں امام کا نہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں امام مقرر نہ کرنے کی علمائے کرام نے متعدد وجوہات بیان کی ہیں، امام شافعی نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور خصوصیت قرار دیا اور یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک کے امام بن جانے سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی علامہ بیجوری نے بیان کیا کہ اس وقت تک کسی ایک کی امامت پر اتفاق نہیں ہوا تھا بعض نے کہا آپ کا جنازہ مبارکہ حجرہ شریفہ میں موجود تھا اور وہاں اتنی گنجائش نہ تھی کہ تمام صحابہ جماعت کے ساتھ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیتے۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا کہ آپ کی نماز جنازہ کی ولایت کا استحقاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ثابت تھا لیکن حضرت ابو بکر دوسرے معاملات میں مصروف تھے اس لیے لوگوں نے فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت حیات و وفات دونوں میں مسلمانوں کے یکساں امام تھے پس آپ کی موجودگی میں کسی اور کی امامت کا سوال نہ تھا اور ملا علی قاری نے جمع الوسائل میں یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنے کا خود حکم دیا تھا۔

دعا معروف کی جگہ کلمات طیبہ عام طور پر نماز جنازہ میں درود شریف کے بعد اللھم اغفر لحینا والی دعا پڑھی جاتی ہے لیکن سرکار کی نماز جنازہ میں اس دعا کی جگہ مخصوص دعاء و ثناء کے کلمات طیبات عرض کیے گئے جو مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے یہ کلمات نقل کیے ہیں۔

لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوٰۃ اللہ البر الرحیم والملٰئکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شئی یا رب العٰلمین علیٰ محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیہ السلام۔

(المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۸ ص۲۹۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کلمات منقول ہیں۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللھم انا نشھد ان قد بلغ ما انزل الیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتیٰ اعز اللہ دینہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ وتمت کلمتہ اللھم فاجعلنا ممن یتبع ما انزل الیہ وثبتنا بعدہ واجمع

بینا و بینہ۔ (بزار بحوالہ خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۹۵)

اے نبی آپ پر اللہ کا سلام اور اس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور نے ہم تک وہ سب کلام پہنچا دیا جو آپ پر نازل ہوا۔ اور امت کی خیر خواہی چاہی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کے دین کو غالب کیا اور امت کی بھلائی چاہی اور جہاد فی سبیل اللہ کیا اور اللہ کا دین کامل ہوگیا۔ اے اللہ! ہم کو بھی اسلام کا پیروکار بنا جو آپ پر نازل ہوا اور آپ کے بعد ہم کو ثابت قدم رکھ اور آخرت میں ہم کو حضور کے ساتھ جمع کر دے۔

نماز جنازہ کا ثبوت کتب تاریخ و سیر میں

محمد بن سعد کاتب واقدی تحریر فرماتے ہیں:۔

عن سعید بن المسیب یقول لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع علی سریرہ فکان الناس یدخلون علیہ زمرا زمرا یصلون علیہ ویخرجون ولم یؤمھم احد۔

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا۔ لوگ آکر فوج در فوج نماز پڑھتے اور چلے جاتے اور کوئی شخص آپ کی نماز جنازہ میں امام نہیں تھا۔

(کتاب الطبقات الکبیر ج ۲ جزء ۲ ص ۶۰)

امام ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرج فی اکفانہ ووضع علی سریرہ فکان الناس یصلون علیہ رفقا رفقا لا یؤمھم احد دخل الرجال فصلوا علیہ ثم النساء۔ (الوفا باحوال المصطفٰے ص ۷۹۶)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو آپ کو کفن میں لپیٹ دیا گیا اور آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا۔ پس لوگ آکر گروہ در گروہ نماز پڑھتے اور کوئی شخص امام نہ تھا۔ پہلے مردوں نے نماز پڑھی اور پھر عورتوں نے۔

marfat.com

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادخل الرجال فصلوا علیہ بغیر امام ارسالا حتیٰ فرغوا ثم ادخل النساء فصلین ثم ادخل الصبیان فصلوا علیہ ثم ادخلوا العبید فصلوا علیہ ارسالا لم یؤمھم علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم احد۔

(السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۵۲۷)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو پہلے مردوں نے جاکر آپ کے جنازہ پر بغیر کسی امام کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی اور جب وہ فارغ ہوگئے تو عورتوں نے جاکر نماز پڑھی۔ پھر بچوں نے، پھر غلاموں نے سب نے الگ الگ نماز پڑھی بغیر کسی امام کے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں۔

اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ علیہ افراداً بغیر امام وبغیر دعاء الجنازۃ المعروف۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۳ ص ۳۹۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اختصاص تھا کہ آپ کی نماز جنازہ الگ الگ بغیر امام کے پڑھی گئی اور نہ اس میں نماز جنازہ کی معروف دعا پڑھی گئی۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ حضور کی نماز جنازہ میں پڑھی ہوئی دعا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دعا میں عرض کیا۔

اللھم انا نشھد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بلغ ما انزل الیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمت کلمتہ فاجعلنا الھنا ممن تبع القول الذی انزل معہ واجمع بیننا وبینہ حتیٰ تعرفہ بنا وتعرفنا بہ فانہ کان بالمؤمنین رؤفا رحیما لا نبتغی بالایمان بہ بدلا ولا نشتری بہ ثمنا ابدا فیقول الناس

marfat.com

امین امین۔ وھذا یدل علی انہ المراد بالصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء لا الصلوٰۃ علی الجنازۃ المعروفۃ عندھم والصحیح ان ھذا الدعاء کان فی ضمن الصلوٰۃ المعروفۃ التی باربع تکبیرات فقد جاء ان ابا بکر رضی اللہ عنہ دخل علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر اربع تکبیرات ثم دخل عمر رضی اللہ عنہ فکبر اربعا ثم دخل عثمان رضی اللہ عنہ فکبر اربعا ثم طلحۃ بن عبید اللہ وزبیر بن العوام رضی اللہ عنھما ثم تتابع الناس ارسالا یکبرون علیہ ای وعلی ھذا انما خصوا الدعاء بالذکر لانہ الذی یلیق بہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ثم استشاروا کیف یدعون لہ فاشیر بمثل ذالک۔ (سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۴۷۸)

اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام کلام کو ہم تک پہنچا دیا۔ جو ان پر نازل کیا گیا تھا اور امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا اور اس کا وعدہ پورا ہو گیا۔ پس اے اللہ ہم کو اس کلام کا پیرو کار بنا جو تو نے اپنے رسول پر نازل کیا اور روز حشر ہم کو اور حضور کو جمع کر دے حتیٰ کہ حضور کو ہم سے ملا دے اور ہم کو حضور سے کیونکہ حضور مسلمانوں پر مہربان اور شفیق تھے ہم حضور پر ایمان لانے کا کوئی عوض نہیں چاہتے اور نہ اس کے بدلے میں کبھی کوئی سودا کریں گے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی ان دعاؤں پر لوگ آمین کہتے۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جنازہ پر صرف یہ دعا مانگی گئی اور معروف نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ دعا اس معروف نماز جنازہ کے ضمن میں تھی جو چار تکبیرات کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر جنازہ اقدس پر حاضر ہوئے اور چار تکبیریں پڑھیں۔ پھر عمر داخل ہوئے اور انہوں نے چار تکبیریں پڑھیں۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ

marfat.com

گئے اور انہوں نے چار تکبیریں پڑھیں۔ پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما گئے۔ پھر لگاتار لوگ جانے شروع ہو گئے اور الگ الگ تکبیرات پڑھ کر نماز جنازہ ادا کرتے اور اس دعا کا بالخصوص اس لیئے ذکر کیا ہے کہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے آپس میں مشورہ کر لیا تھا کہ نماز جنازہ میں دعا مانگی جائے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

روی عن محمد انہ صلیّ علی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر امام۔

"ماثبت بالسنۃ ص۱۰۱"

محمد سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کی نماز جنازہ بغیر امام کے پڑھی گئی۔

اس مقام پر شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض روایتوں میں جو صلی علیہ کے الفاظ وارد ہیں ان میں صلوٰۃ سے مراد درود وسلام بھی ہو سکتا ہے جواباً گذارش ہے کہ اس صورت میں امامت کی نفی کا کوئی مفہوم نہیں رہتا اس لیئے کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لیے امامت سرے سے مشروع ہی نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی نفی قابل ذکر ہو۔ عربی عبارات میں صلی علیہ و یصلون کے صیغے ذکر کیئے گئے ہیں۔ جن میں اس وہم کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ صلوٰۃ بمعنی درود وسلام ہو۔ لیکن دوسری کتب میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے صراحتہً "یصلون کی جگہ نماز جنازہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اس وہم کا کلیتہً" خاتمہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

در وقت چاشت دواز دہم ربیع الاول بدرگاہ پروردگار خود باز رفت پس روز سہ شنبہ اورا اہلبیت غسل دادند و تمام روز طائفہ طائفہ مسلماناں نماز جنازہ گذارند و در شب چہار شنبہ دفن کردند۔

(صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین (جذب القلوب ص۱۹۱)

چاشت کے وقت بارہ ربیع الاول کو حضور اپنے رب کے پاس تشریف لے

marfat.com

گئے۔ پھر منگل کے دن اہلبیت نے آپ کو غسل دیا اور تمام مسلمان جماعت در جماعت آکر آپ کی نماز جنازہ پڑھتے رہے اور بدھ کی شب کو آپ کو دفن کیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

و نماز گذارند بر آنحضرت تنہا تنہا و امامت نہ کرد ہیچ جماعت آمدند و نماز گذارند۔

اور آں حضرت پر سب نے تنہا تنہا نماز پڑھی اور کسی نے امامت نہ کرائی تنہا تنہا آئے اور نماز پڑھتے رہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۰۳)

علاوہ ازیں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

نماز گذاردن بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجماعت نہ بود و جماعت مے در آمد ند بروے و نماز گذارضد بے جماعۃ و بیرون می آمدند پس جماعت دیگر در می آمدند و میگذاردند و جثہ شریف ہم در خانہ بود کہ غسل دادہ بودند و آں نخست مرداں در آمدند و چوں مرداں فارغ شد نساء در آمدند و بعد از نساء صبیاں گذاردند ہم چنانچہ ترتیب صفوف است در جماعت و امامت نہ کردند بر جنازہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ یکے از امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ منقول است کہ فرمود در جنازہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ کس امامت نہ کرد۔ زیرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حیات و ممات امام شما است و ایں از خواص آنحضرت است علیہ السلام کہ نماز ہا متعدد کردند۔ و تنہا تنہا گذاردند۔ در روایت آمدہ اول کسیکہ نماز گذارضد بروے اہل بیت وے بود علی و عباس و بنو ہاشم۔ پس ازاں در آمدند مہاجران بعد ازاں انصار پیشتر می در آمدند مردم فوج فوج و نماز می گذاردند۔ (مدارج النبوت طبع جدید مطبع نوریہ رضویہ جلد ۲ صہ ۴۴۰)

نبی علیہ السلام پر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ ایک جماعت آتی اور پڑھ کر چلی جاتی۔ پھر اس کے بعد دوسری جماعت جاتی اور نماز پڑھتی اور جسم مبارک اسی جگہ تھا جہاں غسل دیا گیا تھا پہلے مرد داخل ہوئے اور انہوں نے نماز

marfat.com

پڑھی۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں آئیں اور انہوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد بچوں نے نماز پڑھی جس طرح نماز میں صفوف کی ترتیب ہوتی ہے اسی ترتیب سے جماعتیں آئیں اور آپ پر جو نماز جنازہ پڑھی گئی اس کی امامت کسی نے نہیں کی۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ آپ کی امامت کسی نے اس لیے نہیں کی کہ آپ حیات وممات دونوں حالتوں میں خود امام ہیں اور نبی علیہ السلام کے خواص میں سے یہ ہے کہ آپ پر متعدد بار تنہا تنہا نماز پڑھی گئی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پہلے آپ پر اہل بیت میں سے حضرت علی وعباس اور بنو ہاشم نے نماز پڑھی۔ پھر مہاجرین آئے۔ اس کے بعد انصار پھر اس کے بعد لوگ فوج در فوج آتے گئے اور نماز پڑھتے گئے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں اس مقصد پر وافر روشنی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی اور فقط درود شریف نہیں پڑھا گیا تھا چنانچہ شیخ محقق کا ترتیب صفوف کا ذکر کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر محض درود وسلام پڑھنا تھا تو درود وسلام میں نماز کی صفوف کی ترتیب کے التزام کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ پر جو نماز پڑھی گئی وہ معروف طریقہ کے مطابق نماز جنازہ تھی یعنی اس کے ارکان چار تکبیریں تھیں اس میں ثنا بھی تھی حضور پر درود بھی تھا معروف دعا کی جگہ مخصوص کلمات طیبات عرض کیے گئے تھے۔ جن کا ہم پہلے تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں اور اس نماز میں کوئی مشخص امام نہ تھا۔

اور متاخرین میں سے علامہ نور بخش توکلی متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

شب چہار شنبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف ہوا کہ حضور کو کہاں دفن کیا جائے۔ قبر شریف میں لحد چاہیئے یا شق آخر کار حضرت ابو طلحہ انصاری نے لحد کھودی نماز جنازہ حجرہ کے اندر بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں

marfat.com

نے۔ پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعدازاں حضور کو بالاتفاق حجرہ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کر دیا گیا۔ (سیرت رسول عربی ص ۲۶۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کے باب میں ہم نے کافی طویل بحث کی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آج کل عوام و خواص اور اچھے اچھے علماء اور واعظین حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ صرف صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا تھا۔ چنانچہ واعظین حضرات مقررین میں اور عام مدرسین اپنے درس میں بھی یہی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز جنازہ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے یہ حقوق العباد سے ہے اور متوفی کا مسلمانوں پر حق ہے عام مسلمانوں کے حق میں اس کا پڑھنا فرض کفایہ اور حضور کے حق میں فرض عین تھا۔ اسی طرح تبلیغ کی یہ غلط روش بالواسطہ صحابہ کرام کے بارے میں اس بدگمانی کا سبب بنتی ہے کہ انہوں نے حضور کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور فرض عین کو چھوڑ دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں کیا۔ اگرچہ بعض روایات صرف صلوٰۃ وسلام کی بھی وارد ہیں اور ایک جماعت نے اس کا قول بھی کیا ہے لیکن وہ بے سند روایات اور مردود اقوال ہیں۔ آخر اختلاف کس مسئلہ میں نہیں ہوتا یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مختلف روایات میں سے صحیح روایات کو تلاش کریں اور بلا تحقیق کسی بات کے کہنے سے گریز کریں ہم نے محض اظہار حق اور غلط بیانی کے سدباب کی خاطر حدیث رسول سے لے کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علامہ نور بخش توکلی تک کے کثیر علماء کرام کی تصریحات پیش کر دی ہیں اور دلائل و براہین سے اس مسئلہ کو آفتاب سے روشن تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقالہ کو بصیرت عامہ کا سبب بنائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

marfat.com

رشکِ ارم

حال ہی میں نعمانی نام کے کسی گمنام دشمنِ رسول نے "دعوت اسلام" نام کا ایک پمفلٹ بغیر پرنٹ لائن کے شائع کیا ہے۔ جس میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ نفسی وابی وامی کو مُردہ اور آپ کی قبر انور کو گڑھا قرار دیا ہے اور قبر اقدس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سننے، اور دیکھنے اور فرشتوں کے درود وسلام اور اعمال امت پہنچانے کو شرک قرار دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ !

بارگاہِ نبوت میں ایسی شدید گستاخی ہے جس کی جرأت چودہ سو سال کے عرصہ میں کوئی بد تر سے بد تر گستاخ رسول بھی نہیں کر سکا۔ یہ عاشقان رسول اور غلامانِ مُصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیرت اور حمیت کو کھلا چیلنج ہے۔ اس پمفلٹ کو کاروان توحید و سُنت پاکستان راولپنڈی نے شائع کیا ہے۔ آج کل جب کہ نظامِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے نام پر ارباب حکومت کرسی اقتدار پر براجمان ہیں۔ ایسے وقت میں اس پمفلٹ کی طباعت واشاعت کی ناپاک جسارت اور اس پر ارباب اقتدار کی معنیٰ خیز خاموشی نہ صرف یہ کہ مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتراف سے کھلی غداری ہے بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے نِفاذ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعووں میں کتنا خلوص ہے۔ اگر حکومت اس بارے میں واقعی مخلص ہے اور یہ محض مسلمانان پاکستان کو بے وقوف بنانے کے لیے کھوکھلے نعرے نہیں ہیں اور ایوانِ اقتدار میں اگر کسی بھی شخص کے دل میں ایمان کی ادنیٰ رمق موجود ہے تو اس کو اولین فرصت میں اس پمفلٹ کے مصنف

marfat.com

اور ناشرین کا سراغ لگا کر انہیں کیفر کردار تک پہنچانا چاہیئے۔ اور اس میں غفلت کر کے عوام کے دینی جذبات کو مجروح کیا جائے اور نہ غضب خداوندی کو دعوت دیجائے۔

اللہ اکبر! جن کی شان یہ ہے کہ اگر ان کی معاونت میں انبیاء علیہم السلام بھی (بفرض محال) کوتاہی کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو علی الاعلان فسق کی وعید سنا دے۔ جن کے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی ناگواری ہو تو ایمان جاتا رہے، جن کی آواز پر آواز اونچی ہو جائے تو ساری نیکیاں برباد ہو جائیں۔ ان کو مردہ کہا جائے ان کی آرامگاہ کو گڑھا قرار دیا جائے اور ان کا کلمہ پڑھنے والوں کے خون میں کوئی حرارت پیدا نہ ہو۔ ان کے دل و دماغ میں ہیجان برپا نہ ہو۔ ان کے سینوں میں انتقام کی آگ نہ بھڑکے تو نہ وہ ایمان، ایمان ہے، نہ وہ اسلام، اسلام ہے، نہ وہ کلمہ، کلمہ ہے۔ یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسی شدید گستاخی ہے کہ اگر قیامت کا وقت مقرر نہ ہوتا تو انہیں کلمات سے قیامت آجاتی۔ آسمان شق ہو جاتا اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پاش پاش ہو جاتی۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ آیئے اجمالی طور پر آپ کو بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور قبر انور کا کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں کیا مقام ہے۔

حیات مبارکہ

یہ صحیح ہے کہ ہر شخص پر موت ایک بار ضرور آتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت آئی لیکن صرف ایک آن کے لیے پھر آپ کو حیات ابدی دے دی گئی اور آپ کی روح مبارک آپ کے جسم اقدس میں لوٹا دی گئی۔ کیا یہ دشمنان رسول حیات شہداء کے منکر ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون (بقرہ: ۱۵۴)

اور ان لوگوں کو جو راہ خدا میں قتل کیے جائیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تم کو ان کی اس زندگی کا شعور نہیں ہے۔ غور کیجئے شہید کو زندہ کیوں فرمایا گیا ہے۔ محض اس لیے کہ اس کی موت فی سبیل اللہ ہے تو جن کی صرف موت فی سبیل اللہ ہو وہ تو زندہ کہلائیں اور جن کی موت اور حیات سب کچھ فی سبیل اللہ ہے ان کو مردہ کہا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل اِنَّ صلاتی

ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (الانعام ۱۶۲) آپ فرما دیجئے کہ میری نماز اور قربانی، میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے لیے ہے پس جو شخص از روئے قرآن صرف موت فی سبیل اللہ ہونے کی وجہ سے زندہ کہلایا گیا تو جن کی موت اور حیات اور سب کچھ فی سبیل ہو ان کی زندگی کا از روئے قرآن کیا عالم ہوگا ؟

نیز قرآن کریم نے حضور کے بارے فرمایا ویکون الرسول علیکم شہیدا (بقرہ ۱۴۳) حضور تمام مسلمانوں کے اعمال پر گواہ ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور امت کے احوال واعمال پر سمیع وبصیر نہیں ہیں تو قیامت کے دن ان کے احوال واعمال پر کیسے گواہی دیں گے۔ نیز قرآن کریم میں ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وّ جئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا (النساء ۴۱) اے محبوب اس وقت تمہاری شان کا کیا عالم ہوگا جب ہر امت سے ہم ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان تمام امتوں پر گواہ بنا کر پیش کریں گے بتلایئے جس شخصیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ ابتدائے آفرینش عالم سے لیکر قیامت تک کے انسانوں پر گواہ بنا کر لائے گا وہ ان تمام انسانوں کے احوال کو جاننے اور دیکھنے والا زندہ شخص ہوگا یا گڑھے میں پڑا ہوا مردہ شخص ؟ کیا یہ شاتمان رسول ان آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہے لیکن اس مختصر مضمون میں ان سب کو احاطہ تحریر میں لانے کی گنجائش نہیں ہے آیئے اب احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کریں۔

اس گمنام شاتم رسول نے یہ افتراء باندھا ہے کہ اسلام میں مرنے کے بعد روح دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی۔ اس بد باطن شخص سے کوئی پوچھے کہ اگر روح دوبارہ جسم میں لوٹ کر نہیں آتی تو قبر میں فرشتے کس سے سوال وجواب کرتے ہیں ؟ اور فرشتوں کو بے روح مردہ شخص جواب دے گا یا زندہ اور ذی روح ؟ اور اگر اسلام میں مرنے کے بعد روح دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی تو بعث بعد الموت پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے ؟

موت کے بعد قبر میں اعادہ روح کیلئے امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے شیخ ولی الدین تبریزی نے حضرت براء بن عازب سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ہے :

marfat.com

فتعاد روحه فی جسده ویأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربك۔ (الحدیث) (مشکوٰۃ ص ۱۴۲)

قبر میں میت کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے اور اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسکو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے، الح

بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں اعادہ روح کے لیے یہ حدیث ملاحظ فرمایئے

حضرت امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیه السلام۔ سنن ابوداؤد ص ۲۷۹

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں پڑھتا مگر اس وقت روح میرے جسم میں موجود ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اور حضور کی حیات مبارکہ پر یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فاکثروا الصلاة فیه فان صلاتکم معروضة علیّ قال فقالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلاتنا علیك وقد ارمت قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔

(سنن ابوداؤد ص ۲۱۴)

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا حضور آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش ہوگا جبکہ وصال کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجسام کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

اور مخالفین کے مستند ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ نے سند صحیح سے اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں۔

marfat.com

ليس من عبد يصلى علیّ الا بلغنی صوته حيث كان قلنا وبعد وفاتك قال وبعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء (جلاء الافہام۔ ص ۶۴)

جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ ہم نے پوچھا حضور آپ کی وفات کے بعد بھی فرمایا ہاں۔ وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجسام کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں؟ اس سلسلہ میں احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :۔

عن ابی ذر عن النبی صلی الله عليه وسلم عرضت علی اعمال امتی حسنها وسيئها (صحیح مسلم جلد ص ۲۰۷)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

محدث ابن جوزی متوفی ۵۶۷ھ روایت کرتے ہیں :۔

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم حياتی خير لكم ينزل علیّ الوحی عن السماء فاخبركم بما يحل لكم وما يحرم عليكم وموتی خير لكم تعرض علی اعمالكم كل خميس فما كان من حسن حمدت الله عليه وما كان من ذنب استوهب الله ذنوبكم۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۸۱۰)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی میں بھی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے اور میں تم کو حلال اور حرام کی خبر دیتا ہوں اور میری وفات میں بھی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اچھے اعمال پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کرتا ہوں۔

marfat.com

انبیاء کرام کی حیات بالعموم اور بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا عقیدہ صرف سواد اعظم اہلسنت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ علماء دیوبند غیر مقلدین اور علماء نجد بھی اصولی طور پر اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ (ہدایت الشیعہ صـ ٣٦)

محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں :۔

انبیاء علیہم السلام کو اجسام دنیاوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ یہ نہیں کہ مثل شہید ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے۔

(لطائف قاسمی ص ٣)

خلیل احمد انبیٹھوی متوفی ١٣٤٦ھ لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ (بذل المجہود ج ٢ ص ١١) — حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :۔

بیہقی وغیرہ نے حدیث انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (نشر الطیب ص ٢١١)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔ (التکشف صـ ٤٤٦)

شبیر احمد عثمانی تحریر کرتے ہیں :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ۔ (فتح الملہم ج ٣ ص ٤١٩) — حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

حسین احمد مدنی متوفی ١٣٧٧ھ لکھتے ہیں :۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی

marfat.com

بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔

(مکتوب شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۳)

محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں :۔

تمام اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ المومنین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ (حیات نبوی ص ۲)

اور غیر مقلدین میں سے شوکانی لکھتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کے استاذ الکل میاں نذیر حسین دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں۔

اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۲۰ ضمیمہ)

اور موجودہ غیر مقلدین میں سے عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں :۔

انھم احیاء فی قبورھم یصلون وقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ (التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی ج ۱ ص ۲۳۴)	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی لکھتے ہیں :۔

marfat.com

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعلیٰ مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیٰوۃ مستقراً ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذھو افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام مخلوقات سے مطلقاً افضل ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دوام کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی زندگی سے برتر ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ بلا شبہ آپ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر سلام پڑھتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

(بحوالہ اتحاف النبلاء جلد ۱۵۱)

ان تمام تفصیلی حوالوں سے ظاہر ہو گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا اسلام کے تمام فرقوں کا مسلم عقیدہ ہے اور اس عقیدہ پر دیوبندیوں، غیر مقلدوں اور نجدیوں کا اہلسنت سے کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے۔ پس پاکستان کے تمام دیوبندی اور غیر مقلد حضرات کو اس کتاب کے گمنام مصنف کا سراغ لگانے اور اس کے لکھنے اور چھاپنے والوں کو قرار واقعی سزا دینے کے مطالبہ میں اہلسنت و جماعت کا ساتھ دینا چاہیے خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیوبندی، غیر مقلد حضرات میں سے بعض کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار بھی ہے۔

حضور کی قبر انور کا مقام

دعوت اسلام کے گمنام مصنف نعمانی نے اپنی زیر بحث مذموم عبارت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کے لیے بار بار گڑھے کا لفظ استعمال کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ تبلایا جائے جس جگہ حضور آرام فرمائیں اس کا کیا مقام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہیں اور اس حجرہ مبارکہ کا مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے سماعت فرمائیے۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

marfat.com

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو جگہ میرے حجرہ اور منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

غور فرمایئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قبر انور کو جنت کا باغ قرار دیا اور جو جگہ جنت کا باغ ہو اس کو گڑھا کہنا جنت کی بھی توہین ہے اور حضور کی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک چابک کی مقدار بھی جنت میں جگہ نصیب ہو جائے تو وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے یہ تو نفس جنت کا مقام ہے پھر جنت کے جس مقام کو یہ شرف حاصل ہو کہ وہاں محبوب رب کائنات جلوہ افروز ہوں اس پر اگر جنت بھی رشک کرے تو بجا اور برمحل ہے۔

ملا علی قاری رحمہ الباری متوفی ۱۰۱۴ھ اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

ونقل القاضی عیاض وغیرہ الاجماع علی تفضیل ما ضم الاعضاء الشریفة حتی علی الکعبة المنیفة وان الخلاف فیما عداہ ونقل عن ابی عقیل الحنبلی ان تلک البقعة افضل من العرش۔

علامہ قاضی عیاض وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس جگہ حضور کا جسد اطہر ہے وہ تمام جگہوں حتیٰ کہ کعبہ مکرمہ سے بھی افضل ہے بلکہ ابوعقیل حنبلی نے کہا وہ جگہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔

(مرقاة جلد ۲ ص ۱۹، رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳)

غور فرمایئے: تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حضور کی قبر انور عرش اعظم سے بھی افضل ہے اور جس مقام کی عظمتوں کو عرش ترستا ہو، جس کی بلندیوں پر جنت کو رشک آتا ہو اس کو بار بار گڑھا لکھنا شعائر اللہ کی کس قدر کھلی توہین ہے اور مسلمانوں کے ملی جذبات کا شرمناک مذاق اور ان کی حمیت دینی پر کاری ضرب ہے۔ کاش اس قوم میں سے پھر غازی علم الدین ابھرے اور راجپال کی اس معنوی اولاد کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

marfat.com

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضۂ انور ارشاد رسالت کے مطابق جنت کا ایک حصہ ہے۔ تمام امت مسلمہ کے نزدیک بالاجماع اللہ تعالیٰ کی کائنات میں کعبہ مکرمہ، بیت المعمور، عرش معلیٰ، کرسی قدس، لوح محفوظ، صریف اقلام، الغرض جتنے بھی مقامات مقدسہ ہیں وہ اس قطعہ ارضی اور روضۃ الجنۃ کے مقدر پر رشک کرتے ہیں جسے محبوب رب کائنات کے جسد اطہر وانور اور جسم مطہر و منور سے لمس کا شرف حاصل ہے۔

ہمارے نزدیک جو شخص روضۂ رسول کو گڑھا سمجھتا ہے یا اس کیلئے اس جیسے نامناسب الفاظ استعمال کرنے کی ناپاک جسارت کرتا ہے یا ایسی مکروہ سوچ رکھتا ہے یقیناً جہنم کا گہرا گڑھا اس شخص کا مقدر بن چکا ہے۔ اس کے دل و دماغ پر بدبختی کی مہر لگ چکی ہے اور اس کی آنکھوں پر بغض و عناد کے پردے پڑ چکے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جو دل رکھتے ہوئے حق کی بات کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم رہتے ہیں جو چشم بصارت رکھتے ہوئے آیات الٰہی کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور جن کے کانوں کو سماعت کی قوت کے باوجود حق بات سننے کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ ارشاد قرآن کے مطابق جن کے قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ بعض پتھر بھی ایسے ہیں جن کے سوتوں سے پانی کے چشمے ابل پڑتے ہیں مگر ان لوگوں کے مقدر کے سوتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خشک ہو چکے ہیں۔

marfat.com

۱۰

خُلفاءِ راشدینؓ

marfat.com

صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بحیثیت • محبِّ رسول

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عشق و محبت کے پیکر اور ایثار و وارفتگی کا نمونہ تھے وہ آپ کے غسالہ[1] کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے۔ تیروں کی بارش میں سپر بن کر آگے کھڑے ہو جاتے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جان و مال نچھاور کرنا ان کی عین تمنا اور ایک نگاہِ التفات کو پالینا ان کے لیے زندگی کا حاصل تھا آنسوؤں سے مسکراہٹ تک انھوں نے حیاتِ رسول کی ایک ایک ادا کو کتابِ ذہن میں منقش کر لیا تھا۔ یہ سارے ہی آسمانِ عشق و محبت کے ستارے تھے۔ مگر جو محبت کا سوز اور عشق کا گداز حضرت ابوبکر کے ہاں نظر آتا ہے۔ وہ تاریخِ محبت کے کسی اور صفحہ پر نہیں ملتا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آسمانِ محبت کے نیرِ اعظم وارفتگانِ رسالت کے مقتدا، حسنِ نبوت کی تجلیٔ اول اور مظہرِ انوارِ رسالت تھے۔

محبت کے ایک مرحلہ میں طالب کے نزدیک مطلوب کا وجود ہی حسن تمام ہوتا ہے، جو وصف اس کے محبوب میں ہو وہ حُسن ہے اور جو صفت اس کے محبوب میں نہ ہو وہ قبیح سے عبارت ہوتی ہے۔ وہ محبوب کی صرف مدح سن سکتا ہے بُرائی کے لئے اس کے کان بہرے ہوتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ کسی شئے کی محبّت تمہیں اس کا عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کا عیب سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔ اگر واقع میں محبوب میں نقص ہو تو محب کو نظر نہیں آتا تو جس کا محبوب ہو ہی حسنِ مطلق اور بے عیب تو اسے اپنے محبوب کی

[1] وضو کے وقت جسم سے بہہ کر گرنے والا پانی

marfat.com

شان میں عیب سُننا کب گوارا ہو سکتا ہے۔

ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا "تم سا بد صورت کوئی نہیں"۔ تو ابو بکر تڑپ کر بے ساختہ پکار اُٹھے "حضور آپ جیسا تو حسین کوئی نہیں"۔

جب محبّت شدید ہوتی ہے، تو محب کے ذہن میں ہر وقت محبوب کا فکر زبان پر اس کا ذکر اور دل میں اس کی یاد رہتی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کسی بات کو سوچ نہیں سکتا۔ اس کے بغیر کسی کو دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ مشہور ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ جس کو جس کسی سے محبّت ہوتی ہے وہ اسی کی یاد میں رہتا ہے۔ تبھی تو جب ابو بکر سے سوال ہوا کہ تمہیں دنیا میں کیا پسند ہے؟ تو بے اختیار بولے النظر الیٰ وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بس حضور کے رخ زیبا کو دیکھنا۔ ایک[2] مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو بکر کو انگشتری دی کہ "اس پہ اللہ کا نام لکھوا لاؤ"۔ انگشتری پر بس اللہ کا نام ہو رسول کا نام نہ ہو عقل محض نے یہ مان لیا مگر ابو بکر کا مزاج نہیں مانا، بے پناہ محبت نہیں مانی چنانچہ اللہ کا نام لکھوا کر لائے اور اس کے رسول کا نام بھی لکھوا کر لائے جب انگوٹھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو اس پہ اللہ محمد اور ابو بکر لکھا ہوا تھا۔ پوچھا تمہیں تو صرف اللہ لکھانے کے لیے کہا تھا؟ ابو بکر نے کہا "حضور آپ کا نام تو میں نے لکھایا ہے کیونکہ مجھے پسند نہ آیا کہ میں اللہ کے نام سے آپ کا نام جدا کر دوں"۔ اپنا نام میں نے نہیں لکھوایا۔

جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا "اللہ فرماتا ہے۔ ابو بکر کا نام ہم نے لکھایا ہے ابو بکر کو ہمارے نام سے آپ کے نام کی جدائی پسند نہیں اور ہمیں آپ کے نام سے ابو بکر کے نام کا فراق ناپسند ہے۔

کمالِ محبّت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ محبوب کے احکام کی اتباع کی جائے، اس کی رضاجوئی میں منہمک اور مستغرق رہے۔ جس طرح قرآن میں ارشاد ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو حضور کی اتباع کرو۔

---

[1] منبہات ابن حجر ص ۲۱، [2] تفسیر کبیر ج اص ۸۷

maktabah.org

اور فرمایا اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ اللہ اور اس کا رسول اس کے مستحق ہیں کہ انہیں راضی کرتے۔ یہی تھی[1] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں مال طلب کیا تو شاہراہِ عشق کے سالکین دوڑ پڑے۔ کوئی اپنا چوتھائی مال لے کر آیا۔ کوئی اپنی آدھی متاع لے کر آیا اور ابو بکر صدیق گھر کا گھر اٹھا لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ما البقیت لاھلک اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑا؟ ابو بکر نے جواب دیا البقیت لھم اللہ ورسولہ، بس اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

قاعدہ یہ ہے کہ اپنے نفس اور اہل کا حصہ رکھ کر صدقہ کیا جائے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ اپنا سارا مال صدقہ کر کے خود صدقہ کا مستحق ہو جائے، اس لیے صدقہ میں سارا مال دینا جائز نہیں لیکن محبت کے قانون میں محبوب کے مطالبہ کے بعد مال کو پاس رکھنا صحیح نہیں ہے اس لیے کاروان عشق کے سالار حضرت ابو بکر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر اپنی متاع کل کو لا کر حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے[2] وصال سے پہلے رومیوں سے جنگ کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا اور اُسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا۔ لشکر کی روانگی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ حضور کے وصال کے فوراً بعد عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے اور اندرون ملک کئی فتنے کھڑے ہو گئے، بعض ارباب عقل کی رائے تھی کہ ایسے میں لشکر کو ملک سے باہر بھیجنا مصلحت کے خلاف ہے، کیونکہ ملک کے اندر فتنہ ہے اور باہر سے حملہ کا خدشہ ہے۔ لیکن ابو بکر کا ایک ہی جواب تھا کہ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کا شہید ہو جانا میرے لیے آسان ہے لیکن حضور کے فرمان کو بے عمل چھوڑ دینا میرے لئے مشکل ہے۔

صدیق اکبر کا ہر عمل اتباع رسول اور ہر سانس رضائے رسول میں صرف ہوتا تھا، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ منشائے رسالت کے مطابق اور مزاج رسول

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۵ ، [2] تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۵۰۔

marfat.com

میں ڈھلا ہوا تھا۔ایک مرتبہ[1] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ حاضر ہوئے۔اچانک حضور نے سوال کیا: آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ صرف ابوبکر ہی تھے جنہوں نے کہا "یا رسول اللہ میں روزے سے ہوں"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا "آج تم میں سے جنازے کے ساتھ کون گیا تھا"؟ ابوبکر بولے "اے آقا میں گیا تھا۔ پھر حضور نے استفسار کیا "تم میں سے کسی نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکر نے کہا "میں نے یا رسول اللہ"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا "آج تم میں سے کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟" یہ ابوبکر ہی تھے جو بولے "میں نے یارسول اللہ"۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی شخص میں یہ تمام اوصاف مجتمع نہیں ہوں گے مگر وہ شخص جنتی ہوگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں[2] "میں نے جس شخص پر بھی اسلام پیش کیا اس نے اسلام قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ تردد یا توقف کیا سوائے ابوبکر کے"۔

عشق بے تاب دلائل کا تابع نہیں ہوتا،ابوبکر تو توجہ کے منتظر تھے۔جیسے ہی حضور نے دعوت ایمان دی،ابوبکر صدیق لبیک کہہ کر حرم ایمان میں داخل ہوگئے۔ پھر ایمان کی جو شمع ابوبکر کے سینہ میں روشن ہوئی[3] اس کی فیض آفریں شعاعوں نے دوسروں کے سینہ کو بھی منور کردیا۔چنانچہ عثمان بن عفان،عثمان بن مظعون،طلحہ،زبیر، اور سعد بن ابی وقاص یہ سب ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔آپ نے سات ایسے[4] غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا جن میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ بھی شامل ہیں۔

جب محبت کی عطائیں اور عشق کی نوازشیں ہوتی ہیں تو محبوب کے جلوے فقط محب کے ظاہر پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ اس کے باطن کو بھی نوازتے ہیں۔ابوبکر کی سیرت و کردار،فطرت اور مزاج،غرض ہر جگہ تجلیات رسالت فروزاں تھیں،جس طرح

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶۷ ، [2] سیرت طیبہ ج ۱ ص ۲۴۴ ، [3] استیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۲۴۶ ، [4] الاصابہ ج ۲ ص ۳۴۳۔

marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزاج میں اللہ پر اتنا عظیم توکل تھا کہ مالِ دنیاوی نہ ہونے پر بھی مطمئن رہتے تھے۔ یہی مزاج حضرت ابوبکر صدیق کا بن گیا تھا۔ تبھی توکل کا کُل مال اطمینان سے راہ خدا میں دے دیا تھا اور یہ کوئی اتفاق نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی محبت کا بے پناہ اثر تھا کہ جس طرح ابوبکر کی حیات، حیات رسول کے مطابق تھی۔ اسی طرح ابوبکر کی وفات بھی وفات رسول کے مطابق تھی۔ جس طرح خیبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم میں یہودیہ کا زہر پہنچا اور فی الفور اس کے اثر سے آپ کا وصال نہیں ہوا بلکہ کچھ عرصہ کے بعد اسی کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ اسی طرح غارِ ثور میں ابوبکر کے جسم میں سانپ کا زہر پہنچا جس کا فوراً اثر نہیں ہوا اور چند سالوں کے بعد اسی اثر سے حضرت ابوبکر صدیق کا وصال ہوا۔

جناب ابوبکر صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کبھی غیر حاضر نہیں رہے ہر غزوہ میں آپ کی ڈھال اور ہر سفر میں پا بہ رکاب رہتے تھے۔ ہر خدمت کے موقع پر حاضر رہتے تھے، ہر ضرورت پر کام آتے تھے۔ ایک[1] مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا: مجھے کسی کے مال سے وہ نفع نہیں پہنچا جو صدیقِ اکبر کے مال سے پہنچا ہے۔ ابوبکر نے سُنا تو رونے لگے عرض کیا: حضور میں بھی آپ کا ہوں، میرا مال بھی آپ کا ہے اور ایک[2] بار حضور نے فرمایا، مال اور رفاقت میں میرے لیے سب سے زیادہ موجب امتنان ابوبکر ہیں ۔

آں امن الناس بر مولائے ما

آں کلیمے اول سینائے ما

مکہ[3] میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد جانثار موجود تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفرِ ہجرت کا قصد فرمایا تو رفاقت کے لئے نگاہِ انتخاب صرف حضرت ابوبکر پر پڑی۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو[4]

۱؎ مشکوٰۃ ص ۵۵۶، ۲؎ مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۶، ۳؎ مشکوٰۃ ص ۵۵۴۔
۴؎ مشکوٰۃ ص ۵۵۶

marfat.com

غلاموں نے حضور کی خاطر جان کو خطرہ میں ڈالا ہوا تھا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر رسالت پر کفار کے نرغے میں تھے اور ابو بکر کا پاؤں سانپ کے منہ پر تھا۔ محب کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کا اعتماد حاصل کرے اور یہ اعتماد آپ کے ان دونوں غلاموں کو حاصل تھا۔ علی کو حضور نے کفار کے اموال کا محافظ بنایا اور ابو بکر کو سرکار نے اپنی جان کا امین بنایا۔ ایک دشمنوں کے گھیرے میں مال کی حفاظت پر مامور تھا۔ دوسرا موت کے منہ میں قدم ڈالے محبوب کے جلووں پر پہرہ دے رہا تھا۔

غار ثور میں تین دن اور تین راتیں اس طرح گزریں کہ تجلیات رسالت بلا شرکت و بلا واسطہ ابو بکر صدیق پر منعکس ہو رہی تھیں۔ رسالت کی خوشبوؤں سے ابو بکر کا دل و دماغ مہک رہا تھا اور انوار رسالت ابو بکر میں اس طرح جذب ہو رہے تھے کہ ابو بکر سراپائے رسول کا مظہر بن گئے تھے حتیٰ کہ جب حضور ابو بکر کے ساتھ مدینہ پہنچے تو دیکھنے والے دھوکا کھا گئے[1] اور لوگوں نے سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ تلوں کو اگر ایک رات پھولوں میں بسا دیا جائے تو وہ تل پھولوں کے مظہر ہو جاتے ہیں اور ان کا تیل بھی خوشبو دار ہوتا ہے۔ جب پھولوں کا قرب ایک رات میں تلوں کو اپنا مظہر بنا دیتا ہے تو جسے تین راتیں رسول اللہ کا قرب حاصل رہا ہو وہ کیونکر مظہر رسول نہ ہو گیا ہو گا۔ تبھی جب ابو بکر مدینہ پہنچے تو اس شان سے پہنچے کہ چہرہ ابو بکر کا تھا جمال رسول اللہ کا۔ قامت ابو بکر کی تھی چال رسول کی تھی گفتار رسول اللہ کی تھی انوار رسول اللہ کے۔ ایسا لگتا تھا جیسے حضور اپنے ساتھ آئینہ لے آئے ہوں جبھی تو لوگوں کو اشتباہ ہو گیا کہ ان[1] دونوں میں سے کون رسول اللہ ہیں۔ پس لوگ ابو بکر کو رسول اللہ سمجھ کر ان سے ملنے لگے اور تب[2] ابو بکر

---

[1] لعبد الرحمن فی عویم فی روایۃ ابن اسحاق اناخ الی نظل ہو وابو بکر والله ما ادری ایہما ہو، [2] بخاری ج ۱ ص ۵۵۵

marfat.com

نے چادر ڈال کر حضور پر سایہ کیا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے، اصل یہ ہیں عکس میں ہوں، آقا یہ ہیں، غلام میں ہوں ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے　　رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری　　کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم　　ولیکن مدتے با گل نشستم!
جمال ہمنشیں در من اثر کرد　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اور محبت کا آخری مرحلہ یہی ہے کہ محبوب محب کی ذات میں اس طرح سما جائے کہ محب میں اپنا کچھ نہ رہے۔ رنگ و روپ، جمال و کمال سب محبوب کا اور محب و محبوب میں فرق نہیں مابین پیا کی جیتی جاگتی تفسیر بن جائیں۔ سفر ہجرت کے اس آخری موڑ پر محب رسول حضرت ابوبکر اس معراج پہ نظر آتے ہیں جہاں دوئی مٹ جاتی ہے اور وحدتِ محض رہ جاتی ہے۔ غالباً ایسے ہی مقام کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

marfat.com

مقامِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمت کے بہترین افراد وہ ہوتے ہیں جو نبی کے صحابہ کہلاتے ہیں۔ جن کی نظروں کے سامنے نبی پر وحی اترتی ہے جو روز و شب معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ نبی کی نگاہوں سے جن کی تربیت ہوتی ہے جن کی آنکھوں میں نبوت کا سراپا، دلوں میں نبی کی سوچ اور سیرت میں نبی کا کردار ہوتا ہے۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گروہ انبیاء میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اسی طرح حضور کے صحابہ کی بھی کسی نبی کے اصحاب میں مثال نہیں ملتی۔ غور کیجئے۔ ایک حضرت عیسٰی علیہ السلام کے صحابہ تھے جنہوں نے چند روپوں کے عوض اپنے نبی کی زندگی کا سودا کر لیا تھا۔ ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو میدانِ جنگ میں حضور کی طرف آنے والے تیروں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی سے زیادہ تیروں سے گھائل ہوتے ہیں۔ مگر حضور کی طرف کسی تیر کو آنے نہیں دیتے یہ حضرت طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے اور بعض وہ ہیں کہ جب کفار برہنہ تلواریں لیے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرتے ہیں تو وہ جان پر کھیل کر بستر رسول پر لیٹ جاتے ہیں یہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے اور کچھ وہ ہیں جو اپنے جسم پر سانپ کے پیہم وار برداشت کرتے ہیں لیکن حضور اکرم کو نیند سے جگانا گوارا نہیں کرتے یہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے۔

یوں تو سارے صحابہ ہی حضور کے پرستار تھے لیکن جانثاری کی جو مثال حضرت ابوبکر نے قائم کی ہے وہ تاریخ محبت میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس۔ یہ ان کی کتاب زندگی کا عنوان تھا اور ان کی پوری شخصیت اسی

marfat.com

عنوان کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

حضرت ابوبکر کی عظمت ان کی سیرت میں ہے اور ان کی شخصیت کا شکوہ رسول اللہ کی رفاقت میں دکھائی دیتا ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ اُمت میں حضرت ابوبکر کی حیثیت کیا ہے۔ صحابہ نے انہیں کیا سمجھا۔ رسول اللہ نے انہیں کیسا پایا اور رب ذوالجلال انہیں کیا کہتا ہے اور جب ان حقائق سے حجاب اٹھیں گے تو ہم سمجھیں گے مقام ابوبکر کیا ہے۔

ابوبکر آئینہ رسالت میں جب محبت درجہ کمال پر ہو تو طبیعت طبیعت میں اور مزاج مزاج میں ڈھل جاتا ہے۔ ابوبکر کی شخصیت میں اپنا کچھ نہیں رہا تھا۔ رنگ روپ جمال کمال سب رسول اللہ کا تھا، ابوبکر کی شخصیت ایک آئینہ تھی جس میں رسول اللہ کی سیرت کا عکس نظر آتا تھا ابوبکر اور رسول اللہ کی شخصیتوں میں کس قدر قوی ارتباط تھا۔ یہ کچھ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو انہیں دیکھنے والے تھے۔ یہ ہیں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور کی سیرت بیان کرتی ہیں، روایت عائشہ کی ہے بیان خدیجہ کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو بار نبوت سے آپ کے دل میں طبعی اضطراب لاحق ہوا۔ آپ نے حضرت خدیجہ سے اپنی پریشانی اور اضطراب کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: واللہ ما یخزیک اللہ[1] ابداً انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ قسم بخدا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی مدد کرتے ہیں مہمان نواز ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اور ایک موقع پر جب حضرت ابوبکر کفار کی سختیوں سے تنگ آ کر مکہ چھوڑنے لگے تو ابن دغنہ نے آپ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگا: ان مثلک[2] لا یخرج ولا

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳ ایضاً، [2] ج ۱ ص ۳۰۷ ایضاً

marfat.com

یخرج فانک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ آپ جیسے شخص کو یہاں سے نہ جانا چاہیئے نہ ہم اسے جانے دیں گے کیونکہ آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔

غور کیجیے حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جن پانچ صفات کا ذکر کیا تھا۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر کی بھی وہی پانچ صفات بیان کی ہیں۔ احادیث کے ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ابوبکر کی شخصیت میں حضور کی سیرت دکھائی دیتی تھی۔ تبھی تو وہ دونوں کی صفات کا بیان متن واحد کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

صُلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی سخت اور صبر آزما شرطیں مان لیں تو حضرت عمرؓ بہت مضطرب ہوئے اور آکر حضورؐ سے عرض کرنے لگے، کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا حضور کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا، پھر ہم دب کر شرائط کیوں مانیں۔ فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میری مدد فرمائے گا۔ عرض کیا، کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے اس سال طواف کرنے کے لئے کہا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ پھر فرمایا میری خبر سچی ہے اور میں کسی نہ کسی سال بیت اللہ جاکر اس کا طواف کروں گا۔[1]

حضرت عمر کے ذہن سے ہنوز اضطراب دُور نہ ہوا تھا وہ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس گئے[2] اور جاکر کہا اے ابوبکر، کیا یہ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں۔ کہا، کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ کہا کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے کہا پھر ہم دب کر شرائط کیوں مانیں۔ حضرت ابوبکر

لہ بخاری ج ۱ ص ۳۸۰، ۲ہ بخاری ج ۱ ص ۳۸۰

marfat.com

نے کہا وہ اللہ کے رسول ہیں، اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ ان کی مدد فرمائیگا تم اپنے عقیدہ پر قائم رہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا انہوں نے نہیں کہا تھا ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں، لیکن کیا انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے ؟ کہا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا پھر یقین رکھو ان کی خبر سچی ہے اور وہ کسی نہ کسی سال ضرور بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے۔

غور فرمائیے حضرت عمرؓ کے ہر سوال کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے وہی بات کہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی گویا کہ ابوبکرؓ کا ذہن حضور کی فکر کا ترجمان اور ابوبکرؓ کی زبان حضور کے بیان کی مظہر ہو گئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ کی نظری اور عملی دونوں حیثیتیں حضور کے افکار و اعمال کا آئینہ بن گئی تھیں۔ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو جاتا تو فرماتے :

خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر اور مجھے خدمت خلق کی توفیق عطا فرما، اور میرے گناہوں کو بخش دے۔

صدیق اکبر رسول اللہ کی معیت میں

ابوبکر صدیقؓ ہر جگہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا امن، ابوبکرؓ ہمیشہ مجلس رسول میں حاضر رہے اور جو شخص سفر حیات میں کسی کے ہمرکاب ہوتا ہے۔ اس کی روح بھی عالم ارواح میں اسی کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الارواح جنود مجندة

اور جب تمام زندگی ابوبکر صدیقؓ حضور کے ساتھ رہے تو ماننا پڑے گا کہ عالم ارواح میں ابوبکرؓ کی روح بھی حضور کی روح کے ساتھ تھی۔ نیز حضور نے بیان فرمایا کہ میں اور ابوبکرؓ ایک ساتھ قبر سے اٹھیں گے اور ایک ساتھ جنت میں جائینگے حاصل یہ ہے کہ عالم ارواح ہو یا دنیا، قبر ہو یا حشر، حوض کوثر ہو یا جنت ابوبکرؓ ہر

marfat.com

جگہ حضور کے ساتھ ہیں۔

صدیق اکبر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی عدیم المثال رفاقت ہے کہ خدا بھی اس کا پاس رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ابو بکر کا ذکر حضور کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً فرمایا: والذی جاء بالصدق وصدق بہ۔ جاء بالصدق سے حضور اور صدق بہ سے ابو بکر مراد ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ فرما کر حضور کا ذکر اور والذین معہٗ فرما کر ابو بکر کا ذکر کیا نیز اذ یقول میں حضور کا ذکر ہے اور لصاحبہٖ میں ابو بکر کا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مصلحت کی خاطر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند دن کے لیے وحی موقوف کر دی تو کفار کہنے لگے کہ ودّع محمداً ربہ وقلاہ محمد کو اس کے رب نے چھوڑا اور ناراض ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طعنہ کو دور کرنے کے لیے سورۂ والضحٰے نازل کی اور فرمایا: والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعك ربُّكَ وما قلیٰ۔ قسم ہے چاشت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے۔ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا، نہ آپ پر ناراض ہوا۔

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی نعت بیان فرمائی اور اس سے متصل سورت واللیل میں حضرت ابو بکر کی منقبت بیان فرمائی ہے جب حضرت ابو بکر نے غیر معمولی قیمت سے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا اور کفار نے حضرت ابو بکر کی اس عظیم نیکی میں تنقیص کا پہلو نکالتے ہوئے کہا۔ ضرور بلال نے پہلے ابو بکر پر کوئی احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ اتارنے کے لئے ابو بکر نے ان کو اتنی بڑی قیمت پر خرید کر آزاد کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طعن کو دور کرنے کے لیے فرمایا ما لاحد عندہٗ من نعمۃ تجزیٰ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ۔ ولسوف یرضیٰ۔ اللیل: ۱۹-۲۱ تم بلال کی بات کرتے ہو۔ اس روئے زمین میں ابو بکر پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے۔ ابو بکر کی یہ نیکی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تھی اور عنقریب وہ اس سے راضی ہو جائیگا

ان دونوں سورتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کے

marfat.com

بارے میں کوئی اعتراض سن سکتا ہے نہ ابوبکر کے بارے میں سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضور سے اعتراض اٹھایا اور سورۂ واللیل میں ابوبکر سے کفار کا طعن دور کیا، وہاں حضور کی عزت افزائی کرتے ہوئے فرمایا ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ یہاں ابوبکر کی شان بڑھاتے ہوئے فرمایا ولسوف یرضیٰ۔

سورۂ واللیل ابوبکر کی منقبت پر ختم ہوئی ہے اور اس کے متصل بعد حضور کی نعت سے سورۂ والضحیٰ شروع ہوتی ہے اس میں یہ اشارہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح ان کی فضیلتوں کے بیان میں کوئی فاصل نہیں ہے اس طرح ان کی ذوات کے درمیان بھی کوئی حائل نہیں ہے۔

ابوبکر رسول اللہ کی اُمّت میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

السابقون السابقون اولئک المقربون (الواقعہ: ۱۰-۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ متقرب شخص وہ ہے جو نیکی میں پہل کرنے والا ہو اور اُمّت محمدیہ میں جتنے لوگ خیرات و حسنات کو حاصل کرنے والے ہیں ابوبکر ان سب میں پہلے ہیں، ایمان سب سے پہلے لائے، تبلیغ سب سے پہلے کی، دین کی نصرت میں سب پر سبقت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور بعد از وصال مسلمانوں کی امامت اور قیادت کرنے والوں میں سب سے مقدم ہیں۔ روضۂ رسول میں حضور کا قرب حاصل کرنے میں سابق، حشر میں سب سے پہلے، دخول جنّت میں سب پر مقدم۔ الغرض دنیا ہو یا برزخ، میدان محشر ہو یا جنت ابوبکر ہر جگہ اُمّت میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

عمل کی قدر و قیمت میں تعداد اور مقدار کا نہیں نسبت اور کیفیت کا لحاظ ہوتا ہے جس طرح تمام انبیاء کی عبادتیں حضور کی عبادت کو نہیں پاسکتیں۔ اسی طرح تمام اُمّت کی نیکیاں ابوبکر کی کسی ایک نیکی کو نہیں پہنچ سکتیں۔ جب حضرت عائشہ [1] نے آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر حضور سے پوچھا، کسی کی اس قدر بھی نیکیاں ہیں۔ فرمایا

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۰

marfat.com

عمر کی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اور ابو بکر کی نیکیاں۔ فرمایا ابو بکر کی تو ایک نیکی ہی عمر کی ان ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور ایک موقع پر فرمایا لو اتزن[1] ایمان ابی بکر مع ایمان اُمتی لرجح اگر میری تمام اُمت کے ایمان کو ابو بکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابو بکر صدیق کا ایمان بھاری ہوگا۔ غرضیکہ ایمان کا باب ہو یا اعمال کا خیرات و حسنات کا مقابلہ ہو یا تصدیق و تسلیم کا جو شخص ہر میدان میں امت میں سب سے آگے ہے وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق نگاہِ صحابہ میں

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محضر صحابہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تو اس کے بندے نے آخرت کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابو بکر یہ سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں میں نے سوچا آخر انہیں اس بات میں رونے کی کیا ضرورت ہے بعد میں پتہ چلا کہ اس بندے سے حضور کی مراد خود اپنی ذات تھی وکان[2] ابو بکر اعلمنا اور درحقیقت ابو بکر ہی ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے چلے گئے۔ عصر کی نماز کا وقت آگیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تو حضرت بلال حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضور تو تشریف[3] نہیں لائے ہیں آپ نماز پڑھا دیجیے۔ حضرت بلال کی اس درخواست سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ تو ایک سے ایک بڑھ کر موجود تھے لیکن ان کی نظریں جب قیادت اور امامت کے لئے کسی کی طرف اٹھتی تھیں تو صرف صدیق اکبر کی طرف اٹھتی تھیں۔

جب سقیفہ بنو ساعدہ میں لوگ جمع ہوئے اور بیعت کا سوال اُٹھا تو حضرت عمر، حضرت ابو بکر سے کہنے لگے آپ سے زیادہ بیعت کا اہل کون ہو سکتا ہے اُبسط

---

[1] بیہقی و کامل بن عدی و مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم صہ ۸۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۶۷، [3] بخاری ج ۱ ص ۱۶۔

marfat.com

بیدك لابایعك ۔ اپنا ہاتھ آگے لائیے تاکہ میں بیعت کر دوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خبر ہوئی تو فرمانے لگے ہم اپنے دنیاوی امور میں اس شخص کی امامت پر کیوں نہ راضی ہوں جس کی ہمارے دینی امور میں امامت پر رسول اللہ راضی تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں ہم ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے نیز کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہا کرتے تھے اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یعنی حضرت علی سے پوچھا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اُمت میں سب سے افضل کون ہے۔ فرمایا، ابوبکر :

حضرت ابوبکر صدیق نگاہِ رسالت میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر اس قدر عزیز تھے کہ اگر کسی موقع پر ابوبکر نماز پڑھا رہے ہوتے اور حضور بعد میں آکر نماز میں ملتے تو آپ کی یہی خواہش ہوتی کہ آپ ابوبکر کی اقتداء میں ہی نماز پڑھتے رہیں۔ حضرت ابوبکر اگر پیچھے ہٹتے بھی تو حضور منع فرماتے، یہ اور بات ہے کہ ابوبکر کی خادمانہ فطرت کو یہ گوارا نہ ہوتا کہ آقا کے ہوتے ہوئے غلام امامت کراتا رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام علالت میں فرمایا مروا ابا بکران یصلی بالناس ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ جماعت کرائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بار بار عرض کرتیں حضور کسی اور کو فرما دیجئے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ اس بحث و تکرار سے یہ امر بہر حال واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یونہی سہواً یا اتفاقاً ابوبکر کا نام نہیں لیا تھا بلکہ پورے استقلال اور اعتماد کے ساتھ ابوبکر صدیق کا انتخاب کیا تھا۔ لہٰذا اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یونہی ابوبکر کا نام زبان پر آگیا تھا اگر کسی اور کی طرف توجہ دلائی جاتی تو اسے کہہ دیتے اور اس انتخاب سے یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ جو شخص صحابہ میں سب سے زیادہ امامت کا اہل ہے وہ ابوبکر ہیں۔ بلکہ آپ نے اس کی تصریح بھی کر دی ہے چنانچہ فرمایا لا ینبغی لقوم[1]

---

[1] صحیح ترمذی ص ۵۲۶ ۔

ینبغی لقوم فیہم ابوبکر ان یؤمہم غیرہٗ جس جماعت میں ابوبکر ہوں اس میں ابوبکر کے سوا اور کوئی شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔ ایک اور مرتبہ حضرت عائشہ سے فرمایا یابی اللہ والمومنون الا ان یکون ابابکر اگر ابوبکر کے سوا کسی اور کو امام بنایا گیا تو وہ نہ اللہ کو منظور ہوگا نہ مسلمانوں کو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شے کے ثبوت کے تین طریقے ہیں۔ قول سے یعنی آپ کسی چیز کا حکم فرمائیں۔ فعل سے یعنی آپ کوئی کام کریں اور تقریر سے یعنی آپ کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو مقرر رکھیں اور منع نہ فرمائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر کی امامت کا اس قدر خیال تھا کہ آپ نے ان تینوں طریقوں سے حضرت صدیق اکبر کی امامت کو ثابت فرمایا ہے قول کے ذریعہ فرمایا مروا ابابکر ان یصلی بالناس فعل کے ذریعہ اس طرح کہ تین مرتبہ ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھی ایک مرتبہ عصر کی جب آپ بنو عمرو بن عوف کی صلح کرانے گئے۔ ایک مرتبہ ظہر کی ایام علالت میں ان دونوں مرتبہ ابوبکر حضور کی آہٹ پاکر پیچھے آگئے اور پیر کے دن صبح کی نماز کی دوسری رکعت آپ نے ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی، پھر آپ کا وصال ہوگیا اور تقریر سے اس طرح کہ حضور کے ایام علالت میں حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں اور آپ نے ان کو مقرر رکھا اور اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قول، فعل اور تقریر غرض ہر طریقہ سے حضرت ابوبکر کی امامت کو مؤکد اور مقرر کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میرے اور عمر کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی ہے۔ میں نے فوراً ان سے معافی مانگی، مگر انہوں نے معاف نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر تین بار فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے۔ ادھر بعد میں حضرت عمر کو ندامت ہوئی۔ وہ حضرت ابوبکر کو ڈھونڈنے ان کے گھر گئے۔ وہاں نہ ملے تو بارگاہ نبوت میں پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

لہ عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۹۱ ، لہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۷

marfat.com

جب حضرت عمر کو دیکھا تو غصہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکر نے جب یہ رنگ دیکھا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور دو زانو ہو کر حضور سے عرض کرنے لگے۔ حضور غلطی میری تھی، زیادتی میں نے کی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر تم لوگ وہ تھے جنہوں نے مجھے جھٹلایا اور جس نے میری تصدیق کی وہ ابو بکر تھے۔ جنہوں نے اپنی جان سے میری غمگساری کی اور اپنے مال سے میری مدد کی۔ پھر دو بار فرمایا کیا اب تم میرے صاحب کو چھوڑنے لگے ہو" غور فرمایئے ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتنے عزیز تھے کہ اگر حضرت عمر جیسا شخص بھی ابو بکر سے ناراض ہوتا تو حضور ان سے ناراض ہو جاتے۔

سلمہ بن اکوع کہتے ہیں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابو بکر خیر الناس الا ان یکون نبی[۱] ابو بکر تمام لوگوں میں افضل ہیں الا یہ کہ نبی نہیں ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر منی وانا منہ[۲] ابو بکر مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ یعنی ابو بکر کے کمالات کا حصول میری ذات سے ہے اور میرے کمالات کا ظہور ابو بکر کی ذات سے ہے۔

سلمان بن یسار کہتے[۳] ہیں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین سو ساٹھ اوصاف ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے ایک وصف بھی حاصل کرلے تو وہ جنت میں چلا جائے گا حضرت ابو بکر نے دریافت کیا حضور ان اوصاف میں سے کوئی وصف مجھ میں بھی ہے۔ فرمایا تم میں وہ سارے اوصاف موجود ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ ایک[۴] مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہ انبیاء سابقین کے صحابہ میں کوئی ابو بکر سے بڑھ کر تھا۔ نہ میرے صحابہ میں کوئی ابو بکر سے افضل ہے۔ نیز حضور[۵] نے فرمایا ابو بکر سے محبت رکھنا

---

[۱] الصواعق المحرقہ ص ۶۹، [۲] ایضاً ص ۶۹، [۳] ایضاً ص ۷۴،

[۴] الصواعق المحرقہ ص ۷۰، [۵] ایضاً ص ۷۴۔

marfat.com

اور اس کی تعظیم کرنا میری تمام اُمت پر واجب ہے۔

ابوبکر نظر الوہیت میں

جب حضرت ابوبکر نے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی اللیل ۱۸،۱۷ عنقریب وہ شخص جہنم سے آزاد ہو گا جو اتقی ہے اور خدا کی راہ میں مال خرچ کر کے اس کو پاکیزہ کرتا ہے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر کو جہنم سے آزاد ہونے کی بشارت دی اور انہیں اتقی فرمایا اتقی کے معنی ہیں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا۔

انسان کا سب سے بڑا کمال ہے تقویٰ اور خدا خوفی اور یوں تو تمام بزرگان دین کو تقویٰ حاصل ہوتا ہے لیکن اصل اعزاز اس شخص کا ہے جسے خدا خود متقی کہہ دے بلکہ متقی بھی نہیں اتقی یعنی سب سے زیادہ متقی۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہوا ور جب اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُمت میں سب سے زیادہ متقی ابوبکر ہیں تو اس کی نگاہ میں مکرم بھی سب سے زیادہ ابوبکر صدیق قرار پائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے غارِ ثور کا گوشہ گوشہ صاف کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر غار کے اندر پہنچے۔ حضور، ابوبکر کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اندیشے بھی بیشمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو فکر تھی کہ کہیں کفار پیچھا کرتے کرتے غار تک نہ آپہنچیں اور مبادا حضور کو کوئی تکلیف پہنچے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ابھی یہ بات حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہونٹوں پر ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ التوبۃ: ۴۰ سے دوسرے جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب انہوں نے اپنے صحابی سے کہا غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

marfat.com

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر کو ثانی اثنین فرمایا۔ اس کا مطلب ہے جس جگہ حضور اول ہیں ابوبکر وہاں ثانی ہیں۔ چنانچہ ایمان میں، تبلیغ میں نصرت فی الدین میں، ہجرت میں، امامت میں، امارت میں، روضہ میں، حشر میں، جنت میں جہاں جہاں حضور اول ہیں۔ ابوبکر وہاں ثانی ہیں۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر پر صاحب کا اطلاق کیا اور یوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد صحابہ ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر کے سوا کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا کہ اسے اللہ نے حضور کا صاحب فرمایا ہو اور نہ ہی گروہ صحابہ میں کوئی اس شان کا صحابی ہے جو عالم ارواح سے لے کر جنت تک ہر مرحلہ میں حضور کا صاحب ہو۔

یہ بھی فرمایا ان اللہ معنا، اللہ ہمارے ساتھ ہے اس فرمان میں حضرت ابوبکر کے لئے بشارت ہے کہ ان کی پوری زندگی اللہ کی امان اور اس کی حفاظت میں ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ اور متقین کے لیے اپنی معیت کی بالعموم بشارت دی ہے لیکن جس ذات کے لیے بالخصوص معیت کا مژدہ سنایا ہے، وہ صرف حضرت ابوبکر کی ذات ہے۔

سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے جان پر کھیل کر حضور کا ساتھ دیا۔ سانپ کے منہ پر ایڑی رکھ دی، لیکن حضور کے آرام میں خلل نہیں آنے دیا۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر کی اس خدمت اور نصرت کو یوں سراہتا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ۔ التوبۃ: ۴۰

اے لوگو! اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے تو (سن لو) اللہ نے خود اپنے رسول کی مدد کر دی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی مدد کو اپنی مدد فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ حضور کی خرید کو اپنی خرید اور آپ کی فروخت کو اپنی فروخت فرما کر حضور کے حال کو اپنا حال قرار دیتا ہے۔ اسی طرح یہاں حضرت ابوبکر کی مدد کو

marfat.com

اپنی مدد و فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو اپنا حال قرار دے رہا ہے۔" اے لوگو! تم رسول کی مدد نہیں کرتے نہ سہی اللہ نے خود اپنے رسول کی مدد کر دی ہے[1] حضرت حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام روئے زمین کے لوگوں سے شکوہ کیا ہے کہ وہ اس کے رسول کی مدد نہیں کرتے اور جو ذات اس شکایت سے مستثنے ہے وہ صرف ابوبکر صدیق کی ذات ہے۔

مقام ابوبکر

حضرت ابوبکر صحابی تھے اور ایسے صحابی کہ اللہ تعالیٰ نے بصاحبہ فرما کر ان کی صحابیت کا مان رکھا۔ حضور نے انت صاحبی فی الغار و صاحبی فی الحوض فرما کر ان کی صحابیت کو فروغ بخشا۔ صحابہ کرام میں بعض خود تو صحابی ہیں لیکن باپ صحابی نہیں۔ بعض کے باپ صحابی ہیں، مگر بیٹے صحابی نہیں، بعض کے باپ اور بیٹے صحابی ہیں، تو پوتا صحابی نہیں، مگر ابوبکر وہ تنہا صحابی ہیں جن کے والد بھی صحابی ہیں بیٹے بھی صحابی اور پوتے بھی صحابی۔

حضرت ابوبکر صدیق شجاع اور بہادر تھے اور ایسے شجاع کہ سفر ہجرت میں اپنی حفاظت کے لیے حضور نے انہیں منتخب فرمایا۔ نصرت اسلام کی خاطر سب سے پہلے داد شجاعت دی۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف تلوار اٹھائی۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا استیصال کیا۔ مرتدین اور باغیوں کا سر کچلا۔ ان کی ولولہ انگیز قیادت میں اسلامی فتوحات کا دھارا تیزی سے بہتا رہا۔ بعض مواقع پر مصلحت کی خاطر بڑے بڑے جری اور باجگر لوگ بھی نرم پڑ گئے۔ لیکن بڑی سے بڑی مصلحت بھی عزم و استقلال کے اس کوہ گراں کو اپنے موقف سے ہٹا نہ سکی۔

حضرت ابوبکر فیاض ہیں اور ایسے فیاض کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مال پیش کرنے کا موقع آیا تو فیاضی کی مثال قائم کر دی۔ ابوبکر رسول اللہ کے خادم ہیں اور ایسے خادم کہ جب مال سے خدمت کی تو رسول اللہ نے فرمایا ما نفعنی[2] مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر مجھے کسی کے مال سے وہ فائدہ نہیں پہنچا جو

---

[1] روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۰، [2] صحیح ترمذی ص ۵۲۶

marfat.com

ابو بکر کے مال سے پہنچا ہے اور جب جان سے خدمت کی تو رسول اللہ نے فرمایا کسی شخص[1] نے ہم پر احسان نہیں کیا مگر ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا ہے. ماسوا ابو بکر کے ان کے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ اتارے گا۔

حضرت ابو بکر عالم اور فقیہہ ہیں اور ایسے عالم کہ حضور فرمائیں[2] میرے بعد سوال پوچھنا ہو تو ابو بکر سے پوچھو۔ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور ایسے محبوب کہ جب آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کو مردوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے تو فرمائیں ابو بکر[3]۔ حضرت عائشہ فرمائیں کہ حضور ہر روز ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ دُنیا حضور کی طرف جاتی ہے حضور ابو بکر کی طرف جاتے تھے۔ ایک زمانہ آپ کا طالب اور آپ صدیق اکبر کے طالب تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سب سے زیادہ اپنی رفاقت اور مال سے مجھ پر احسان کیا، وہ ابو بکر ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں دنیا میں کسی کو خدا کے سوا اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ ایک مرتبہ ابو درداء حضرت ابو بکر سے آگے چل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا[4]۔ اے ابو درداء تم اس شخص سے آگے چل رہے ہو جو دنیا اور عقبیٰ میں تم سے افضل ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے انبیاء اور رسل کے بعد ابو بکر سے بڑھ کر کسی شخص پر سورج طلوع ہوتا ہے نہ غروب ہوتا ہے۔

سفر معراج میں جب سدرہ پر جبریل نے حضور کا ساتھ چھوڑ دیا، تو آگے جا کر تنہائی[5] سے حضور کا دل گھبرانے لگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کی آواز میں ایک کلام پیدا کیا قف یا محمد فان ربک یصلی۔ یہ آواز سنتے ہی حضور کا مضطرب دل تسکین پا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں اگر کسی سے حضور کا دل بہلتا ہے تو ابو بکر سے بہلتا ہے۔ اسی لیے غارِ ثور کی تنہائی میں ابو بکر کو ساتھ لیا تھا اور جب جنازہ

۱؎ صحیح بخاری ص ۵۲۸، ۲؎ ایضاً، ۳؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۷،
۴؎ انسان العیون ج ۲ ص ۲۰۳، مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸،
۵؎ انسان العیون ج ۲ ص ۲۱۴

marfat.com

ابوبکر کو روضہ رسول پر پیش کیا گیا۔ تو اسی لیے آواز آئی تھی ادخلوا الحبیب[۲] الی الحبیب
حبیب کو حرم حبیب میں داخل کر دو۔

حضرت ابوبکر نے ایک موقع پر کہا یالیتنی کنت سھو محمد[۳] کاش کہ میں حضور
کا سہو ہی ہو جاتا یعنی ابوبکر کو حضور سے اتنی محبت تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں مقبول
سے مقبول شخص کا بڑے سے بڑا عمل بھی حضور کے سہو کے برابر نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب[۴] یہ آیت نازل ہوئی ولوانا کتبنا
علیھم ان اقتلوا انفسکم۔ النساء:٦٦ (اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ وہ اپنے آپ کو قتل
کر دیں) تو حضرت ابوبکر کہنے لگے یارسول اللہ! اگر آپ مجھے حکم دیتے کہ میں اپنے
آپ کو قتل کر دوں تو میں خود کو قتل کر دیتا۔ حضور نے فرمایا صدقت تم نے سچ کہا۔

جبرئیل امین رسول ملائکہ ہیں۔ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ فرشتوں میں
سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں مگر فرشتوں میں محبت کہاں محبوب کے اشارے پر
جان دینے کا جذبہ کب۔ جبھی تو جبریل سدرہ سے آگے حضور کے بلانے پر نہ آئے اور
کہہ دیا لودنوت انملۃ لاحترقت اگر میں ایک پور بھی آگے گیا تو جل جاؤں گا۔
جبریل میں تقدس تھا، ملکوتیت تھی، رسالت کی عظمت تھی سب کچھ تھا مگر جذب صدیقی
نہ تھا اگر وہاں ان کی جگہ ابوبکر ہوتے تو ہزار بار جل جاتے، مگر حضور کی بات نہ ٹالتے۔

اہل حق کہتے ہیں کہ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، وہ جگہ عرش
سے بھی افضل ہے کیونکہ افضلیت کا مدار حضور ہیں۔ آپ عرش پہ چلے جائیں تو عرش
افضل اور فرش پر ہوں تو فرش افضل ہے اور جب یہ حق ہے تو کہنا پڑے گا کہ ابوبکر
کا مقام عرش سے بھی اونچا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر اس جگہ خوابیدہ ہیں جہاں حضور
آرام فرما ہیں۔

---

[۲] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۸۵ [۳] مکتوبات امام ربانی،
دفتر اول حصہ ۲ مکتوب ص ۱۶۱ [۴] الصواعق المحرقہ ص ۲۳

الحاصل، ابوبکر کیا ہیں ! آئینہ جمال مُصطفےٰ۔ سیرت رسول کا سراپا۔ اللہ کے محبوب رسول اللہ کے مطلوب، جو ان سے بگڑے اس سے رسول اللہ بگڑ جائیں جن پر نکتہ چینی اللہ کو گوارا نہیں۔ اطاعت رسول میں جبرئیل جن کا ہمسر نہیں اور عرش الٰہی کو جن سے مساوات کا یارا نہیں۔

---

marfat.com

مُحدّثِ خیرِ امم

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے تمام صحابہ کرام رُشد و ہدایت کے پیکر اور نگاہِ فراست کے مالک تھے۔ انہوں نے فیضانِ رسالت سے تربیت پائی تھی۔ حضور پر وحی اترنے کی کیفیت کو دیکھا تھا۔ رموزِ قرآن کے محرم اور اسرارِ وحی سے واقف تھے۔ اسی وجہ سے افرادِ صحابہ تعداد انبیاء کے مطابق اور ان کے اوصاف کے مظہر تھے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا تھا میرے تمام صحابہ آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں۔ تم نے ان میں سے جس کو بھی مقتدا بنا لیا ہدایت پا لوگے۔ سارے صحابہ ہی رسول کا اسوہ اور نبوت کی تعبیر تھے

مگر جس کو نویدِ فراست ملی۔ جس نے موافقتِ وحی کا مرتبہ پایا جس کی زبان الہام و تحدیث کا مرکز بنی وہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پہلی اُمتوں میں محدث ہوتے تھے۔ اگر میری اُمّت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے ایک اور مرتبہ فرمایا۔ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو نبی تو نہ تھے مگر صاحبِ کلام تھے۔ اس اُمّت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔

(صحیح بخاری)

محدث کا مفہوم

مفہومِ محدث کے بارے میں اہل علم کے متعدد اقوال ملتے ہیں بعض نے کہا محدث، صاحبِ الہام کو کہتے ہیں

تورپشتی نے کہا محدث وہ شخص ہے جس کی رائے صائب اور ظن صادق ہو۔ ابواحمد عسکری نے کہا، جس کے قلب پر ملاءِ اعلیٰ سے فیضان ہو اُسے محدث کہتے ہیں۔

marfat.com

بعض نے کہا جس کی زبان ہمیشہ نطق بالصواب کرتی ہو وہ محدث ہے۔ ابن التین نے کہا، محدّث صاحبِ فراست ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ملہم بالصواب کو محدث کہتے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ایک مرفوع روایت سے بتلایا، محدّث کی زبان سے ملائکہ کلام کرتے ہیں۔ ملا علی قاری نے کہا، محدث سے مراد وہ شخص ہے جو کثرتِ الہام کے سبب درجہ انبیاء سے واصل ہو۔ ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ محدّث کے قلب و نظر پر ملاء اعلیٰ کا فیضان ہوتا ہے۔ اس کا اجتہاد صحیح اور اس کا کلام صائب اور ربّانی تائید سے موید ہوتا ہے۔

محدث کا مصداق اس امت میں محدث ہے یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہی ہے کہ ہے اور یقیناً ہے کیونکہ جب امم سابقہ میں محدث ہوتے تھے تو خیر امم میں محدث کیوں نہ ہوگا۔ نیز پچھلی امتوں میں کسی ایک رسول کی شریعت کی تفہیم کے لیے تسلسل اور تواتر کے ساتھ انبیاء آتے رہتے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم کر دی تو اللہ تعالیٰ نے نبی کی جگہ محدّث کو مقرر کر دیا۔ پس تمام اولیاء محمدیین محدث ہیں۔ لیکن اس گروہ کے سرخیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نطق رسالت سے محدّث کا لقب پایا ہے۔

موافقت خداوندی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے رب کی تین امور میں موافقت کی ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، تین میں حصر کی وجہ ان کی شہرت ہے ورنہ موافقت کی تعداد پندرہ ہے۔
صاحب ریاض نے کہا ان میں سے نو لفظی، چار معنوی اور دو بطور توریہ کے ہیں۔
ابن حجر ہیتمی مکی نے کہا۔ ایسی آیات سترہ ہیں اور سیوطی نے تتبع کر کے ان کا عدد بیس سے زائد تک پہنچا دیا ہے۔ بعض کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ایک مرتبہ مقام ابراہیم کو دیکھ کر حضرت عمر نے کہا حضور ہم مقام ابراہیم کو مصلی نہ بنالیں؟ تو یہ آیت نازل ہو گئی واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ البقرۃ: ۱۲۵

marfat.com

مقام ابراہیم کو مصلی بنا لو۔

۲۔ احکام حجاب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ آپ ازواج کو پردہ کا حکم دیں۔ تو یہ آیت نازل ہو گئی۔ واذا سألتموھن متاعًا فاسئلوھن من وراء حجاب۔ الاحزاب: ۵۳ جب تم ازواج نبی سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔ (البخاری)

۳۔ حضور اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ جب بعض ازواج کو یہ ناگوار لگا تو حضرت عمر نے ان سے کہا اگر حضور نے تمہیں طلاق دے دی تو اللہ حضور کو تم سے بہتر ازواج عطا کر دے گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجًا خیرًا منکن۔ التحریم ۵ قریب ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو اللہ انہیں تم سے بہتر ازواج عطا کر دے گا۔ (البخاری)

۴۔ اسیرانِ بدر کے بارے میں بعض لوگوں نے فدیہ کی رائے دی۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے قتل کی تھی اور اس وقت رائے عمر پر تنزیل ہو گئی۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ الانفال: ۶۸ اگر تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا کہ اجتہادی خطا میں مواخذہ نہیں ہوتا تو فدیہ لینے پہ تمہیں عذاب عظیم ہوتا۔ (مسلم)

۵۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں جوئے اور شراب کا دور عام تھا حضرت عمر حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا حضور ہمیں جوئے اور شراب کے بارے میں ہدایت دیں کیونکہ یہ مال اور عقل کو ضائع کرنے والی چیزیں ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر۔ البقرۃ ۲۱۹ یہ آپ سے شراب اور جوئے کا حال پوچھتے ہیں کہئے ان میں بڑا گناہ ہے۔ (آلوسی)

۶۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شراب کے نشہ میں نماز پڑھا دی اور قرآن غلط پڑھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر نے حضور سے پھر گذارش کی تو یہ آیت نازل ہوئی لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ النساء: ۴۳ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (ابوبکر جصاص)

marfat.com

۷۔ اس کے بعد حضرت عمر بار بار خدا سے دعا کرتے رہے۔ اے اللہ شراب اور جوئے کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔ المائدۃ ۹۰
شراب اور جوا بت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ان سے بچو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

۸۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے انسان کو کیچڑ والی مٹی سے پیدا کیا تو حضرت عمر نے بے ساختہ کہا فتبارک اللہ احسن الخالقین چنانچہ انہی لفظوں سے یہ آیت نازل ہو گئی۔

۹۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر بار بار کہتے رہے حضور آپ منافق پر نماز پڑھیں گے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:۔ ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابداً آئندہ آپ کبھی بھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ (اسیوطی)

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کا صحیح ہونا عام منافقین کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تبلیغی ضرورت کے سبب بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں تھا اور یہ امر صحیح تھا ورنہ وحی کے ذریعہ حضور کو اس کی نمازِ جنازہ سے روک دیا جاتا۔ حضور کی اسی نماز کی وجہ سے عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام لے آئے تھے اور اس نماز سے یہی سرکار کا منشا تھا۔ الغرض عمر کی رائے کا صحیح ہونا حضور کے مقابلہ میں نہ تھا کیونکہ حضور کا عمل بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں تھا اور قرآن نے عام منافقین کا حکم بیان کیا ہے۔ (سعیدی)

۱۰۔ اسی نماز کے سلسلہ میں حضرت عمر نے عرض کیا ان کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم ان کے حق میں برابر ہے آپ استغفار کریں یا نہ کریں۔

(ابو عبداللہ شیبانی)

marfat.com

۱۱۔ میدانِ بدر میں جانے کے لیے حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض نے منع کیا اور حضرت عمر نے جانے کا مشورہ دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المومنين لكارهون۔ الانفال ۵ تمہارا رب تمہیں گھر سے (بدر کی طرف) لے گیا اور بے شک مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ ناپسند تھا۔ (طبرانی)

۱۲۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی تو حضرت عمر نے کہا سبحانك هذا بهتان عظيم پھر انہی لفظوں سے یہ آیت نازل ہو گئی۔ (طبرانی)

۱۳۔ ابتدا میں رمضان کی راتوں کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر سے رات کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی احل لكم ليلة الصيام الرفث۔ البقرۃ: ۱۸۷ اب تمہارے لیے رمضان کی راتیں حلال ہیں۔ (ابن حجر مکی)

۱۴۔ ایک اسرائیلی نے حضرت عمر سے پوچھا تم پر وحی کون لاتا ہے؟ فرمایا جبرئیل۔ کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ فرمایا جو اللہ، فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس کا دشمن ہے اس جواب کی تائید میں یہ آیت نازل ہو گئی: من كان عدوا لله وملائكته ورسله وجبريل وميكل فان الله عدو للكافرين البقرۃ ۹۸

۱۵۔ ایک منافق نے حضور کے فیصلہ پر حضرت عمر کے فیصلہ کو ترجیح دی۔ آپ نے اس کو قتل کر دیا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ آپ نے حضور سے عرض کیا حضور جو آپ کا فیصلہ نہ مانے وہ مسلمان کب ہے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك النساء ۶۵ آپ کے رب کی قسم وہ مسلمان ہی نہیں جو آپ کا فیصلہ نہ مانے۔ (فخر رازی)

۱۶۔ ایک مرتبہ حضرت عمر سوئے ہوئے تھے ایک شخص نے بغیر اجازت گھر داخل ہو کر آپ کو جگا دیا۔ آپ نے دعا کی اے اللہ بلا اجازت گھروں

marfat.com

میں داخلہ کو حرام قرار دیدے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلھا (النور ۲۷) اے ایمان والو! بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں نہ داخل ہو، جب تک اجازت نہ لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کرلو (سیوطی)

ان شواہد سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ حضرت عمر کی زبان وحی و سکینہ کی ترجمان تھی۔ عمر کی زبان پر جب بھی کوئی کلمہ آیا وہ عین حق و صواب تھا اور ان کی فکر اور رائے وحی کے موافق اور کلام الٰہی کے مطابق تھی۔

فراستِ عمر سے اصول اجتہاد کا استخراج

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مقدمات کا فیصلہ اس بالغ نظری اور صحیح فکر کے ساتھ کیا جس سے صرف ان جزوی معاملوں پر ہی اثر نہیں پڑا بلکہ ان فیصلوں سے فکر و اجتہاد کے اصول معلوم ہوئے اور امت کے لیے استنباط احکام اور استخراج مسائل کی راہیں کھل گئیں۔ ان تمام واقعات کا شمار تو بہت مشکل ہے۔ البتہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ایک مرتبہ حضرت عمر کی خدمت میں یہ معاملہ لایا گیا کہ مطلقہ عورت کو رہائش اور خرچہ ملے گا یا نہیں؟ آپ نے فیصلہ کیا کہ ملے گا۔ اس وقت فاطمہ بنت قیس نے یہ روایت کی کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تیرے لئے کوئی نفقہ اور سکنیٰ نہیں۔

حضرت عمر نے جواب میں فرمایا ہم کتاب اور سنت کو محض ایک عورت کے قول کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا جانے وہ سمجھ نہ سکی یا بھول گئی۔ (ابوبکر جصاص)

اس فیصلہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ خبر واحد سے کتاب اور سنت متواترہ کے حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ نے اکثر احکام اسی اصول سے مستنبط کئے ہیں۔

ملی شعائر کا تحفظ

عہد ابو بکر میں بہت سے قراء اور حفاظ جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے۔ اس وقت حضرت عمر سیدنا ابوبکر کے

پاس آئے اور کہا مجھے خوف ہے کہ اس طرح ایک ایک کر کے کہیں سارے حافظ اور قاری فوت نہ ہو جائیں اور قرآن ہمارے درمیان نہ رہے اس لیے آپ تمام قرآن کو جمع کر کے محفوظ کر دیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا۔ آپ نے جواب میں کہا، رب کعبہ کی قسم اس کام میں خیر ہے۔ آپ یوں ہی بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ابو بکرؓ کے دل میں بھی وہ روشنی پیدا کر دی جو اس سے پہلے عمرؓ کو عطا کی تھی پھر حضرت ابو بکرؓ نے اس عظیم کام کے لیے قراء صحابہ کی ایک کمیٹی مقرر کی اور تمام قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرا دیا۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو جو ملکوتی زبان اور تعمیری فکر عطا کی تھی۔ جس کام کے لیے انہیں محدّث اور ملہم بنایا تھا اسی وصف سے حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر حفاظت قرآن کی تحریک کی اور آج جو اُمت مسلمہ کے ہاتھوں میں صحیفہ قرآن موجود ہے یہ صرف عمرؓ کی نظرِ صائب اور فکر راسخ کا ثمرہ ہے۔

اوائل عہد فاروقی تک لوگ الگ الگ تراویح پڑھا کرتے تھے حضرت عمرؓ نے انہیں امام واحد کی اقتدا میں جمع کر دیا اور سب مل کر جماعت سے تراویح پڑھنے لگے اور اس میں ختم قرآن کا اہتمام کر لیا گیا۔ (بخاری و بیہقی)

بظاہر یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کو باجماعت کرا دیا لیکن حقیقت میں اس میں بہت عظیم اور دور رس فوائد پنہاں تھے۔ بعض ازاں یہ ہیں۔

۱۔ تراویح میں قرآن سنانے کے شوق سے لوگ بکثرت قرآن حفظ کرتے ہیں ایک مسجد میں تراویح ہو تو کئی حافظ شریک ہوتے ہیں ایک حافظ قرآن سناتا ہے اور بہت سے حافظ قرآن سنتے ہیں اور تجربہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جو حافظ قرآن سنانا یا سننا چھوڑ دے اُسے قرآن بھول جاتا ہے اور آج دُنیا میں جو حفاظ قرآن کی اس قدر کثرت ہے یہ سب تراویح کی برکت اور فراست عمرؓ کا صدقہ ہے۔

الغرض قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی صرف دو شکلیں ہیں یا صورت مصحف

marfat.com

ہیں یا سینہ حافظ ہیں اور قرآن مصحف میں محفوظ عمر کی فکر سے ہوا اور سینہ میں محفوظ عمر کی فراست سے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں جبریل کے ساتھ قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ تراویح کے سبب اب ہر سال رمضان میں حافظ اور سامع قرآن کا دَور کرتے ہیں اور حضور کی یہ سُنت تازہ رہتی ہے۔

سال میں ایک مرتبہ پورا قرآن سُن لینے سے یہ موقعہ ملتا ہے کہ ہم اپنی ایک سال کی ڈائری کو دستور قرآن کے آئینہ میں دیکھ سکیں اور یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہم نے قرآن کے کتنے احکام کی تعمیل کی ہے اور کتنے احکام کی مخالفت۔ اور پھر قرآن کی روشنی میں ہم اپنے کردار کے بگڑے ہوئے خدوخال کو درست کر سکیں۔

حضرت عمر ہمیشہ اُمت کی تعمیر اور ملت کے استحکام کی لگن میں رہتے تھے آپ کی فراست نے اُمت کو ہجری تقویم دی۔ شراب نوشی پر اسی کوڑے حد مقرر کی۔ خلیفۂ رسول کے لمبے چوڑے اضافی نام کی جگہ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ امیر کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ابتدا کی۔ ہجو پر تعزیر مقرر کی۔ رات کو اُٹھ کر احوالِ رعایا کے تجسّس کا عمل جاری کیا۔ تادیب کے لیے دُرّہ ایجاد فرمایا اطرافِ مملکت میں قضاۃ کا تقرر کیا۔ مساجد میں قندیل کی روشنی کا انتظام کیا اور ایسے بہت کام کیے۔

حضرت عمر کی قدآور اور تاریخ ساز شخصیت کے سامنے ہر فراز نشیب معلوم ہوتا ہے۔ عمر فاروق کی عبقری نظر کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں دورانِ خطبہ بھی نہاوند کے امیر لشکر کو ہدایات دیتے رہتے تھے دشت و جبل کی وسعتیں نگاہ عمر کے سامنے سمٹ جاتی تھیں۔ جزیرہ عرب سے لیکر ساحل مکران تک تمام حکام ان کے رعب سے سہمے ہوئے رہتے تھے۔ حضرت عمر کی فہم و فراست اور عقابی نظر نے اس اُمت کو بہت کچھ دیا ہے۔ عہد عمر کی تہذیب، قانون، معیشت، عوام کی خوشحالی اور فتوحات کی وسعت دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر مل جاتا تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔

marfat.com

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تحریم متعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ کی عبقری شخصیت اسلام کی تاریخ میں ایک زریں باب کی حیثیت رکھتی ہے آپ کا دور خلافت، حکومت کی وسعت، عدل و انصاف کی فراوانی، عوام کی خوشحالی اور اسلامی فنون کی ترویج و ترقی کا دور تھا۔ کفار اور مشرکین کے ایوانوں پر حضرت عمر کی ہیبت اور دشت و جبل پر ان کی حکومت تھی ان کے رعب سے حکام لرزہ براندام تھے اور صحرا اور دریا کو بھی حکم عدولی کی جرأت نہ تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کے محاسن و کمالات جتنے زیادہ ہیں اسی قدر حاسدین کی بھی کثرت ہے حضرات امامیہ یوں تو تمام صحابہ سے عداوت رکھتے ہیں لیکن جناب فاروق اعظم سے ان کو جس قدر بغض اور حسد ہے اس کا بیان اندازہ سے باہر ہے حضرت عمر کی وہ تمام خدمات جن سے عمارت اسلام کو استحکام ملا انہیں مجموعۂ عیوب نظر آتی ہیں۔

حضرت عمر کی ذات گرامی پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلامی احکام کے علی الرغم محض اپنی رائے سے متعہ کو حرام کر دیا اور ان کی ڈکٹیٹر شپ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ حضرت علی بھی تقیہ کا سہارا لے کر خاموش ہو گئے۔ عقل و خرد دم بخود رہ جاتی ہے کہ حضرت علی کو جان اتنی پیاری تھی کہ ان کے سامنے

marfat.com

بروایت شیعہ حضرت سیدہ کی بے عزتی کی گئی اور وہ خاموش دیکھا کیے۔ کلام اللہ میں تحریف کر دیگئی اور ان کے لب نہ ہلے۔ شریعت مصطفوی میں عمر کی رائے سے ترمیم ہوتی رہی اور علی ساکت وجامد رہے! عزت وآبرو کے تحفظ اور ناموس ملت کے لیے اگر جان نہ دی جاسکے تو پھر اس جان کا اور کیا مصرف ہے؟

تقیہ کے موضوع پر اظہار خیال سردست ہمارا موضوع نہیں ہے۔ عنوان گفتگو اس وقت یہ ہے کہ حضرت عمر کے دامن کو تنفیذ حرمت متعہ کے سبب ترمیم دین اور تحریف شریعت کے غلط الزام سے پاک وصاف کیا جائے بلکہ ان آنکھوں کے لیے دلائل کی بصیرت مہیا کی جائے جنہیں اس دامن کی پاکیزگی نظر نہیں آتی۔

متعہ کی تعریف اور اس کے احکام

متعہ اس عقد کو کہتے ہیں جس میں مقررہ معاوضہ سے معینہ مدت کے لیے کسی عورت کو قضاء شہوت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس عقد کے لیے نہ گواہوں کی ضرورت ہے نہ ممتوعہ عورتوں کے لیے تعداد کی کوئی قید ہے۔ نہ نفقہ نہ سکنیٰ، نہ نسب، نہ میراث، ایلا، ظہار، طلاق اور عدت، متعہ ان سب میں آزاد ہے۔ جہاں فریقین راضی ہوئے مدت اور اجرت طے ہوئی وہیں جنسی تسکین کا عمل شروع ہو گیا۔

رواج متعہ اور حضرت عمر

متعہ زمانۂ جاہلیت کی قبیح رسموں میں سے ایک رسم تھی۔ اسلام نے جس تدریجی عمل کے ذریعہ دوسری برائیوں کو رفتہ رفتہ ختم کیا۔ اسی طرح متعہ کو بھی فتح مکہ کے بعد حرام کر دیا اور کتاب وسنت میں اس کی حرمت کے دلائل پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت عمر نے جس طرح شریعت کے دوسرے قوانین پر سختی سے عمل کرایا۔ شراب وزنا پر حدود جاری کیں۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے۔ جھوٹے گواہوں کو سزائیں دیں۔ اسی طرح آپ نے پوری شدت اور تندہی سے حرمت متعہ کی بھی تبلیغ اور تنفیذ کی جو لوگ بے علمی اور غفلت کی بناء پر متعہ کرتے رہے تھے۔ انہیں سخت

marfat.com

الفاظ سے تنبیہ اور تہدید کی۔ جس طرح حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو للکارا اور سختی سے ان کا محاسبہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ وہ زکوٰۃ کے شارع ہیں، اسی طرح حضرت عمرؓ نے متعہ کرنے والوں کو بروقت ٹوکا اور اپنے دورِ خلافت میں حدود الٰہی کی حرمت کو پامال نہیں ہونے دیا۔ پس حضرت عمرؓ بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرح شارع نہیں مبلغ تھے۔

شریعت اسلامیہ نے متعہ کو قطعی طور پر قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔ ہم اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث صحیحہ ہدیہ رقم کریں گے اور امامیہ کی طمانیت کی خاطر ان کی صحاح سے بھی شواہد لائیں گے اور اخیر میں امامیہ کے معرکۃ الآراء دلائل و براہین پر نقد و نظر کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

حرمت متعہ کتاب اللہ سے

اللہ عزوجل فرماتا ہے:-

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث و ربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ (النساء، ۳)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان سے نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تمہیں ان کے درمیان ناانصافی کا خدشہ ہو تو صرف ایک سے نکاح کرو یا اپنی کنیزوں پر اکتفا کرو۔

یہ آیت سورۂ نساء سے لی گئی ہے جو مدنی ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل استطاعت سے خطاب فرمایا۔ اور ان کے لیے قضاء شہوت کی جائز صورتیں بیان فرما دیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہیں اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی کنیزوں اور باندیوں سے نفع اندوزی کر سکتے ہیں اور بس اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان صورتوں کے ساتھ ذکر فرما دیتا اور اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور اس طرح اوائل اسلام سے لے کر فتح مکہ تک متعہ کی جو شکل معمول اور مباح تھی، اس آیت کے ذریعہ اس کو حرام کر دیا گیا۔

امامیہ حضرات کو اگر یہ شبہ لاحق ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے

marfat.com

لہذا نکاح کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا تو اس کے ازالہ کے لیے گذارش ہے کہ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کے لیے کوئی قید نہیں ہے۔ پس جب کہ یہ متضاد حقیقتیں ہیں تو ظاہر ہے کہ ایک لفظ سے ان دونوں کا ارادہ نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ اجتماع ضدین لازم لائے گا اور اللہ تعالےٰ کا کلام اس قسم کی خرافات کا محل بننے سے بلند و برتر ہے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے متعہ میں عارضی نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی تعداد کی کوئی حد نہیں، نکاح میں نفقہ، سکنیٰ، نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء، ظہار، لعان، طلاق اور عدت عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں نہ ان میں سے کوئی لازم ہوتا ہے اور نہ عارض۔ پس نکاح اور متعہ اپنی حقیقت، لوازم اور عوارض کے اعتبار سے دو مختلف چیزیں ہیں۔ البتہ اگر نکاح کا مفہوم متعہ سے عام ہوتا تو اس کا متعہ کو شامل ہونا معقول ہوتا لیکن جب نکاح اور متعہ دو متضاد حقیقتیں ہیں تو ایک ضد کا دوسری ضد کو شامل ہونا قطعاً غیر متصور اور سراسر غیر معقول ہے۔

بعض امامیہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ نکاح کی دو قسمیں ہیں دائمی اور عارضی، دائمی نکاح معروف ہے اور عارضی، متعہ ہے اور مطلق نکاح دونوں کو شامل ہے جواباً عرض ہے کہ نکاح کی یہ تقسیم امامیہ حضرات کی محض طبع زاد اور خانہ ساز ہے۔ قرآن کریم نے جس عقد کو نکاح قرار دیا ہے اس میں تعداد منکوحات کی ایک حد ہے اور اسے نفقہ، سکنیٰ، نسب اور میراث لازم ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور عقد پر قرآن نے نکاح کا اطلاق نہیں کیا۔ اس لیے نکاح عارضی محض ایجاد بندہ اور باطل اختراع ہے۔ ایک بے دلیل دعویٰ اور سراسر مخالف قرآن تصور ہے۔

سورۂ نساء کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے۔

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما

marfat.com

ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات (الیٰ ان قال) ذالک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم۔ النساء ۲۵

اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو مسلمان کنیزوں سے نکاح کرے اور یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو (غلبہ شہوت سے) اپنے نفس پر زنا کا خوف رکھتا ہو۔ اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

غور فرمایئے اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے نادار شخص کے لیے صرف دو طریقے تجویز کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرد کی زندگی گزارے۔ اگر متعہ بھی مشروع ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی شکل میں اسے متعہ کی ہدایت دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کر سکتا اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں سے کرے اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا۔ متعہ کے لیے کوئی سبیل جواز نہیں ہے۔

سورۂ نور بھی مدنی سورت ہے اس کی ایک آیت ملاحظہ فرمایئے۔

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللہ من فضلہٖ۔ النور ۳۳

اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے غیر مبہم الفاظ میں دوٹوک فیصلہ فرمادیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو۔ اب جواز متعہ کی کوئی وجہ نہیں رہی، ورنہ استطاعت نکاح نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی، اور جبکہ اجازت متعہ کی جگہ ضبط نفس کا حکم دیا تو ظاہر ہو گیا کہ اسلام میں جواز متعہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔

قرآن کریم کی ان تین آیتوں کی روشنی میں حرمت متعہ کی وضاحت کے بعد ایک منصف مزاج شخص کے لیے اس حقیقت کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں

marfat.com

ہونا چاہیئے کہ حضرت فاروق اعظم نے حرمت متعہ کو قرآن کی ہدایت سے نافذ کیا تھا اپنی رائے سے نہیں۔

حرمت متعہ صحاح اہل سنت سے

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء یوم خیبر (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۶)

حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرما دیا۔

غزوہ خیبر کے بعد فتح مکہ کے موقعہ پر تین دن کے لیے متعہ پھر مباح ہوا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے متعہ کو منسوخ فرما دیا، چنانچہ امام مسلم اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں۔

عن ابی سلمۃ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نہا عنہا و باسناد اخر قال یا ایہا الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذالک الی یوم القیامۃ۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۵۱)

ابی سلمہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر تین دن متعہ کرنے کی اجازت دی تھی پھر اس سے منع فرما دیا اور دوسری روایت میں ہے اے لوگو میں نے تمہیں پہلے عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی اور اب اللہ تعالے نے قیامت تک کے لیے اس کو ممنوع فرما دیا ہے۔

احادیث صحیحہ میں حرمت متعہ کی بکثرت روایات موجود ہیں، لیکن ہم نے طوالت کی وجہ سے ان دو حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔ فہم مستقیم کے لیے ان میں یہ ہدایت ہے کہ متعہ کے حرام کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عمر تو صرف اس حرمت کو نافذ کرنے والے ہیں۔

حرمت متعہ صحاح امامیہ سے

عن زید بن علی عن آبائہ علیہم

marfat.com

السلام قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاهلية ونکاح المتعة۔ (الاستبصار جلد ۲ ص ۷۷)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو اور متعہ کو حرام فرما دیا۔

استبصار کے علاوہ امامیہ کی دوسری کتب صحاح میں بھی حرمت متعہ کی روایات موجود ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے جواب میں بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علی نے ایسی روایات تقیۃً بیان فرمائی ہیں اور جان کے خوف سے تقیۃً (جھوٹ بولنا) عین دین ہے۔ کیونکہ کافی کلینی میں ہے من لا تقية له لا دين له۔ جو ضرورت کے وقت تقیہ نہ کرے بے دین ہے.....سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے خلاف آوازہ حق بلند کیا اور ہزارہا مخالفوں کے سامنے تلواروں کے جھنکار اور تیر و تفنگ کی بوچھاڑ میں بیعت یزید سے انکار کیا تو کیا اس وقت امام حسین ترک تقیہ کی وجہ سے معاذ اللہ بے دین ہو گئے تھے؟ اور اگر ایسے شدید ابتلا میں بھی تقیہ نہ کرنا ہی حق و صواب تھا تو حضرت علی کا بغیر کسی ابتلا کے بے حساب روایات تقیۃً بیان کرنا کس طرح حق و ثواب ہوگا؟ کاش امامیہ حضرات میں سے کوئی شخص اس نکتہ کو حل کر کے لاکھوں انسانوں کی ذہنی خلش کو دور کر سکے۔

حلّت متعہ پر امامیہ کے استدلال کا جواب

حضرات امامیہ نے جواز متعہ پر قرآن کی حسب ذیل آیت سے استدلال کیا ہے۔

فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة ۵ النساء: ۲۴

جن بیویوں سے تم نے عمل زوجیت کر لیا ہے انہیں ان کا پورا مہر ادا کر دو۔

امامیہ حضرات کہتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نے متعہ کر لیا ہے ان کو اس کی اجرت ادا کر دو اور یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں مدت متعین ہو اور اس

marfat.com

آیت میں تعین مدت کا اصلاً ذکر نہیں ہے، لہٰذا استمتعتم کا معنی متعہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اصل میں یہ لفظ استمتاع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے نفع حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا اور آیت کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ جن بیویوں سے تم نے عمل زوجیت کرکے جسمانی نفع حاصل کرلیا ہے انہیں ان کا پورا مہر ادا کردو، ثانیاً اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات میں نکاح کا بیان اور اس کے احکام ذکر کیے گئے ہیں، اب درمیان میں اس آیت کو متعہ پر محمول کرنے سے نظم قرآن کا اختلال اور آیات کا غیر مربوط ہونا لازم آئے گا۔ ثالثاً اس آیت سے متصل پہلی آیت میں فرمایا احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (النساء: ۲۴) یعنی محرمات کے سوا باقی عورتیں تمہارے نکاح کے لیے حلال کردی گئی ہیں تم مہر دے کر ان سے فائدہ اٹھاؤ بشرطیکہ تم انہیں حصن بناؤ اور سفاح نہ کرو۔ حصن کا معنی ہے قلعہ یعنی عورت سے نفع اندوزی تب حلال ہے جب وہ تمہارے نطفہ کی حفاظت کے لیے قلعہ بن جائے اور متعہ سے عورت قلعہ نہیں بنتی، ہر ہفتہ دوسرے کے پہلو میں ہوتی ہے اسی وجہ سے متعہ سے نسب محفوظ نہیں رہتا، اب اگر فما استمتعتم کا معنی متعہ کرلیا جائے تو قرآن کریم کی دو متصل آیتوں میں کھلا تصادم لازم آئے گا کہ پہلی آیت سے متعہ حرام ہوا اور دوسری آیت سے حلال اور قرآن کریم اس تضاد کا متحمل نہیں ہے۔ رابعاً سفاح کا معنی ہے محض قضاء شہوت اور نطفہ گرادینا اور مطلب یہ ہے کہ عورت سے نفع اندوزی حلال ہے بشرطیکہ تمہارا مقصد محض قضاء شہوت اور جنسی تسکین نہ ہو بلکہ اولاد کو طلب کرنا مقصود ہو اور ظاہر ہے کہ متعہ میں سوائے قضاء شہوت اور جنسی تسکین کے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ پس متعہ جائز نہ رہا اور جب اس آیت سے متعہ حرام ہوا تو اس سے اگلی آیت میں حلت متعہ کا معنی کرنا باطل ہوگا۔

اِلیٰ اَجَلٍ مسمّٰی کی قرأت کا جواب امامیہ حضرات کہتے ہیں کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ بعض قرأت میں فما استمتعتم بہ منہن کے بعد الی اجل مسمی بھی پڑھا گیا ہے، اب معنی یوں ہوگا جن عورتوں سے تم

marfat.com

نے مدت معینہ تک فائدہ اٹھایا ان کو اجرت دے دو اور یہ بعینہ متعہ ہے کیونکہ اب آیت میں مدت اور اُجرت دونوں کا ذکر آ گیا، اور یہی متعہ کے ارکان ہیں یہ ٹھیک ہے کہ یہ روایت خبر واحد ہے اور اس روایت سے یہ الفاظ قرآن کا جزو نہیں بن سکتے لیکن متعہ ثابت کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ بعض قرأت میں الی اجل مسمی کے الفاظ موجود ہیں۔

اس استدلال کے جواب میں اولاً معروض ہے کہ الی اجل مسمٰی سے استدلال تب ہوگا جب اسے فما استمتعتم بہ کے ساتھ لاحق کر کے قرآن کا جزء مانا جائے اور شیعہ حضرات کو بھی یہ تسلیم ہے کہ بغیر تواتر کے محض خبر واحد سے کوئی لفظ قرآن کا جزو نہیں بن سکتا۔ لہذا اس قرأت سے جواز متعہ پر استدلال صحیح نہ رہا۔

ثانیاً تفاسیر میں جہاں اس روایت کو ذکر کیا ہے وہیں تصریح کر دی ہے کہ یہ روایت معتمد نہیں ہے اور قرآن کریم میں اس کی تلاوت کرنا اور اس سے کوئی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ابو بکر رازی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں۔

فانہ لایجوز اثبات الاجل فی تلاوتہ عند احد من المسلمین فالاجل اذا غیر ثابت فی القرآن۔ (احکام القرآن جلد ۲ صہ ۱۴۸)

تلاوت میں اجل پڑھنا کسی مسلمان کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ لفظ قرآن میں ثابت نہیں ہے۔

اور ابن جریر طبری المتوفی (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:-

واما ماروی عن ابی بن کعب وابن عباس من قرأتہما فما استمتعتم بہ منہن الی اجل مسمی فقراءۃ بخلاف ما جاءت بہ مصاحف وغیر جائز لاحد ان یلحق فی کتاب اللہ تعالیٰ شیئاً لم یات بہ الخبر القاطع (تفسیر طبری جز ۵ صہ ۱۳)

ابی ابن کعب اور ابن عباس کی ایک قرأت میں جو الی اجل مسمّی کے الفاظ مروی ہیں وہ تمام مصاحف المسلمین کے خلاف ہیں اور کسی

marfat.com

کے لیے جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ میں بغیر خبر متواتر کے کسی چیز کا اضافہ کرے۔

ثالثاً صرف کسی روایت کا موجود ہونا اس کی ثقاہت کے لیے کافی نہیں۔ روایات تو صحیح سے لے کر موضوع تک ہر قسم کی موجود ہیں۔ کیونکہ رافضی، قدری جہمی ہر طرح کے بدعقیدہ لوگوں نے اپنے مذہب کے موافق روایات وضع کر کے شائع کر دی تھیں۔ یہ محدثین کرام کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے علم اسماء رجال ایجاد کر کے ہر حدیث کی صحت اور وضع پرکھنے کا ذریعہ مہیا کر دیا۔

جس روایت کے سہارے امامیہ حضرات نے الیٰ اجل مسمّی کی قرأت کو تسلیم کیا ہے ہم آپ کے سامنے اس روایت کے طرق اور اسانید کا حال بیان کر دیتے ہیں جس سے روایت کی حقیقت سامنے آجائے گی۔ ابن جریر طبری اس روایت کی سند بیان کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن الحسین قال حدثنا احمد بن المفضل قال ثنا اسباط عن السدی فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاٰتوھن اجورھن

(تفسیر طبری جلد ۵ صـ ۱۲)

اس سند کا ایک راوی احمد بن مفضل ہے، ازدی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے اور ابو حاتم نے بیان کیا کہ یہ رؤسا شیعہ میں سے تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ ۹۶) اس سند کا تیسرا آدمی اسباط ہے امام نسائی نے کہا یہ قوی نہ تھا ابن معین نے کہا لیس بشئ یہ کچھ بھی نہیں ابو نعیم نے کہا بہت ضعیف تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ ۱۸) اس سند کا چوتھا راوی اسماعیل بن عبد الرحمٰن السدی ہے جوزجانی نے کہا یہ کذاب تھا صحابہ کرام کو سب و شتم کرتا تھا۔ حسین بن واقد نے کہا میں سماع حدیث کے لیے اس کے پاس آیا جب دیکھا کہ یہ حضرت ابوبکر و عمر کو برا بھلا کہتا ہے تو میں چلا آیا اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں گیا۔ ابن ابی سلیم نے کہا کہ یہ شیخین کی شان میں

marfat.com

بدگوئی کرتا تھا۔ طبری نے کہا اس کی روایات لائق استدلال نہیں ہیں۔
(تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ ۳۱۷)

اس روایت کی دوسری سند ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابو کریب قال حدثنا یحییٰ بن عیسیٰ قال حدثنا نصیر بن ابی الاشعث قال حدثنی حبیب بن ابی ثابت قال اعطانی ابن عباس مصحفا فقال ھذا علیٰ قراۃ ابی قال ابو بکر قال یحییٰ فرایت المصحف عند نصیر فیہ فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمیٰ۔ (تفسیر طبری جز ۵ صـ ۱۲)

اس سند میں ایک راوی ہے یحییٰ بن عیسیٰ نسائی نے کہا یہ قوی نہ تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ ۴۰۱ تا ۴۰۲) سلمہ نے کہا اس میں ضعف تھا۔ ابن معین نے کہا لیس بشئ یہ کچھ نہ تھا۔ عجلی نے کہا اس میں تشیع تھا
(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صـ ۲۶۳)

ان دونوں سندوں میں رافضی منکر الحدیث اور کذاب راوی موجود ہیں پس ایسے لوگوں کی بنیاد پر کوئی روایت کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے ان دونوں سندوں کے بعد ایک اور سند پیش خدمت ہے۔

حدثنا ابن المثنیٰ قال ثنی عبد الاعلیٰ قال ثنی داؤد عن ابی نضرۃ قال سالت ابن عباس عن المتعۃ فذکر نحوہ۔ (طبری جز ۵ صـ ۱۲)

اس سند میں ایک راوی ہے عبد الاعلیٰ ابن سعد نے کہا یہ قوی نہ تھا۔ ابن حبان اور امام محمد نے کہا یہ قدریہ عقائد کا حامل تھا (تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۹۶) اس سند کا ایک اور راوی ہے۔ داؤد بن ابی ہند اس کے بارے میں تصریح ہے کہ اس کی روایات میں اضطراب تھا اور یہ کثیر الخلاف تھا (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ ۲۰۵) ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ اس روایت کے طرق میں بکثرت رافضی قدری جیسے بد عقیدہ اور کذاب منکر الحدیث کثیر الخلاف اور ضعیف راوی موجود ہیں۔ لہذا یہ روایت قطعاً باطل اور جعلی ہے۔

marfat.com

رابعاً ابن عباس اس آیت کو کس طرح پڑھتے تھے اور استمتاع سے ان کی مراد متعہ تھی یا نکاح اس بارے میں ابن جریر نے جو روایت صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے وہ یہ ہے۔

حدثنی المثنی قال ثنا عبد اللہ بن صالح قال ثنی معاویۃ بن صالح بن ابی طلحۃ عن ابن عباس قولہ فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ یقول اذا تزوج الرجل المرأۃ ثم نکحھا مرۃ واحدۃ وجب صداقھا کلہ والاستمتاع ھو النکاح

(تفسیر طبری جزء ۵ ص۱۱)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن پڑھا بغیر الی اجل مسمی کے) اور اس کی تفسیر میں فرمایا جب شادی کے بعد کوئی شخص ایک بار بھی عمل زوجیت کرے تو اس پر پورا مہر واجب ہو جاتا ہے اور فرمایا استمتاع سے مراد نکاح ہے۔

اگر فما استمتعتم کے بعد الی اجل مسمی پڑھا جائے تو استمتاع سے مراد نکاح کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ متعہ ہی مراد لینا پڑے گا اور جب ابن عباس نے فرمایا استمتاع سے مراد نکاح ہے اور بغیر الی اجل مسمی اس آیت کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ الی اجل مسمی پڑھنے کی نسبت ان کی طرف کرنا سراسر افترا ہے اور یہ روایت صحیح السند ہے اور مصاحف مسلمین کے مطابق ہے اسے چھوڑ کر رافضیوں اور قدریوں کی روایت کو لینا جو مصاحف مسلمین کے مخالف اور نظم قرآن سے متصادم ہے صریح ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا ہے۔

ابن عباس کے فتوٰی کا جواب

امامیہ حضرات کہتے ہیں کہ ابن عباس جواز متعہ کا فتوٰی دیتے تھے اور چونکہ اہلسنت کے نزدیک حضرت ابن عباس کی شخصیت واجب التسلیم ہے اس لیے ان

پر لازم ہے کہ ان کے فتویٰ کا احترام کریں۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطلقاً جواز کا فتویٰ نہیں دیا وہ متعہ کو مردار اور خنزیر کی طرح حرام سمجھتے تھے اور جس طرح حالت اضطرار میں مردار اور خنزیر کھانا جائز ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک حالت اضطرار میں متعہ کرنا بھی جائز تھا چنانچہ علامہ نیشا پوری (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں۔

ان الناس لما ذکروا الاشعار فی فتیا ابن عباس فی المتعۃ قال قاتلھم اللہ انی ما افتیت باباحتھا علی الاطلاق لکنی قلت انھا تحل للمضطر کما تحل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔

جب لوگوں نے ابن عباس کے فتویٰ کی وجہ سے ان کی ہجو میں اشعار کہے تو انہوں نے کہا خدا ان کو ہلاک کرے میں نے علی الاطلاق متعہ کی اباحت کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ میں نے کہا تھا کہ متعہ مضطر کے لیے حلال ہے جیسے مُردار، خنزیر اور خون کا حکم ہے۔

اس روایت کو ابو بکر رازی الجصاص نے احکام القرآن جلد ۲ ص۱۴۷ پر اور ابن ہمام المتوفی (۸۶۱ھ) نے فتح القدیر جلد ۲ ص۳۸۶) اور علامہ آلوسی المتوفی (۱۲۷۰ھ) نے روح المعانی جزء ۵ ص۶ پر ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس کا مضطر کے لیے اباحت متعہ کا فتویٰ دینا بھی ان کی اجتہادی خطا پر مبنی تھا اور جب ان پر حق واضح ہو گیا تو انہوں نے اس فتوے سے رجوع کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی چنانچہ علامہ نیشا پوری لکھتے ہیں۔

انہ رجع عن ذالک عند موتہ وقال انی اتوب الیک فی الصرف والمتعۃ۔ (غرائب القرآن جزء ۵ ص۱۶)

ابن عباس نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے فتویٰ سے رجوع کیا اور کہا میں صرف اور متعہ سے رجوع کرتا ہوں۔

اور ابو بکر جصاص فرماتے ہیں

marfat.com

فالصحیح حکایت من حکی عنہ الرجوع عنہا

صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے جوازِ متعہ سے رجوع کر لیا تھا۔

نیز فرماتے ہیں۔

نزل عن قولہ فی الصرف وقولہ فی المتعۃ۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۷۹، ۱۴۷)

ابن عباس نے صرف اور متعہ سے رجوع کر لیا تھا۔

علامہ بدرالدین عینی المتوفی (۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری جز ۱۷ ص ۲۴۶ پر اور علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی (۸۵۲ھ) نے فتح الباری جلد ۱۱ ص ۷۰ پر حضرت ابن عباس کا متعہ سے رجوع بیان فرمایا ہے اور اہل سنت کے تمام محققین نے اسی پر اعتماد کا اظہار فرمایا ہے پھر کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جس بات سے حضرت ابن عباس رجوع فرما چکے ہیں۔ اسے ان کا مسلک قرار دے کر اس کی بنیاد پر اپنے مسلک کی دیوار استوار کی جائے۔

ہم نے بدلائل واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں متعہ کا کوئی تصور نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول برحق نے متعہ کو حرام کر دیا ہے اللہ کا سلام ہو حضرت عمر پر جنہوں نے حرمت متعہ کو نافذ کر کے اور اس پر عمل کر کے ملت اسلامیہ کو ایک مکروہ غلاظت سے محفوظ کر دیا ہے۔

یہ متعہ ہی کا تصور تھا جس نے مسلمانوں میں کسبیوں کے رواج کو جنم دیا اسی اصطلاح نے بازار حسن کو تحفظ دیا اور متعہ کی آڑ میں عصمت فروشی کا چور دروازہ کھول دیا۔ آج قوم جس طرح اخلاقی جرائم اور بدکاری میں مبتلا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ فحاشی اور جنسی ناہمواری کے سارے سہارے ختم کر دیے جائیں اور ہر وہ قانون جس سے جنسی کجی کو تقویت ملتی ہو مٹا دیا جائے مسئلہ متعہ کا وجود فحاشی کے فروغ کا ضامن ہے۔ فاروق اعظم کی ایمان افروز شخصیت پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں جنہوں نے حرمت متعہ کی تبلیغ اور تنفیذ کر کے سفینہ ملت کو معصیت کے گرداب سے نکالا ___ آج اس معصیت زدہ اور پنجہ شہوت میں اسیر قوم کو پھر فاروقی بصیرت کی ضرورت ہے۔

marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عموماً اور خلفاء راشدین خصوصاً انسانی عظمتوں کے وہ منارہ نور ہیں جن سے قیامت تک کی آنے والی نسلیں رشد و ہدایت حاصل کرتی رہیں گی یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ ہی آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ممتاز کیا وہ انہی کا حصہ ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیا دار ایسے تھے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔ فیاض اور جواد ایسے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی فیاضی سے خوش ہو کر ان کو امن اور جنت کی نوید سناتے حضور کے منظور نظر ایسے کہ آپ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان کے حبالۂ عقد سے مربوط کیں اور جب دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو وہ بھی عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔[1] خوش نصیب ایسے کہ زبان رسالت سے زندگی میں شہادت اور وصال کے بعد جنت کی بشارت سنی۔ ایثار کیش ایسے کہ تشنہ لب جان دے دی مگر اپنی زندگی میں مسلمانوں کی تلواروں کو باہم ٹکرانے نہیں دیا۔ آیئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب حیات کے چند اوراق الٹ کر اس ہدف جور و جفا اور پیکر صدق و صفا کی بصیرت افروز زندگی کا ایک اجمالی جائزہ لیں۔

---

[1] علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ ، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۶

marfat.com

نام اور نسب آپ کا نام عثمان، ابو عبداللہ اور ابو عمرو کنیت اور ذو النورین لقب تھا۔ والد کا نام عفان بن ابی العاص اور والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا حضرت عثمان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی نانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں اس اعتبار سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔[1]

خاندانی وجاہت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی اہمیت اور اقتدار کا حامل تھا آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس رؤسائے قریش میں سے تھے۔ خلفاء بنی امیہ، امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے امویین کہلائے۔ ابو سفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے لشکر قریش کی قیادت کی، اموی تھے۔ غرض یہ کہ حضرت عثمان کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے اعتبار سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے بعد کوئی اور خاندان شرف و سیادت میں آپ کے خاندان کا ہم پایہ نہ تھا۔

ولادت اور عام حالات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولادت نبوی کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ اہل عرب کے عام معمول کے برعکس انہوں نے بچپن میں پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا اور عہد شباب میں کاروبار تجارت شروع کر دیا اور اپنی فطری صداقت، دیانت اور نیک روش کے باعث غیر معمولی شہرت حاصل کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد متوسط تھا۔ سرخ و سفید چہرہ، گھنگھریالے بال گھنی داڑھی، ملائم جسم اور انتہائی پر وقار شخصیت کے حامل تھے۔[2]

قبول اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد ابھی صرف تین شخص ہی اسلام لائے تھے کہ ایک دن حضرت عثمان اپنی خالہ

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۶۲، [2] ایضاً

marfat.com

سعدی بنت کریز کے گھر گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا تذکرہ چھڑ گیا۔ ان کی خالہ نے کہا محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں ان کے پاس جبرئیل آتے ہیں انکا پیغام سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہے ان کے دین میں خیر ہے ان کا حکم ماننے میں کامیابی ہے۔ ان کے خلاف محاذ آرائی کرنا دنیا اور آخرت کی ذلت ہے۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں یہ باتیں سن کے جب اپنی خالہ کے گھر سے نکلا تو میرے دل میں اسلام کی محبّت اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے دوست تھے ایک دن انہوں نے مجھے متفکر پایا۔ تو مجھ سے حال دریافت کیا میں نے اپنی خالہ سے جو باتیں سنی تھیں وہ ان کو بتلائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اے عثمان تم صاحب فہم وفراست ہو تم پر حق باطل سے مشتبہ نہیں رہ سکتا۔ تمہاری قوم جن تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتی ہے یہ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے کہا قسم بخدا ایسا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا، خدا کی قسم تمہاری خالہ نے سچ کہا ہے محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ کیا خیال ہے تم ان کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کا کلام سنو: میں حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور سے میرے بارے میں عرض کیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا! اے عثمان: اللہ تعالیٰ کی جنت قبول کر لو۔ میں تمہارا اور تمام مخلوق کا رسول ہوں۔ یہ کلام اثر آفریں سنتے ہی میں نے عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

لے حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ جلد۴ صد ۳۲۸

marfat.com

ذوالنورین

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا مگر اعلان نبوت کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب نے اسلام دشمنی کی وجہ سے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر حضرت رقیہ کو طلاق دلوادی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد میں اپنی اس صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ قریباً چودہ سال تک حضرت عثمان کو حضور کی صاحبزادی کی زوجیت کا شرف حاصل رہا۔ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ بیمار ہوگئیں۔ حضرت عثمان ان کی تیمارداری میں مصروف رہے اسی وجہ سے حضور کی اجازت سے غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کا اہل بدر میں شمار کیا اور ان کے حصہ کا مال غنیمت بھی انہیں عطا فرمایا اس بیماری میں حضرت رقیہ جانبر نہ ہو سکیں اور وصال فرما گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔

سیرت اور خدمات

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ حضور کی زاہدانہ زندگی دیکھ کر اکثر ملول رہتے تھے اور جب موقع ملتا حضور کی خدمت میں ہدایا اور تحائف پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ آل رسول چار روز سے فقر و فاقہ کے ساتھ دن گزار رہے ہیں۔ سنتے ہی بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اسی وقت کھانے پینے کا بہت سا سامان اور تین سو درہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کیے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اس ہاتھ کو کبھی نجاست یا محل نجاست

---

[1] علامہ علاء الدین علی المتقی متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال جلد ۶ صہ ۳۷۶

marfat.com

سے مس نہیں ہونے دیا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر روز صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔ صحابہ کی غربت اور افلاس سے ہمیشہ بے قرار رہتے۔ ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے سبب صحابہ کرام کے چہرے اداس تھے اور منافقین اس وجہ سے ہر طرف خوش خوش اکڑتے پھر رہے تھے۔ حضرت عثمان نے اسی وقت چودہ اونٹوں پر کھانے پینے کا سامان لاد کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ حضور یہ طعام صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیں۔[2]

ایک دفعہ حضرت طلحہ نے حضرت عثمان سے پچاس درہم قرض لیے۔ کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے[3]

آپ کو کتابت میں بہت مہارت تھی اور بے حد خوش نویس تھے اس لیے قرآن کریم کی کتابت کا کام آپ ہی کے ذمہ تھا جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور آپ کو بلوا کر وہ آیت لکھوالیتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کا وقت تھا تو ایک آیت نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت عثمان سے وہ آیت لکھوائی۔[4]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد بار جنت کی بشارت دی تھی اس کے باوجود خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی کسی نے آپ سے اس قدر گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے اگر یہاں آسانی ہو تو سب منازل آسان ہو گئیں اور اگر یہاں دشواری ہوئی تو باقی منازل اس سے زیادہ

---

[1] علامہ علاؤالدین علی المتقی متوفی ۹۷۵ھ، کنزالعمال جلد ۶ ص۱۷۱،۳۰[2] ایضاً ص۳۷۴

[3] محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۳۹

[4] علامہ علاؤالدین علی المتقی متوفی ۹۷۵ھ، کنزالعمال جلد ۶ ص۳۷۰

marfat.com

دشوار ہوگئیں۔[۱]

باوجود مال و دولت کی فراوانی کے ہمیشہ زاہدانہ زندگی اختیار کی۔ قنز نام کا ایک خوبصورت رومی کپڑا تھا جس کو متوسط طبقہ کے لوگ بھی پہنا کرتے تھے لیکن آپ نے وہ کپڑا بھی نہ خود کبھی استعمال کیا نہ اپنی ازواج کو استعمال کرنے دیا۔

تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیسیوں غلام اور باندیوں کے باوجود اپنا کام خود کیا کرتے تھے۔ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے اور وضو وغیرہ کا سامان خود مہیا کرتے۔ کسی خادم کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ کرتے۔ اگر کوئی سخت اور ناگوار بات کہتا تو اس کو نرمی سے جواب دیتے۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اثنائے گفتگو میں آپ کے والد کو کسی بات پر طعنہ دیا۔ حضرت عثمان نے انتہائی حلم سے جواب دیا کہ عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کے تذکرہ کا کیا موقع ہے۔

عہد خلافت میں عموماً دن کا وقت کار خلافت میں گزار دیتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزار دیتے۔ کبھی کبھی ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کر دیتے۔

دوسرے اور تیسرے روز عموماً روزہ رکھتے اور کبھی مہینوں روزے سے رہتے۔ اور رات کو صرف اتنا کھاتے جس سے رمق حیات برقرار رہتی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ ایک بار وضو کر کے مسکرانے لگے۔ لوگوں نے بے موقع تبسم کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا میں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنے کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔[۲] ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔[۳]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جو سب سے اہم کارنامہ انجام دیا وہ قرآن کریم کو لغت قریش کے مطابق رائج کرنا ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو سات لغات پر قرآن پڑھنے کی اجازت تھی۔ معنی کے لحاظ سے اگرچہ ان لغات میں کوئی فرق نہ تھا۔

---

[۱] شیخ ولی الدین تبریزی، مشکوٰۃ (ترمذی) صہ ۲۶ [۲] امام احمد بن حنبل، مسند احمد جلد ا صہ ۵۸ [۳] امام احمد بن حنبل، مسند احمد جلد ا صہ ۶۸

marfat.com

لیکن ساتوں لغات میں بعض الفاظ ایسے تھے جو دوسری لغات سے ملتے نہ تھے۔ اس وجہ سے ناواقف لوگ ایک شخص کی قرائت کو دوسرے شخص کی قرأت کے خلاف سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے۔ اس طرح ہر جگہ قرآن کریم کے قرآن ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ایک ناخوشگوار بحث کھڑی ہو جاتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے تمام بلاد اسلامیہ سے قرآن کریم کے نسخے منگوائے۔ اور ان کو دھلوا کر سادے کاغذوں کو جلوا دیا اور حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں لغت قریش کے مطابق جو نسخہ مرتب کر کے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بطور امانت رکھا ہوا تھا۔ اس کی نقلیں تیار کرا کے تمام بلاد اسلامیہ میں بھجوا دیں اور آج جو ہمارے ہاتھوں میں قرآن کریم کا واحد نسخہ موجود ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

۲۹ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی اور اس میں پہلے کی نسبت بہت وسعت کر دی۔ حتیٰ کہ اس کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ڈیڑھ سو ہاتھ پر مشتمل ہو گیا۔ حضرت عثمان نے نقشین پتھروں سے اس کی دیواریں اور ساگوان کی لکڑی سے اس کی چھت بنوا کر مسجد نبوی کو بے حد حسین و جمیل بنوا دیا۔[ل]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا وظیفہ باقی صحابہ کرام کی نسبت دگنا کر دیا۔ ہمیشہ اپنے مال سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اپنے بارہ سالہ دور خلافت کے اندر بحیثیت خلیفہ کے ایک پیسہ بھی بیت المال سے نہیں لیا اور اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ اس حساب سے

ل علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ: تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۰

marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہ سال میں ساٹھ ہزار درہم کی رقم بیت المال میں مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے لیے جاتے تھے اور امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال محصور ہونے کے سبب حج کے لیے نہ جا سکے۔

مقام عثمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں بے تکلفی سے تشریف فرما تھے اور آپ کی مبارک پنڈلیوں سے چادر ہٹی ہوئی تھی۔ اتنے میں ابوبکر اجازت لے کر آئے اور حضور اسی کیفیت سے بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عمر اجازت لے کر تشریف لائے۔ حضور پھر بھی اسی کیفیت سے بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عثمان نے اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک درست کر کے پنڈلیاں ڈھانپ لیں جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے پوچھا حضور ابوبکر آئے اور آپ نے ان کے آنے پر اپنے بیٹھنے کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی پھر عمر آئے آپ نے پھر بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور جب عثمان آئے تو آپ نے اپنے کپڑے درست کر لیے اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص سے حیاء کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیاء میں حضرت عثمان کا مقام فرشتوں سے بھی اونچا تھا۔ تمام صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء کرتے تھے اور حضور حضرت عثمان سے حیاء کرتے تھے۔ یعنی مقام حیاء میں تمام صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب اور حضرت عثمان آپ کے مطلوب تھے۔

---

[1] علامہ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ (مسلم و ترمذی) ص ۵۶۱

marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کے لیے صحابہ کرام کو صدقہ کی ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا حضور سو اونٹ مع پالان وغیرہ کے اللہ کی راہ میں پیش کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ترغیب دی تو حضرت عثمان نے عرض کیا سرکار میں دو سو اونٹ مع پالان وغیرہ کے راہ خدا میں پیش کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ترغیب دی تو حضرت عثمان نے کہا حضور میں تین سو اونٹ مع پالان وغیرہ کے اللہ کی راہ میں پیش کروں گا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فرط مسرت) سے منبر سے نیچے اتر آئے اور دو بار فرمایا آج کے بعد عثمان جو چاہے کرے۔ ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے۔ اور وہ دینار لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (خوشی سے) ان دیناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں اور دو بار یہ فرمایا کہ آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔[۱]

ان دونوں حدیثوں سے پتہ چلا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جتنی مقدار میں حضرت عثمان نے لشکر اسلام کی مدد کی تھی۔ صحابہ کرام میں سے کوئی شخص اتنی مقدار میں لشکر اسلام کی مدد نہ کر سکا۔ بلکہ غزوہ تبوک کے لیے لشکر کی تیاری کا سہرا دراصل حضرت عثمان ہی کے سر تھا اور وہ اس میدان میں سب سے آگے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو آج تک مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ (غزوہ تبوک کے لشکر کو تیار کرنے والے) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

---

[۱] شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ مشکوٰۃ (مسند احمد) ص ۵۶۱

marfat.com

ان دونوں حدیثوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر سہ کرر فرمایا آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو کھلی چھٹی دے دی ہے کہ حلال یا حرام جو مرضی آئے کرو تم سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان کی صالحیت پر مکمل اعتماد تھا اور آپ کو کامل یقین تھا کہ عثمان سے کوئی ناجائز اور حرام کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں تو تمام خلفاء راشدین پر سرکار کو یقین تھا کہ ان میں کوئی شخص بھی ناجائز یا حرام کام نہیں کرے گا اسی لیے ان کو جنت کی بشارت دی گئی۔ لیکن یہ شرف اور مقام صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا کہ حضور نے اپنے اس یقین کا حضرت عثمان کے بارے میں برملا اظہار کر دیا کہ جاؤ جو مرضی میں آئے کرو تم سے کوئی نہیں پوچھے گا کیونکہ حضور جانتے تھے کہ حضرت عثمان تاحیات اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ سرکار کا یہ فرمان درحقیقت عثمان کی اطاعت شعاری اور وفاداری کی سند تھی، مستقبل کے تفکرات اور آخرت کے خطرات سے محفوظ رکھنے کا سہرا تھا اور یہ ایسا سہرا تھا جو حضور نے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عثمان کے ماتھے پر باندھا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بیعت رضوان کا حکم دیا اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے تمام صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قصاص عثمان لینے کے لیے بیعت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مکہ گئے ہوئے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر دوسرے ہاتھ پر رکھا یعنی حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ عثمان کا ہاتھ اس موقع پر تمام صحابہ کے ہاتھوں سے بہتر تھا کیونکہ ان کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا۔[1]

[1] شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ (ترمذی) ص ۵۶۱

اس موقع پر تمام صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے طالب تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت میں حضور کے مطلوب تھے یا یوں کہیے کہ تمام صحابہ حضور کے مرید اور حضرت عثمان حضور کی مراد تھے اول تو یہ فضیلت بھی کچھ کم نہیں کہ حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا لیکن اس سے بھی بڑھ کر حضرت عثمان کا مقام یہ ہے کہ بیعت رضوان کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ۔ الفتح ۱۰۔ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ اور جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ قرار دیا۔ اسی موقع پر حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ ان دونوں باتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ بیعت رضوان کے وقت نگاہ الوہیت میں جو مقام سرکار کے ہاتھ کا تھا۔ نگاہ رسالت میں وہی مقام حضرت عثمان کے ہاتھ کا تھا۔

بیعت رضوان کا پس منظر یہ ہے کہ چھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کا قصد فرمایا، مکہ کے قریب جب حضور مقام حدیبیہ پر پہنچے تو قریش کی ایک بھاری جمعیت نے راستہ روک لیا اور ان کے تیور بتاتے تھے کہ وہ آمادہ پیکار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس وقت قریش سے جنگ نہیں چاہتے تھے اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عثمان جب مکہ پہنچے تو قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی کر دی کہ جانے نہ پائیں جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمان واپس نہ آئے تو مسلمانوں کو سخت پریشانی ہوئی اسی حالت میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر حضرات صحابہ کرام سے خون عثمان کا انتقام لینے کے لیے ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمان کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی۔

بیعت رضوان کے اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

marfat.com

وسلم کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ اگر آپ یہ سمجھتے کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے ہیں تو یہ کیوں فرماتے کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہیں اس لیے ان کی طرف سے میں بیعت کرتا ہوں۔ اور اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت کی۔

دراصل بیعت رضوان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام عثمان کی عظمت اجاگر کرنا چاہتے تھے، کہ حضرت عثمان کا ناحق قتل ہو جانا تو بہت بڑی بات ہے اگر اس کی افواہ پھیل جائے تو مسلمانوں کو اپنی جان پر کھیل کر قصاص عثمان لینے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ چنانچہ قتل عثمان کی محض افواہ سن کر حضور سمیت چودہ سو صحابہ کفار سے آمادہ پیکار ہو گئے تھے اور قصاص عثمان کے لیے جنگ کی خاطر جو بیعت ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور اس کو بیعت رضوان قرار دیا۔ یہ سب کیا تھا! یہ حضرت عثمان کے مقام کی بلندی اور ان کی عظمت تھی بیعت رضوان کا واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام کیا تھا۔

(بالآخر کفار نے صحابہ کے جوش و خروش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی، اور حضرت عثمان کو چھوڑ دیا۔)

حضرت عثمان کے دور خلافت میں فتوحات

چوبیس ہجری کی ابتداء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجلس شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ اور امیر المومنین منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی سنت کے مطابق کار خلافت انجام دیتے تھے آپ کے بارہ سالہ دور حکومت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ ۲۴ ہجری میں آپ نے آذربائیجان اور آرمینیہ پہ فوج کشی کر کے وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا۔ ۲۵ ہجری میں طرابلس کو فتح کیا۔ ۲۶ ہجری میں الجزائر اور مراکش کے علاقے فتح کئے۔ ۲۸ ہجری میں بحر روم میں شام کے قریب قبرص

marfat.com

اسا پیٹرس) کو بحری جنگ سے فتح کیا۔ ۳۰ ہجری میں طبرستان کو فتح کیا۔ ۳۲ ہجری میں قسطنطینیہ سے متصل علاقوں میں مرو در، طالستان اور جوزجان کو فتح کیا۔ اسلامی فتوحات کا یہ سیلاب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد رک گیا اور حضرت علی کی خلافت کے چھ سال تک تعطل رہا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات اسلامیہ کو ایک بار پھر نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔

فتنہ اور اس کے اسباب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اخیر میں ان کے خلاف بعض لوگوں نے شورش پیدا کر دی اور فتنہ و فساد کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ اس شورش کے اسباب یہ تھے۔

۱۔ اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک تمام علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں ان محکوم قوموں میں فطرۃً مسلمانوں کے خلاف جذبہ انتقام موجود تھا لیکن مسلمانوں کی قوت اور سطوت کے مقابلہ میں وہ بے بس تھے۔ اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا جن میں یہودی اور مجوسی سب سے آگے تھے۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چند مناصب پر اموی خاندان کے افراد کو مقرر کیا تھا ان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شام کے گورنر تھے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری (صحابی) عامل مصر اور عبداللہ بن عامر بن کریز اموی (صحابی) عامل بصرہ تھے اور مروان بن الحکم اموی کاتب تھے۔ ان چار کے علاوہ دو اموی عاملوں کو مقرر کر کے آپ نے انہیں معزول کر دیا۔ جن میں سے ایک ولید بن عقبہ اور دوسرے سعید بن العاص تھے۔ یہ تھے کل وہ اموی افراد جن کے بارے میں مخالفین نے تہلکہ مچا دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کنبہ پروری اور اقربا نوازی کر کے اپنے خاندان کے افراد کو حکومت کے عہدے سونپ دیئے اور یہ کسی نے نہ دیکھا کہ ان کے علاوہ قریباً بیس جگہ بلاد اسلامیہ میں گورنری اور دیگر اہم عہدوں پر سب

marfat.com

غیر اموی افراد مقرر تھے۔ نہ یہ کسی نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اسی فیصد عامل اموی خاندان سے لیے تھے۔ چنانچہ اٹھارہ علاقوں میں آپ نے اموی افراد کو مقرر کیا (طبری) پھر اگر پانچ عہدے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امویوں کو تفویض فرمائے تو اس پر شورش اور ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوئی اخلاقی اور شرعی وجہ نہ تھی۔

۳۔ مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان کی طرف منتقل ہو جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں۔

۴۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا فراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔ ان اغراض کے تحت ہر شخص اپنی اپنی کوشش میں مصروف تھا اشتر نخعی، جندب اور صعصعہ نے کوفہ کو اپنی شرارتوں کا مرکز بنایا۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک شخص ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا تھا جس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا۔

عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں کا طریقہ کار یہ تھا۔

۱۔ بظاہر متقی اور پرہیزگار بننا اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش کرنا۔

۲۔ عمال کو تنگ کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

۳۔ ہر جگہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقرباء پروری اور ناانصافی کی داستانیں مشہور کرنا۔ مفسدین کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کنبہ پروری کا اتہام بالکل بے بنیاد ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی امیر و کبیر شخص تھے۔ عہد رسالت میں آپ کی فیاضی کی مثالیں یادگار ہیں۔ آپ نے بیس ہزار درہم دے کر ایک یہودی سے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ بیش بہا رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خریدی اور بہت سے مواقع پر مسلمانوں کی اپنے مال سے

marfat.com

خدمت کی۔ مفسدین کے اعتراض کے جواب میں آپ نے خود وضاحت فرمائی کہ میں اپنے اقرباء کو جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ اور بیت المال کا مال نہ اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں۔ نہ کسی دوسرے شخص کے لیے۔[1]

ایک مشہور اعتراض یہ تھا کہ حکم بن العاص کو حضور نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں وہ جلاوطن رہا لیکن حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ بلا لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان نے حکم کی سفارش کر کے اسے مدینہ بلانے کی منظوری لے لی تھی۔ حضرت ابوبکر اور عمر کے سامنے چونکہ یہ منظوری نہیں لی گئی تھی اور حضرت عثمان کے سوا اس پر کوئی اور گواہ نہ تھا اس لیے انہوں نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ نہیں بلایا حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں جو حکم کو مدینہ بلایا وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حضور کی مرضی سے بلایا تھا۔

ایک اور مشہور اعتراض یہ تھا کہ آپ نے طرابلس کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ مروان کو بلا عوض دے دیا تھا۔ یہ سراسر لغو بہتان ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :

> ابن زبیر نے فتح کی بشارت اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دارالخلافت روانہ کیا اس مال کو پانچ لاکھ دینار کے عوض مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مال مروان کو مفت دے دیا گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔[2]

اصلاح کی کوشش حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل حالات کی اصلاح کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے

---

[1] محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۳۶

[2] علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صہ ۱۲۹۔

marfat.com

مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لئے وفود روانہ کیے جائیں چنانچہ ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہ کوفہ، اسامہ بن زید بصرہ، عمار بن یاسر مصر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شام اور بعض اور دیگر صوبہ جات کی طرف روانہ ہوگئے۔ نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا گیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام حکام کو جمع کرتا ہوں اور جس حاکم کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے فوراً تحقیق کرکے اس کا ازالہ کر دیتا ہوں۔ اس کے باوجود اگر کسی شخص کو کسی حاکم کے خلاف شکایت ہو تو مجھ سے بیان کرے۔ میں تحقیق کرکے مظلوم کا حق ظالم سے دلاؤں گا۔

نوٹ:۔ ابن خلدون اور طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان نے تحقیق کے لیے جس قدر صحابہ بھیجے تھے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سوا سب واپس آگئے۔ مصر میں عبد اللہ بن سبا، خالد بن ملجم اور کنانہ بن بشر وغیرہ شرپسند موجود تھے اور ان لوگوں نے عمار بن یاسر کو واپس آنے نہیں دیا حتیٰ کہ یہ گمان کر کیا گیا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔[1]

انقلاب کی کوشش ابن سبا کے تربیت یافتہ لوگوں نے آپس میں مل کر ایک سازش تیار کی اور بصرہ، کوفہ اور مصر سے تقریباً دو ہزار فتنہ پرداز اپنے اپنے شہروں سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کی طرف چل پڑے تاکہ اپنے مطالبات حضرت عثمان سے بزور تسلیم کرائیں۔ جن میں سے ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ حاکم مصر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ محمد بن ابوبکر۔ (یہ حضرت علی کے پروردہ تھے) کو حاکم مقرر کیا جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کرکے یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور ابن سرح کی معزولی اور محمد بن ابی بکر کی تقرری کا پروانہ لکھ کر انہیں دے دیا۔ پھر یہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد دفعتہً گھوڑوں

---

[1] ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ الطبری جلد ۳ ص ۹۹۔

marfat.com

کی ٹاپوں اور انتقام، انتقام کی صداؤں سے مدینہ کے در و دیوار گونج اٹھے۔
کبار صحابہ گھبرا کر اپنے گھروں سے نکلے دیکھا کہ مفسدوں اور باغیوں کی جماعت
واپس آگئی ہے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں راستہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد
ملا جس میں والی مصر کے نام یہ ہدایت تھی کہ ان لوگوں کی گردن ماردی جائے
حضرت عثمان نے اس واقعہ سے مکمل لاعلمی اور حیرت کا اظہار کیا۔ باغیوں
نے کہا جس خلیفہ کو اتنی سی بات کی بھی خبر نہ ہو وہ خلافت کا اہل نہیں ہے
لہذا حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ [1]
اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائے گا۔ لوگ اس کو
اتارنے کی کوشش کریں گے تم اس قمیص کو مت اتارنا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس
قمیص سے مراد یہی خلافت کی قمیص ہے۔ [2]

باغیوں کی شورش

حضرت عثمان کے انکار پر قریباً دو ہزار باغیوں نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو
مسلسل چالیس دن تک قائم رہا۔ باغیوں نے حضرت عثمان تک پانی پہنچانے
کو حرام قرار دے دیا تھا۔ ایک دفعہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کچھ کھانے پینے
کی چیزیں لے کر حضرت عثمان تک پہنچانے کی کوشش کی مگر باغیوں نے
ام المومنین اور حضور کی حرم محترم کا بھی لحاظ نہیں کیا اور بے ادبی سے مزاحمت
کر کے انہیں واپس کر دیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پرآشوب
وقت میں اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی

---

[1] محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ ہجری، طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۳۲

[2] شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ ہجری، مشکوٰۃ (ترمذی) صہ ۲۶۲

marfat.com

ان جانثاروں کے ساتھ حضرت عثمان کے گھر میں موجود تھے۔

باغیوں کو سمجھانے کیلئے متعدد اکابر صحابہ نے موثر تقریریں کیں لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکان کی چھت سے باغیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے تو یہ مسجد تنگ تھی۔ آپ نے فرمایا جنت کے عوض کون اس زمین کو خرید کر مسجد کے لیے وقف کرے گا۔ اس وقت میں نے وہ زمین مسجد کے لیے خرید کر وقف کی تھی، آج تم اس زمین پر مجھے سجدہ کرنے نہیں دیتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ قسم بخدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو سوائے چاہ رومہ کے اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے عوض کون اس کنوئیں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرتا ہے اس وقت بھی صرف میں نے حضور کے فرمان پر لبیک کہی اور آج تم مجھے اس کنوئیں سے پانی نہیں پینے دیتے! لیکن باغیوں پر آپ کی اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

جانثار صحابہ کے مشورے

حضرت امیر معاویہ کی بصیرت افروز آنکھوں نے اس فتنہ کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا! انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا آپ میرے ساتھ شام چلیئے، تاکہ آپ کسی ناگہانی خطرہ سے دوچار نہ ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں دیار رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جانا چاہتا۔ حضرت امیر معاویہ نے عرض کیا میں حفظ ماتقدم کی خاطر شام سے آپ کی حفاظت کے لیے فوج بھجوا دوں۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ کے پڑوسیوں (اہل مدینہ) کو اس لشکر کی وجہ سے کوئی پریشانی ہو۔

لہ علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ ہجری، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صہ ۴۲۴۔

marfat.com

محاصرہ کے دوران حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا میری تین باتوں میں سے ایک بات مان لیجیے۔ آپ کے حامیوں کی عظیم جماعت یہاں موجود ہے اس کو لے کر نکلیے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجیے دوسری صورت یہ ہے کہ پچھلی طرف سے نکل کر مکہ معظمہ چلے جائیے۔ مکہ حرم ہے وہاں یہ آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شام میں آپ حضرت امیر معاویہ کی پناہ میں چلے جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی صورت کا یہ جواب دیا کہ اگر میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں اس امت کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو اپنی حکومت کی بقا کے لیے مسلمانوں کا خون بہائے۔ دوسری صورت (یعنی مکہ چلے جانے) کا جواب یہ دیا کہ مجھے ان لوگوں سے یہ توقع نہیں ہے کہ یہ حرم مکہ کی حرمت کا کوئی لحاظ رکھیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس مقدس شہر کی حرمتیں پامال ہوں اور تیسری صورت (یعنی شام چلے جانے) کا جواب یہ تھا کہ دار الہجرت اور دیارِ رسول کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جانا چاہتا۔[1]

حضرت عثمان کا گھر بہت وسیع تھا حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے صحابہ کرام اور تابعین سمیت سات سو افراد موجود تھے جن کی قیادت حضرت عبداللہ بن زبیر کر رہے تھے۔ انہوں نے باغیوں سے لڑنے کی اجازت مانگی تو فرمایا اگر ایک شخص بھی میری خاطر لڑنا چاہے تو میں اس سے خدا کے لیے کہتا ہوں کہ وہ میری خاطر خون نہ بہائے۔[2] آپ کے گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آخری وقت میں آزاد کر دیا۔

حضرت زید بن ثابت نے آکر عرض کیا۔ امیر المومنین انصار دروازے پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں۔ فرمایا اگر وہ جنگ کی اجازت چاہتے ہیں تو نہیں بالکل اجازت

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد جلد ۱ صہ ۶۷

[2] ایضاً " " صہ ۶۷

نہیں ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ نے جنگ کی اجازت مانگی تو فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ مجھ سمیت تمام دنیا کو قتل کر دو۔ عرض کیا نہیں۔ آپ کے اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ تھا من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ المائدہ ۳۲، "جس شخص نے بغیر قصاص کے یا فساد کے کسی شخص کو قتل کیا، گویا اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو قتل کر دیا۔"[2] اس آیت سے استدلال اس وجہ سے تھا کہ باغیوں نے ابھی تک نہ کسی شخص کو قتل کیا تھا نہ زمین میں کسی قسم کا فساد کیا تھا۔ صرف حضرت عثمان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔)

شہادت

حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں پیش آنے والے فتنوں کا بیان کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص کا گزر ہوا جو کپڑا اوڑھے جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنوں کے وقت یہ شخص ہدایت پر ہوگا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتنوں کا بیان کرتے ہوئے حضرت عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ شخص ان فتنوں میں مظلوم شہید کیا جائیگا۔[3]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو ان فتنوں سے مطلع کیا تھا اور صبر واستقامت کی تاکید فرمائی تھی (ترمذی ص ۵۲۳) ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لمحہ بہ لمحہ اس وقت کے منتظر تھے جو ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

---

[1] محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ ہجری، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۸

[2] " " "

[3] علامہ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ (ترمذی) ص ۵۶۲

marfat.com

سترہ ذوالحج ۳۵ ہجری کو جمعہ کا دن تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف فرما ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں عثمان جلدی کرو ہم تمہارے افطار کے منتظر ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔[۱] حضرت بیدار ہوتے اور اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا اب وقت قریب آپہنچا ہے۔ پھر لباس تبدیل کیا اور قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد باغیوں نے حملہ کر دیا حضرت شہزادہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزاحمت کرتے ہوئے زخمی ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر (پروردہ حضرت علی) نے آپ کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ بھتیجے اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو وہ اس فعل کو ناپسند کرتے۔ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی پر زور سے لوہے کی سلاخ ماری جس سے آپ گر پڑے اور زبان سے یہ کلمات نکلے بسم اللہ وتوکلت علی اللہ۔" سواد بن حمران نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ عمرو بن الحق نے سینہ پر چڑھ کر نیزوں کے پیہم نو وار کیے۔ ایک ازلی شقی نے بڑھ کر تلوار کا ایسا کاری وار کیا جس سے ذوالنورین کی شمع حیات بجھ گئی۔[۲] انا للہ وانا الیہ راجعون! شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس خونِ ناحق سے جو آیت رنگین ہوئی وہ یہ تھی۔ فسیکفیکہم اللہ وھو السمیع العلیم۔ البقرۃ ۱۳۷
"تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"
اس جانکاہ حادثہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ کی انگلیاں بھی کٹ گئی تھیں۔ تین دن تک آپ کا جسد مبارک تدفین سے محروم رہا اور قتل کرنے کے بعد ظالموں نے آپ کا گھر بھی لوٹ لیا۔

---

[۱] محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۵۲۔

[۲] علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ ہجری، اسد الغابہ جلد ۳ صہ ۳۸۲

marfat.com

عظمتِ عثمان تمام دنیا کی تاریخ اٹھا کر ایک نظر ڈالیے، تاریخ عالم میں آپ کو کہیں ایسی مثال نہیں ملے گی کہ کسی حکمران کے خلاف کچھ لوگ باغی ہو جائیں اور اس حکمران کو اپنی ذات اور اپنی حکومت کے تحفظ کے متعدد وسائل حاصل ہوں نہ صرف یہ بلکہ جانثار، رفقاء، ارکان دولت اور تمام افواج سب اس کے حامی ہوں باغیوں کے قلع قمع کرنے کے لیے بے تاب ہوں اور بار بار اس حکمران سے باغیوں کی سرکوبی کا مطالبہ کر رہے ہوں لیکن وہ حکمران محض اس سبب سے ان لوگوں کو باغیوں سے جنگ کی اجازت نہیں دیتا کہ کہیں ایک جان کی بقاء کے لیے سینکڑوں جانیں تلف نہ ہو جائیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے دو ہزار سے بھی کم افراد تھے اور مکان کے اندر اور باہر ان کے جانثار اس سے کہیں زیادہ تھے۔ آخری وقت تک آپ کے جانثار اور رفقاء آپ سے باغیوں کے مقابلہ اور ان کے محاصرہ کے توڑنے کی اجازت طلب کرتے رہے لیکن آپ کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ میں اپنی ذات یا اپنی خلافت کی خاطر مسلمانوں کی تلواریں باہم ٹکراتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہمارے محترم ہیں ان سے عقیدت اور محبت ہمارے ایمان کا ایک حصہ ہے وہ دونوں مجتہد تھے اور اپنے اپنے نزدیک ہر ایک کا موقف اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی تھا وہ دونوں برحق تھے ہم ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی ایک لفظ سُننا نہیں چاہتے۔ ان کی عظمتیں ہمارے دین کا سرمایہ ہیں۔ اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں قریباً پانچ سال تک محض خلافت کے تحفظ کے لیے دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بہتا رہا اور شہداء کا انبار لگتا رہا اس کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھئے جنہوں نے چالیس روز تک محاصرہ میں رہنا، ضروریات زندگی سے محروم ہونا اور خندہ پیشانی سے بھوک و پیاس

marfat.com

برداشت کرنا گوارہ کیا۔ لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی خاطر کسی ایک مسلمان کے خون کا قطرہ بھی گرنا گوارہ نہیں کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ سعادت کسی کے حصہ میں نہیں آئی کہ اس نے دیارِ رسول کو اپنی خلافت کا مستقر بنایا ہو۔ اسلامی حکمرانوں میں وہ دیارِ رسول کے آخری خلیفہ تھے۔ انہوں نے اس وقت بھی مدینہ چھوڑنا گوارہ نہیں کیا۔ جب نوکِ خنجر ان کی شہ رگ کے بہت قریب نظر آرہی تھی۔ تاریخ میں ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی عظیم شخصیت کے جانثار اس پر قربان ہونے کی اجازت چاہتے ہوں۔ بار بار بے تابی سے تقاضہ کرتے ہوں مگر وہ کسی کو اس کی اجازت نہ دیتا ہو۔ اس کو اپنی جان بچانے کے لیے خطرہ کی جگہ سے نکل جانے کا موقع ملا ہو مگر وہ عزم و استقلال کا کوہ گراں اپنی جگہ پر قائم رہا ہو۔ اے عثمان! تمہاری عظمتوں کا کیا کہنا تم نے نہ مکہ کی حرمتوں کو خطرہ میں پڑنے دیا نہ مدینہ کو میدان جنگ بننے دیا نہ اپنی جان کے تحفظ کے لیے دیارِ رسول چھوڑا۔ نہ اپنے جانثار و رفقاء میں سے کسی کی زندگی کو خطرہ میں پڑنے دیا۔ حتیٰ کہ آخری وقت میں اپنے بیس غلاموں کو بھی آزاد کر کے نکل جانے دیا اور ظلم و ستم کے تمام وار تنہا اپنی جان پر کھیل گئے۔

یوں تو اسلام کے ہر دور میں لوگ شہید ہوتے رہے ان شہداء میں سے کسی کا خون احد کی گھاٹیوں میں گرا، کسی کا خون کربلا کی سرزمین پر گرا۔ مگر سلام ہو تمہارے خون پر اے عثمان جو قرآن کریم کی آیات پر گرا۔ جس شہید کا خون جس جگہ گرتا ہے وہ جگہ اس کی شہادت کی گواہی دیتی ہے۔ کسی کی شہادت کی گواہی بدر اور احد کی سرزمیں دے گی۔ کسی کی شہادت کی گواہی میدان کربلا دے گا اور اے عثمان تمہاری شہادت کی گواہی قرآن کریم کے اوراق دیں گے۔ حشر کے دن جو شخص جس حال میں شہید ہوا۔ اسی حال میں اُٹھے گا کوئی شہید احرام باندھے ہوئے اُٹھے گا۔ کوئی سجدہ کرتے ہوئے اُٹھے گا۔ اور سلام ہو تمہاری عظمتوں پر اے عثمان کہ تم میدانِ حشر میں اللہ کا کلام پڑھتے ہوئے اُٹھو گے۔

marfat.com

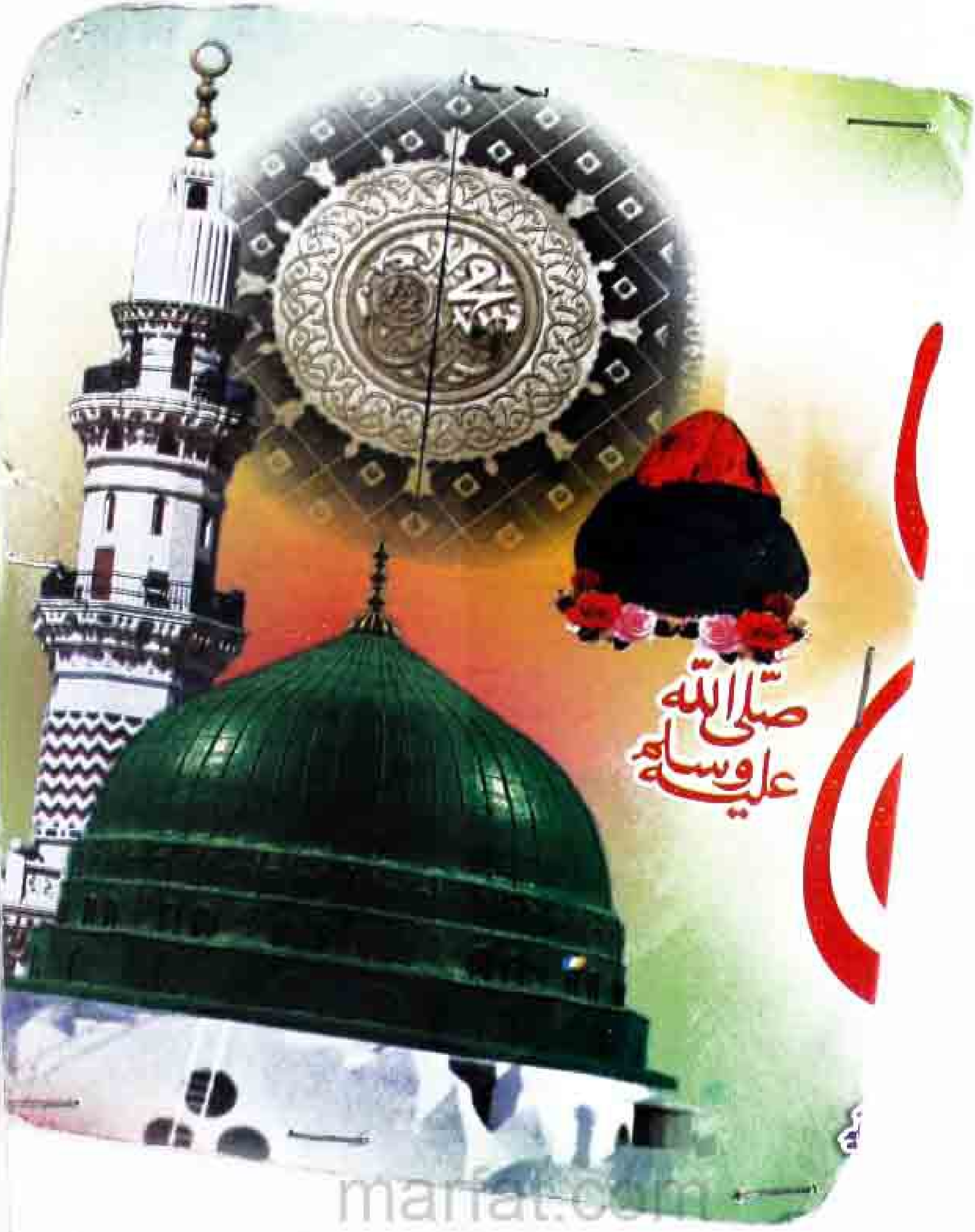

marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ

پروردۂ رسول۔ اقلیم ولایت کے شہنشاہ، عبادت و ریاضت میں مسلمانوں کے پیشوا، زمانۂ رسالت میں بدر سے لے کر آخری غزوہ تک میدانِ شجاعت کے تاجدار۔ خصوصاً معرکہ خیبر کے شہسوار، رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے غمخوار، خلفاءِ ثلاثہ کے خیر خواہ، تمام صحابہ کے محبوب، رسول اللہ کے محب صادق جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مژدہ دیا۔ جن سے بغض رکھنا کفر، جن سے محبت کرنا ایمان۔ حضور کی وہ لاڈلی صاحبزادی جو مجلس میں آئیں تو حضور کھڑے ہو جائیں، جن کی سواری میدان محشر سے گزرے تو تمام اہل محشر کی گردنیں جھک جائیں۔ ایسی گرامی مرتبت شہزادی خاتون جنت، سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر۔ جنت کے جوانوں کے سردار، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد۔ سلسلہ نسل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بانی۔ جو اگر صدقہ دیں تو قرآن ناطق ہو اور جن کے رکوع اور سجود پہ قرآن شاہد۔ حضور کے تربیت یافتہ عم زاد جن کی سرکار ناز برداری کریں، جن کو تہجد پڑھوانے کے لیے حضور راتوں کو جگانے آئیں، جو اگر روٹھ جائیں تو سرکار انہیں منانے آئیں۔ اور اسی عالم میں سرکار سے ابو تراب کا لقب پائیں۔ جس سے وہ ناراض ہو جائیں وہ سرکار کا معتوب اور جس سے وہ راضی ہو جائیں وہ سرکار کا محبوب ہو۔ اندھیری راتوں میں ساحل مراد تک پہنچنے کے لیے جہاں آسمان ہدایت کے ستاروں کے بغیر گذارہ نہیں۔ وہاں ان کے سفینہ کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں۔

marfat.com

وہ پیدا ہوئے تو کعبہ میں، شہادت پائی تو مسجد میں، جن کی زندگی کا محور آغاز سے انجام تک اللہ تعالیٰ کا گھر تھا۔ جب تک دنیا میں رہے تو اللہ کی خاطر، دنیا سے گئے تو اللہ کی خاطر۔ جنہوں نے اپنے شہزادوں کو تربیت بھی ایسی دی کہ دونوں نے شہادت پائی۔ یہ سارا خاندان ہی شہدا کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور یہ خاتم الخلفاء تھے۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی محبت میں جینا عبادت ہے اور جن کی محبت میں مرنا شہادت ہے۔ انہیں کو علی مرتضیٰ کہتے ہیں۔

نام اور نسب آپ کا نام علی بن ابی طالب تھا۔ کنیت ابو تراب اور ابوالحسن تھی اور حیدر آپ کا لقب تھا۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے عم زاد تھے۔

خاندانی وجاہت خاندان بنو ہاشم کو سرزمین عرب اور قریش کے تمام قبائل میں جو عظمت اور بزرگی حاصل تھی وہ عرب کے کسی اور قبیلہ کو حاصل نہیں تھی۔ اسی باوقار خاندان میں حضرت علی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت علی کے والد اگرچہ اسلام نہیں لائے تاہم انہوں نے ہمیشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ اور ہر موقع پر آپ کی حمایت کی۔ حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد مسلمان ہو گئی تھیں اور مستند روایات کے مطابق ہجرت کر کے مدینہ گئیں جب ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک سے ان کا کفن بنایا۔ قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا اور دفن کے بعد دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اغفر لفاطمۃ بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی۔

"اے اللہ فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما ان کی قبر کو کشادہ کر اپنے نبی اور تمام پہلے نبیوں کے وسیلہ سے۔"

ابو طالب کثیر العیال تھے اور انتہائی عسرت کے ساتھ گذر اوقات ہوتا تھا۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا ہمیں اس پریشانی میں

marfat.com

اچھا خاصا ہاتھ بٹانا چاہیئے چنانچہ حسب ارشاد جعفر کی کفالت حضرت عباس نے اپنے ذمہ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب نے حضرت علی کو پسند کرلیا چنانچہ شروع سے ہی حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور آغوش پرورش میں رہے۔[1]

قبول اسلام حضرت علی کی عمر ابھی دس سال ہی کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے اعلان نبوت کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی نماز بھی فرض ہوگئی۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ نماز پڑھ رہے تھے حضرت علی نے حیرت سے اس نئے منظر کو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ سب کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالے کی توحید اور اپنے منصب نبوت اور نماز وغیرہ کے بارے میں خبر دی اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ایک دن کے غور وفکر کے بعد حضرت علی مسلمانوں میں شامل ہوچکے تھے اور اس وقت تک اسلام لانے والوں میں حضرت علی تیسرے شخص تھے

تبلیغ دین میں حضرت علی کی معاونت اعلان نبوت کے بعد تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طریقہ سے تبلیغ کرتے رہے خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور ان میں سے اکثر قبول کرلیتے۔ نبوت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ کھلے عام تبلیغ کیجیے اور اس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیجیے۔ حضور نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ لیکن ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدتمیزی کرکے مجمع منتشر کردیا۔

---

[1] علامہ نبہانی۔ شواہد الحق (طبرانی، ابن حبان، حاکم) صہ ۱۵۲

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر اپنے اقرباء کو جمع کیا اور چالیس افراد کی دعوت کی جن میں حضرت حمزہ، عباس، ابو طالب اور ابو لہب بھی تھے۔ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو عبد المطلب میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں بتاؤ اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا۔ یہ سن کر ساری محفل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اس خاموشی میں اگر کسی کی آواز ابھری تو وہ حضرت علی تھے۔ انہوں نے فرمایا اگرچہ میری عمر سب سے چھوٹی ہے۔ میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ لیکن اسلام کی راہ میں میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ حضور بار بار اپنے اقرباء سے اسلام کی راہ میں تعاون کی اپیل کرتے رہے لیکن ہر بار جواب میں صرف حضرت علی کی آواز سنائی دیتی تھی۔

جانثاری اور ہجرت مکہ میں تیرہ سال گزارنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس کے گرد کفار نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اور اس انتظار میں تھے کہ کب حضور گھر سے نکلیں اور آپ کو شہید کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہیں دشمنان جان کی بہت سی امانتیں تھیں۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا میں جا رہا ہوں تم ان لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ حضرت علی بے خوف و خطر حضور کے بستر پر سو گئے۔ صبح کو کفار برہنہ تلواریں لے کر کاشانہ اقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور کے بجائے آپ کا ایک جانثار موت و حیات سے بے پرواہ آپ کے بستر پر سو رہا ہے۔ تین چار دن بعد حضرت علی مدینہ ہجرت کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

معرکہ بدر حضرت علی نے شجر اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی ہے۔ ان کی تیغ بے نیام نے ان گنت کفار کو اسلام دشمنی کی سزا دی۔ وہ ہمیشہ بڑھ کر وار کرتے تھے۔ اسلام کی راہ میں کفار کے بچھائے ہوئے تمام کانٹوں کو وہ لیک

marfat.com

ایک کر کے ہٹاتے چلے گئے۔ ان کے غزوات کی ابتداء بدر سے ہوئی۔ قریش کا دستور تھا کہ پہلے فرداً فرداً جوان مقابلہ کے لیے نکلتے پھر عام لڑائی شروع ہوتی کفار کی طرف سے امیر لشکر عتبہ، ولید اور شیبہ مقابلہ کو نکلے جن کے مقابلہ میں تین انصاری نوجوان آئے لیکن کفار نے انصار کو کم تر سمجھتے ہوئے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا ہمارے ہمسر جوانوں کو مقابلہ میں لاؤ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کو مقابلہ میں بھیجا۔ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ کو واصل جہنم کیا اور حضرت علی نے ایک ہی وار میں ولید کو تہ تیغ کر دیا۔ دوسری طرف شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو گھائل کر دیا تھا۔ حضرت علی نے آگے بڑھ کر ایک وار کیا اور شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔

سیدتنا فاطمہ سے نکاح

غزوہ بدر کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا کہ وہ حضور کی محبوب صاحبزادی سے نکاح کی درخواست کریں۔ جب حضرت علی نے نکاح کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ عرض کیا ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ فرمایا گھوڑے کو جہاد کے لیے رکھو اور زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علی نے یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کی اور قیمت لا کر حضور کو پیش کر دی۔ حضور نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید کر لائیں۔ اس کے بعد خود نکاح پڑھایا اور خیر و برکت کی دعا دی۔ نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد رخصتی ہوئی۔ رخصتی کیوقت خاتونِ جنت کو جو جہیز ملا، اس کی کل کائنات یہ تھی۔ ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ یہی اثاثہ ساری عمر حضرت زہرا کے ساتھ رہا۔ اور حضرت علی اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دیگر غزوات

بدر کے علاوہ جن غزوات میں حضرت علی نے داد شجاعت دی ان میں غزوہ احد، غزوہ خندق، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے

marfat.com

جنگ، بنو سعد کی سرکوبی اور معرکہ خیبر شامل ہیں۔

مسلمان کئی روز سے قلعہ خیبر پر حملہ کر رہے تھے لیکن وہ فتح نہیں ہوا۔ آخر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔ وہ ایسا شخص ہوگا کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول کو اس سے محبت ہوگی۔ دوسرے دن تمام صحابہ سرکار کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ کون خوش قسمت ہے جس کو حضور فتح کا جھنڈا دیتے ہیں سب کے دل میں آرزو تھی سب طالب تھے اور سب کی نگاہیں سرکار کی جنبش لب کو ڈھونڈ رہی تھیں اور سرکار کی نگاہیں حضرت علی کو تلاش کر رہی تھیں۔ پوچھا علی کہاں ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا علی بیمار ہیں۔ فرمایا بلاؤ۔ حضرت علی آئے پوچھا کیا تکلیف ہے۔ عرض کیا آنکھیں دکھتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن حضرت علی کی آنکھوں میں ڈالا حضرت علی فرماتے ہیں کہ لعاب دہن پڑنے کی دیر تھی۔ ساری تکلیف جاتی رہی اور پھر کبھی دوبارہ آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جھنڈا عطا کیا اور فرمایا پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا اس کے بعد ان سے جنگ کرنا[1] یہ وہ موقع تھا جس سے حضرت علی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ اس موقع پر حضور کے طالب تھے اور حضور حضرت علی کے طالب تھے اور سرکار صحابہ کے اور حضرت علی سرکار کے مطلوب تھے۔

قلعہ خیبر کا وہ دروازہ جس کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکتے تھے حضرت علی نے ایک ضرب سے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ یہ حضرت علی کی قوت نہ تھی بلکہ اس وقت حضرت علی قوت یزدانی کے مظہر تھے اور اس قوت کے سیلاب کے سامنے قلعہ خیبر کا دروازہ تنکوں کی طرح بہتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

marfat.com

[1] شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳

مقامِ علی یوں تو تمام صحابہ حضور کے منظورِ نظر تھے اور خلفاءِ راشدین میں سے ہر ایک کی نمایاں خصوصیات تھیں لیکن حضرت علی کی بعض عظمتیں ایسی ہیں جن میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں"[۱]۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ علی میرے خاندان سے ہیں اور میرے کمالاتِ نبوّت کا ظہور علی سے ہوگا اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ علی کی ذات میری ذات میں گم ہو چکی ہے۔ میں علی کا آئینہ ہوں اور علی میرے جمال کا پرتو ہیں۔ جو میرا محب ہے وہ علی کا محب ہے اور جو علی کا مخالف ہے وہ میرا مخالف ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیرِ خم کے موقع پر پہنچے تو حضور نے حضرت علی کا ہاتھ اٹھا کر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمام مسلمان مجھے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر مومن مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا میں محبوب ہوں اس کے علی محبوب ہیں۔ اے اللہ اس سے محبت کر۔ جو علی سے محبت رکھے اے اللہ اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ بعد میں حضرت عمر کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا اے علی تمہیں مبارک ہو تم پر صبح اور شام میں سے کوئی وقت نہیں گزرتا مگر مومن کے دل میں تمہاری محبت ہوتی ہے[۲]۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علی کو بُرا بھلا کہا اس نے مجھ کو بُرا بھلا کہا۔

---

[۱] شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ ہجری، مشکوٰۃ صد ۵۶۴ .

[۲] مشکوٰۃ / مسند احمد / صد ۵۱۵ " " " "

marfat.com

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی مشابہت ہے یہود نے ان سے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی اور ان کو عبدیت کے منصب سے اتار لیا اور اس منصب پر فائز کر دیا جو ان کا منصب نہ تھا پھر حضرت علی نے فرمایا، دو فرقے میری ذات کے بارے میں عقائد بنا کر گمراہ ہو جائیں گے۔ ایک وہ جو مجھ سے محبت کرنے میں حد سے تجاوز کرے گا، دوسرا وہ جو مجھ سے بغض رکھے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حکمت کا گھر ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اور ایک روایت میں یوں ہے میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں دو بار حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا ایک بار جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو کفار کی امانتیں سپرد کرنے کا کام علی کو سونپ آئے دوسری بار جب غزوہ تبوک کے موقع پر تشریف لے گئے تو اہلِ مدینہ کی حفاظت کے لیے حضرت علی کو چھوڑ گئے جہاد میں شرکت سے محرومی اور حضور کی رفاقت میسر نہ ہونے کی بناء پر حضرت علی رنجیدہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو گا۔

اس حدیث میں حضرت علی کی دو عظمتیں ہیں کہ حضرت علی رنجیدہ ہوں تو حضور ان کو راضی کرتے ہیں۔ غور کیجیے کہ جب سرکار آزردہ ہوں تو رب کائنات انہیں راضی کرتا ہے اور جب علی آزردہ ہوں تو جناب رسالت مآب انہیں راضی

۱؎ شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ (مسند احمد) ص ۵۶۵
۲؎ " " " " " "
۳؎ " " " " " " ص ۵۶۴
۴؎ " " " " " " ص ۵۶۳

marfat.com

کرتے ہیں۔

دوسری عظمت اس وجہ سے ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو حضرت ہارون کے قائم مقام ہو لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی ان تمام اوصاف اور خصوصیات کے حامل تھے جو ایک نبی میں ہوتی ہیں لیکن چونکہ حضور خاتم النبیین ہیں اس لیے حضرت علی کو نبوت نہیں دی گئی۔

علامہ آلوسی بیان کرتے ہیں کہ حاکم وغیرہ نے سند متصل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ابن سلام اور ان کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے گھر دُور ہیں اور نہ اس مجلس کے سوا ہماری کوئی مجلس ہے ہماری قوم کو جب معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں تو وہ ہم سے قطع تعلق کر لیں گے ہمارے ساتھ بات چیت، اُٹھنا بیٹھنا نکاح وغیرہ تمام تعلقات منقطع کر لیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول تمہارا مددگار ہے۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ کچھ صحابہ قیام میں تھے اور کچھ رکوع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لوگوں میں سے ایک سائل کو دیکھا آپ نے پوچھا تمہیں کسی شخص نے کچھ دیا سائل نے کہا ہاں۔ چاندی کی ایک انگوٹھی۔ فرمایا کس نے دی ہے۔ اس نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس شخص نے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ حضور نے استفسار فرمایا! کس حالت میں دی ہ سائل نے کہا حالت رکوع میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ـــ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون المائدہ ۵۵ ـ "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں صدقہ دیتے ہیں۔"[1]

---

[1] علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی جلد ۶ صہ ۱۶۷

mahfat.com

اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کئی وجہ سے عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس آیت کا مصداق قرار دیا اور اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ثانیاً اس سے یہ معلوم ہوا کہ نگاہ رسالت میں حضرت علیؓ ایمان والے ہیں یوں تو سارے صحابہؓ ایمان والے ہیں لیکن جن کو خود سرکار فرمادیں کہ یہ ایمان والے ہیں۔ ان کے ایمان کی کچھ اور بات ہے۔ ثالثاً اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی مسلمانوں کے مددگار ہیں اور صرف ابن سلام کی قوم کے نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کے مددگار ہیں جیسے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ اسی طرح حضرت علی بھی قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ چنانچہ آج تک عرف عام میں حضرت علی کو مشکل کشا کہا جاتا ہے۔ رابعاً یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ لیکن ابھی تک اس کا مصداق نہیں پایا گیا تھا۔ حضرت علی نے حالت رکوع میں انگوٹھی کو صدقہ کیا۔ اور وحی الٰہی کی تصدیق کر دی۔ بھلا اس سے بڑھ کر حضرت علی کا مقام اور کیا ہوگا کہ وہ زبان رسالت سے وحی ربانی کے مصداق قرار پائے۔

عہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتہائی ابتر حالات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پورے دور خلافت میں ایک لمحہ بھی آرام نصیب نہیں ہوا۔ لوگ حکومت کو پھولوں کی سیج سمجھتے ہیں لیکن حضرت علی کے لیے یہ حکومت خار زار وادی سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔ حضرت علی ہی جانتے ہوں گے کہ اس وقت ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر کے خلاف انہیں صف آرا ہونا پڑا۔ جب جنگ جمل میں عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ اور زبیر جیسے بزرگ صحابہ کے خون سے قاتلوں کی تلواریں رنگین ہو رہی تھیں تو حضرت علیؓ کے دل پر کیسی چوٹ لگتی ہو گی جب جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ،

rekhta.com

اور دیگر متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے خلاف صف آرا ہوئے۔ جب دونوں طرف سے صحابہ اور تابعین کا خون بہہ رہا تھا۔ شہدا کا ڈھیر لگ رہا تھا اور جب فرزندانِ اسلام ایک دوسرے کے ہاتھوں کھیت ہو رہے تھے اس وقت حضرت علی کے قلب کی کیفیت کا کیا عالم ہوگا۔

ان جنگوں میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے نہ یہ ہمارا منصب ہے نہ ہم اس کے مکلف ہیں۔ جب ہم ان نفوسِ قدسیہ کے گرد راہ سے بھی کوئی نسبت نہیں رکھتے تو ان کے مابین حکم کیسے بن سکتے ہیں۔ کیا اس امت میں کوئی شخص ہے جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امیر المومنین حضرت علی کے اختلاف میں فیصل اور حکم ہو سکے اور حضرت عائشہ اور حضرت علی کو خود ساختہ مقدمہ میں فریق بنانے کی جسارت کر سکے ہمارے نزدیک تمام صحابہ محترم ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ ہوں یا فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کے بارے میں فرمایا ہے کُلًّا وعد اللہ الحسنیٰ۔ الحدید: ۱۰ اور اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے البتہ جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اس مناقشہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے صحت اور صواب پر مبنی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو خطاء لاحق ہوئی لیکن یہ اجتہادی خطاء تھی، اس خطاء کی بناء پر حضرت معاویہ کی شان کم کرنا یا ان کو بُرا کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کو اپنے اجتہاد پر اجر ملے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے محترم صحابی ہیں، آپ کے برادر نسبتی ہیں اور کاتب وحی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ہدایت پر قائم رہنے اور ہدایت دینے کی دعا کی ہے۔

(جامع ترمذی)

البتہ اس بات ________________

____

marfat.com

سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی خلیفہ راشد تھے۔ اور اپنے معاصرین صحابہ و تابعین میں وہ سب سے افضل اور برتر تھے۔ سب سے زیادہ محبوب تھے علم کا شعبہ ہو یا عمل کا عبادت و ریاضت، ہو یا سخاوت و شجاعت! اس دور میں کوئی شخص کسی شعبہ میں بھی حضرت علی کے ہمسر نہ تھا وہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ قد آور اور بلند و بالا شخصیت کے مالک تھے۔

شہادت

واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی کے بہت سے ساتھی آپ سے کٹ گئے اور علی الاعلان حضرت علی کی مخالفت کرتے تھے ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ دین کے معاملہ میں حکم مقرر کرنا سراسر کفر ہے چنانچہ یہ لوگ علانیہ حضرت علی، حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص کو کافر قرار دیتے تھے۔ یہ خارجی لوگ تھے انہوں نے ان تینوں بزرگوں کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما امت کی خوش قسمتی سے بچ گئے۔

اور یہ امت کی انتہائی بدنصیبی تھی کہ ابن ملجم نامی خارجی رمضان کی اکیسویں شب مسجد میں آکر سویا۔ فجر کے وقت جب حضرت علی نماز پڑھانے لگے۔ تو عین سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ کی گردن پر وار کیا اور اکیس ۲۱ رمضان بروز جمعہ چالیس ہجری کو علم و فضل، زہد و تقویٰ، شجاعت و سخاوت اور رشد و ہدایت کا یہ عظیم آفتاب غروب ہو گیا۔

ظاہری نگاہوں سے حضرت علی اوجھل ہو گئے۔ لیکن اہل باطن کے سامنے حضرت علی آج بھی رونق افروز ہیں اہل دل ان سے رابطہ رکھتے ہیں اولیاء اللہ ان سے فیض پاتے ہیں۔ کعبہ سے لے کر کوفہ کی جامع مسجد تک ان کی زندگی کا ہر دور لائق رشک اور قابل تقلید تھا۔ آج پھر گناہوں اور گمراہیوں کے اندھیروں میں حضرت علی کی سیرت کے چراغ جلانے کی ضرورت ہے۔ اس دور انحطاط میں مسلمانوں کے عروج کے لیے ایک بار پھر ضرب حیدری کی ضرورت ہے۔

---

marfat.com

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤقر صحابی، کاتب وحی الٰہی اور تمام مسلمانوں کے ماموں ہیں کیونکہ آپ کی ہمشیرہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں۔

آپ اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اور پچیس سال کی عمر کو پہنچ کر ۷ ہجری میں اس وقت اسلام قبول کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر قضا ہو جانے والے عمرہ کو ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد مروہ پہاڑ کے قریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کاٹنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اس وقت چونکہ آپ کے والدین ابوسفیان اور ہندہ اسلام نہیں لائے تھے اس لیے آپ نے ان کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ ۸ ہجری میں جب فتح مکہ کے بعد آپ کے والدین اور بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا ۸ ہجری میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شرکت کی۔

حضرت معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عام خط و کتابت اور قرآن کریم کی کتابت پر مامور تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعا دی اور فرمایا "اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے سبب سے لوگوں کو ہدایت دے" (ترمذی) حافظ ابن حجر عسقلانی نے

marfat.com

ابو یعلی کی سند کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے کہا ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے وضو سے فارغ ہو کر میری طرف دیکھا تو فرمایا" اے معاویہ جب تمہیں کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے تو اللہ تعالےٰ سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس وقت سے یقین ہو گیا تھا کہ مجھے حکومت کی ذمہ داری سونپی جائے گی۔

حضرت معاویہ کو اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بارگاہ میں یاد فرماتے تھے، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو ترسیٹھ احادیث روایت کی ہیں حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ واخیار تابعین آپ سے احادیث روایت کرتے تھے۔ (الاصابہ جلد ۳ صہ ۴۳۳، اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۳۸۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر نے جو لشکر شام کی طرف بھیجا تھا اس میں حضرت معاویہ اور آپ کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم دونوں شریک تھے۔ آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو حضرت ابو بکر نے چوتھائی فوج کا امیر مقرر کیا اور دمشق فتح ہونے کے بعد حضرت ابو بکر نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ حدود اسلامیہ میں یہ سب سے پہلے گورنر کا تقرر تھا جس کی سعادت اموی خاندان کو نصیب ہوئی۔ حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر رکھا۔ سترہ ہجری میں جب طاعون عمواس پھیلا تو حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کی وفات انیس ہجری میں فتح قیساریہ کے بعد ہوئی۔ بہر حال حضرت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شام کا علاقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

marfat.com

کی تحویل میں دے دیا اور حضرت عثمان کی شہادت تک سترہ یا پندرہ برس تک آپ نے شام کے علاقہ میں کامیاب حکومت کی۔ (البدایہ والنہایہ جز ۷، صہ ۹۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ میں خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے ان سے حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت تینتالیس[۴۳] سال پر محیط ہے انہوں نے جتنے طویل عرصہ تک جس قدر وسیع و عریض علاقہ پر کامیاب حکومت کی ہے وہ ان کے کسی پیشرو خلیفہ کے حصہ میں نہیں آئی۔ وہ پانچ سال حضرت عمر کے عہد میں دمشق کے گورنر رہے بارہ سال حضرت عثمان کے زمانہ میں پورے علاقہ شام کے گورنر رہے چھ سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں حکمراں رہے حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور تمام اسلامی ریاست کے وہ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے ان کے ایام حکومت میں اسلامی فتوحات مشرق اور مغرب میں تیز و تند سیلاب کی طرح بڑھتی جا رہی تھیں۔ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد انہوں نے بیس سال تک حکومت کی اور بیاسی سال کی عمر گذار کر بائیس رجب ساٹھ ہجری کو جمعرات کے دن اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس طرح انہوں نے سترہ ہجری سے لے کر ساٹھ ہجری تک مسلسل حکومت کی اور یہ صرف انہیں کا حصہ تھا۔

(البدایہ والنہایہ جز ۵ صہ ۹۵، جز ۸ صہ ۱۴۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ بہت حسین و جمیل شخص تھے۔ دراز قد اور گورا رنگ تھا ڈاڑھی میں سرخ اور سیاہ رنگ ملا کر خضاب کرتے تھے انتہائی بردبار، باوقار، فیاض اور عادل تھے۔ (البدایہ والنہایہ جز ۸ صہ ۱۱۸)

ابو اسحاق فزاری کی سند کے ساتھ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

marfat.com

روایت ذکر کی ہے کہ حضرت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے محمد! معاویہ کو سلام کیجئے اور انہیں نصیحت کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی پر امین ہیں اور کیا ہی خوب امین ہیں (البدایہ جزء ۸ صہ ۱۲۰) حضرت مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ کے پاس حضرت علی کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضرت معاویہ زار و قطار رونے لگے ان کی اہلیہ نے کہا کہ زندگی میں تو آپ ان سے لڑتے رہے اور شہادت کی خبر سن کر رو رہے ہیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ لوگوں نے آج کس قدر عظیم علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے۔

(البدایہ جزء ۸ صہ ۱۳۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنگ صفین سے واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا اے لوگو معاویہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرو یاد رکھو اگر تم نے معاویہ کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ لوگوں کے کندھوں سے ان کے سر اس طرح گریں گے جس طرح اندرائن کے پھل گرتے ہیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے لوٹے تو سفیان بن لیل نے ان سے کہا آپ نے مسلمانوں کو ذلیل کر دیا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ایسا مت کہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "شب و روز کا سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ حکومت معاویہ کے پاس چلی جائے گی" اور مجھے یقین ہو گیا کہ تقدیر الٰہی واقع ہو گئی ہے۔ لہٰذا میں نے دونوں جانب کے مسلمانوں کے درمیان خونریزی کو ناپسند کیا۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۸ صہ ۱۳۱)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ متعدد اسانید سے مروی ہے کہ ابو مسلم خولانی ایک جماعت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ تم علی سے جنگ کر رہے ہو کیا تم اپنے آپ کو ان کے ہم مرتبہ سمجھتے ہو۔

marfat.com

حضرت امیر معاویہ نے جواب دیا قسم بخدا مجھے یقین ہے کہ حضرت علی مجھ سے افضل اور برتر ہیں۔ اور میری نسبت حکومت کے وہ زیادہ مستحق ہیں لیکن کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عثمان مظلوماً شہید کیے گئے۔ اور میں ان کا چچا زاد ہوں۔ اور ان کے خون کے قصاص کا طالب اور ولی ہوں حضرت علی سے عرض کرو کہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کر دیں میں فوراً ان سے بیعت کر لوں گا (البدایہ والنہایہ جزء ۸ صہ ۱۲۹) حافظ ابن کثیر نے عتبی سے روایت کیا ہے کہ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اجتماع سے فرمایا "اے لوگو! میں تم سب سے افضل نہیں ہوں اور تمہارے درمیان وہ حضرات موجود ہیں جو مجھ سے برتر اور افضل ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر افاضل صحابہ کرام ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ میری حکومت تمہارے لیے زیادہ نفع آور، تمہارے دشمنوں پر زیادہ غالب اور تمہارے لیے زیادہ خیر کا موجب ہوگی۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۸ صہ ۱۳۴)

حافظ ابن کثیر نے یعقوب بن سفیان کی سند کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نور کا ایک ستون دیکھا جو میرے سر کے نیچے سے بلند ہوتا ہوا ملک شام پر جا کر ٹھہر گیا اور عبدالرزاق کی سند کے ساتھ بیان کیا کہ ایک شخص نے جنگ صفین کے دن کہا اے اللہ! اہل شام پر لعنت کر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا اہل شام پر لعنت نہ کرو اور تین بار مگر کہا وہاں ابدال ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جزء ۸ صہ ۲۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کے لیے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کے بارے میں فرمایا کہ ان کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا عمار اس گروہ کو جنت کی دعوت دیں گے۔ اور وہ عمار کو جہنم کی طرف بلائیں گے۔" اور حضرت عمار حضرت علی کی جانب سے

marfat.com

لڑتے ہوئے حضرت معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ باغی تھے۔

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں یہ حدیث اسی طرح درج ہے لیکن امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے عمار لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دیں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اس روایت میں تقتلک الفئۃ الباغیہ "تم کو باغی جماعت قتل کرے گی کے الفاظ نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بزار کی سند کے ساتھ جو صحیح مسلم کی شرط پر ہے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ نہیں سُنے۔ اسی لیے امام بخاری نے اپنی صحیح سند میں یہ الفاظ درج نہیں کیے۔ اس تحقیق کے پیش نظر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں جن احادیث میں "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" (تم کو باغی گروہ قتل کرے گا) کی زیادتی ہے وہ مدرج ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہیں۔ بلکہ راویوں نے اپنی طرف سے یہ زیادتی حدیث میں ملا دی ہے۔ (فتح الباری جلد ۲ صہ ۸۹) جب یہ ثابت ہو گیا کہ اصل حدیث یوں ہے۔" عمار لوگوں کو جنت کی دعوت دیں گے اور وہ ان کو دوزخ کی" تو اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ مشرکین کی طرف متوجہ ہے یعنی حضرت عمار مشرکین کو جنت کی دعوت دیں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

نیز قرآن کریم میں ہے وقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیئ الی امر اللہ۔ الحجرات ۹ باغی گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغی ہوتے تو حضرت علی پر لازم تھا کہ وہ ان سے مسلسل جنگ کرتے یہاں تک کہ وہ حضرت علی کی خلافت کو مان لیتے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ جنگ موقوف کر دی اس

marfat.com

سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک حضرت معاویہ باغی نہیں تھے۔ ورنہ فاتح خیبر اور اسد اللہ الغالب ان سے کبھی جنگ موقوف نہ کرتے بلکہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق اخیر دم تک ان سے لڑتے رہتے یہانتک کہ یا کامیاب ہو جاتے یا راہ حق میں شہید ہو جاتے۔

قرآن کریم کی اس نص صریح اور بخاری کی صحیح روایت اور مسند بزار کی تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ معاذ اللہ باغی نہ تھے بلکہ مجتہد تھے اور "من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا۔ "جو شخص مظلوماً شہید ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کا حق دیا ہے" کے بموجب قصاص عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد و پیش مالک اشتر، کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر اور ان کے حامیوں کا زبردست جتھہ تھا اور یہ وہی لوگ تھے جن کے ہاتھ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے رنگین تھے۔ اور ان کی بھاری جمعیت حضرت علی کے چاروں طرف تھی۔ان حالات میں حضرت علی کے لیے قصاص عثمان لینا ممکن نہ تھا بہرحال حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابہ اور مجتہد تھے اور آسمان علم کے آفتاب اور ماہتاب تھے اور بعد کے لوگ جو علم و فہم میں ان کی گرد راہ کے برابر بھی نہیں ہیں ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان میں سے کسی فریق کو خطا وار قرار دے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت علی ہر میدان اور ہر شعبہ میں حضرت معاویہ سے ہزار بار افضل تھے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کو اس قمیص میں کفن دیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنائی تھی اور اس قمیص کی اندرونی جانب ان کے جسم کے ساتھ ملا دی جائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تراشیدہ ناخن مبارک تھے ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں اور منہ

marfat.com

پر رکھ دیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طرح کفن دینے کے بعد مجھے ارحم الراحمین کی بارگاہ میں اکیلا چھوڑ دینا۔

(اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۳۸۷)

marfat.com

مسائل کلامیہ

۱۶۔ اہل سنت وجماعت کی تعریف

۱۷۔ مسئلہ تقدیر

۱۸۔ اعجاز و کرامت

marfat.com

اہلسنّت وجماعت کی تعریف

اہلسنت وجماعت اس ملک کی غالب اکثریت کا نام ہے جس کو سواد اعظم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور مسلک اہل سُنت وجماعت کے حامل عرف عام میں سُنی کہلاتے ہیں. لیکن عام لوگ نہیں جانتے کہ ان کو اہلِ سُنت وجماعت کیوں کہتے ہیں اور دوسرے فرقوں کی شرعی حیثیت کیا ہے. وہ کب سے اور کیسے وجود میں آئے۔ان کا تاریخ میں کیا مقام ہے ؟

اہل سنت وجماعت اور دوسرے فرقوں کے درمیان حد فاصل کیا ہے. مسلمانوں کی جماعت عامہ سے ہر دور میں کچھ لوگ نئے عقائد بنا کر سواد اعظم سے کٹ کر ایک فرقہ کی شکل اختیار کرتے رہے ان میں سے مشہور فرقے کون سے ہیں اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ان تمام باتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے سعیدی

اہل سُنّت وجماعت کا عنوان قرآن کی روشنی میں

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس دین متین کو لے کر آئے۔ اللہ عزوجل نے اس دین کو قیامت تک کی نسل انسانی کے لیے لازم قرار دے دیا۔ اس دین متین کا نام اسلام رکھا اور صاف اعلان فرمایا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ال عمران:۵ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور

marfat.com

دین کو اختیار کرے گا۔ اس کا وہ اختیار کردہ دین ہرگز ہرگز بارگاہِ الوہیت میں مقبول نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کو روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ نے تمام دنیا والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جو لوگ سلیم الفطرت تھے انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور جو شقی القلب تھے انہوں نے اس دعوت کو رد کر دیا۔

اسلام کیا ہے؟ اس کی آسان اور سادہ تعبیر یہ ہے کہ حضور نے جو کچھ دیا وہ اسلام ہے جس کام کو دیکھ کر اس سے منع نہ کیا وہ اسلام ہے اور جس کام سے روک دیا وہ اسلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ الحشر: ۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا تم کو حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

نیز فرمایا:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم۔ آل عمران ۳۱

"اے محبوب ان سے فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع اور پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا اور اس حکم کی مزید تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا:"

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ط الاحزاب: ۲۱

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے نظام حیات کے ہر شعبہ میں عمل کے لیے کامل ترین نمونہ ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نگاہِ نبوت سے تربیت پائی۔ فیضان رسالت سے اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول کے سانچہ میں ڈھالا، خاندانی روابط والدین کی الفت، اولاد کی محبت، مال و دولت اور وطن سے تعلق کوئی چیز ان کے

marfat.com

لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکی ہر امتحان اور ہر ابتلا میں وہ کامیاب اور سرخرو رہے۔ ان کی اطاعت اور اتباع اللہ کی بارگاہ میں اس درجہ مقبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے صحابہ کرام کے چلن اور ان کی طرز زندگی کو معیار حق قرار دیا اور ان کی اتباع پر اپنی رضامندی اور فوز و فلاح کو موقوف فرما دیا۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجری تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم ط التوبة: ۱۰۰

"جن لوگوں (صحابہ کرام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور آپ کی نصرت میں پہل کی اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آنے والے) لوگ ان (یعنی صحابہ کرام) کی اچھے طریقے سے اتباع کریں گے ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ عظیم کامیابی ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واشگاف طریقے سے بتلا دیا ہے کہ اگر بعد کے مسلمان فوز و فلاح، جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ صحابہ کرام کی اتباع بالاحسان کریں۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی ہے اس لیے قرآن کریم کی روشنی میں درحقیقت مسلمان کہلانے کا وہی مستحق ہے جو سنت رسول اور جماعت صحابہ کے طریقے سے وابستہ ہو یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی صحیح تعبیر اور تشریح اہل سنت وجماعت ہے یعنی وہ لوگ جو حامل سنت رسول ہوں اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

marfat.com

اہلِ سُنت وجماعت کا عنوان حدیث کی روشنی میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکثرت احادیث طیبہ میں آنے والی نسلوں کے سُنت رسول اور جماعت صحابہ کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق اور حاصل اسلام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وصال کے بعد تم لوگ اختلاف کثیر دیکھوگے اس موقع پر تم میری سُنت اور خلفاء راشدین کی سُنت پر عمل کو لازم کر لینا اس طریقہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا۔

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمادی ہے کہ اختلاف کے مواقع میں صاف صحیح اور صریح ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اور جماعت صحابہ کی اتباع اور پیروی میں منحصر ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں منقسم ہو گی اور ان میں سے ایک فرقہ کے سوا سب جہنمی ہوں گے صحابہ کرام نے پوچھا حضور وہ کون سا فرقہ ہو گا آپ نے فرمایا جو میری سنت کا حامل اور میرے صحابہ کے طریقہ سے وابستہ ہو گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نگاہِ رسالت میں مسلمانوں کے متعدد فرقوں اور گروہوں میں وہی فرقہ راشدہ اور مرشدہ ہے جو اہل سنت وجماعت ہے۔

سُنت کے عنوان پر یہ دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ اپنی اپنی اسانید سے بیان کرتے ہیں۔ عن انس بن مالک ..... فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

marfat.com

اور بالخصوص صحابہ کرام کے طریقہ کی اتباع یعنی عنوان جماعت پر یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

محدث زرین بن معاویہ متوفی ۵۲۵ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. ید اللہ علی الجماعۃ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ بیان فرماتے ہیں۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... علیکم بالجماعۃ والعامۃ۔

حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کے ساتھ وابستگی لازم رکھو اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... اثنان وسبعون فی النار وواحد فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔

حضرت معاویہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ فرقہ جماعت صحابہ پر ہوگا

الحمد للہ العزیز آفتاب سے روشن تر طریقہ سے ثابت ہوگیا کہ مسلک اہلسنت وجماعت کا عنوان کتاب وسنت کے موافق اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کے عین مطابق ہے۔

سُنت کی تشریح

مسلک اہلِ سُنت وجماعت کی توضیح اور تشریح کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سنت کے مفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمراد بالسنۃ الطریقۃ المسلوکۃ — سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر

marfat.com

فی الدین وشرائع الاسلام ولو کانت فرضا او واجبا. المعات ج ۱ صہ ۲۳۲

کر دیا گیا جس کو شریعت اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ فرائض ہوں یا واجبات۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے عمل کے لیے جس راہ کو متعین کر دیا ہے اس راہ کو سُنت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس تعریف میں تعین عمل کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس قید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال خارج ہو گئے جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد کے احکام یا اعمال سے منسوخ کر دیا مثلاً نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین۔ آمین بالجہر یا صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا وغیرہا اور ہمارے عمل کے لیے اس لیے کہا ہے کہ اس تعریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال خارج ہو جائیں جو حضور کی خصوصیات ہیں اور ہمارے لیے جائز نہیں مثلاً تہجد کی فرضیت، صوم وصال، بیک وقت نو ازواج مطہرات کا نکاح میں رکھنا وغیرہ۔ سُنت کی وضاحت کے بعد یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ حدیث کا مفہوم سُنت سے عام ہے حدیث کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول، فعل اور حال پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماضی اور مستقبل کی جو خبریں دی ہیں وہ بھی حدیث ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءِ اسلام میں شراب پینے کو مباح رکھا وہ بھی حدیث اور بعد میں منع فرما دیا وہ بھی حدیث ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات ہیں وہ بھی سب احادیث ہیں۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ ایک مسلمان عامل سُنت تو ہو سکتا ہے کیونکہ سنت کا مفہوم ہی یہی ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے لیکن ایک مسلمان کبھی بھی عامل بالحدیث نہیں ہو سکتا کیونکہ احادیث میں پچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے بعض پر عمل کرنا جائز نہیں ہے احادیث میں وہ اعمال بھی بیان کیے گئے ہیں جن کو بعد میں منسوخ کر دیا۔ مثلاً حدیث میں نماز میں گفتگو کرنے کا بھی ذکر ہے اور سکوت کا بھی اور ظاہر ہے کہ دونوں حدیثوں پر عمل نہیں

maktabah.com

ہوسکتا اسی طرح احادیث میں ۔ ۔ ۔ ۔ حضور کی خصوصیات کا بھی ذکر ہے اور ان پر ہمارے لیے عمل کرنا مشروع نہیں ہے اس تفصیل سے آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہوگیا کہ تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ تمام سنن پر عمل کرنا ممکن ہے اس لیے ایک مسلمان اہلسنت تو ہوسکتا ہے اہل حدیث کبھی نہیں ہوسکتا یہی سبب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ احادیث کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے مثلاً فرمایا فیبلغ الشاھد الغائب (بخاری) مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں کو میری احادیث پہنچادے اس کے برخلاف سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً فرمایا :۔

علیکم بسنتی (ترمذی)	میری سنت پر عمل کو لازم رکھو (ترمذی) جس نے میری
من رغب عن سُنتی فلیس مِنّی (بخاری)	سنت سے منہ موڑا وہ میری امت میں سے
من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت	نہیں ہے (بخاری) جس شخص نے میری کسی ایسی سنت
بعدی فان لہٗ من الاجر مثل اجور	پر عمل کرکے اس کو زندہ کیا ہو جس کو لوگ ترک
من عمل بہا من غیران ینقص من	کرچکے ہوں تو اس سنت پر عمل کرنے والے کے بعد
اجورھم شیئاً۔ (الحدیث ترمذی)	کے تمام لوگوں کا اجر ملے گا اور ان کے اجر میں
	بھی کمی نہیں ہوگی ۔ (ترمذی)

بہرحال روایت اور درایت ہر دو طریق سے واضح ہوگیا کہ ایک مسلمان اہل سنت تو ہوسکتا ہے لیکن اہل حدیث کسی حال میں نہیں ہوسکتا۔

استدراک

بعض کتب حدیث یا شرح کتب حدیث یا موضوع حدیث سے متعلق کسی بھی کتاب میں اہلحدیث کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اس لفظ سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ اہل حدیث کسی مسلک کا عنوان ہے یا اس کے حاملین کا نام ہے بلکہ اس جگہ اہل حدیث سے حضرات محدثین مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو مشتغل بالحدیث ہوتے ہیں اس قسم کی کسی کتاب میں لفظ اہل حدیث سے عامل بالحدیث مراد نہیں ہوتا بلکہ لفظ اہل حدیث سے مشتغل بالحدیث ہی مراد ہوتا ہے۔

marfat.com

مسلک اہل سُنت وجماعت کی خصوصیات

متکلین نے بیان کیا ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں، عقائد قطعیہ اور عقائد ظنیہ۔ اس اعتبار سے حضرات اہل سُنت وجماعت کی اصول وفروع میں جو خصوصیات ہیں ان کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

عقائد قطعیہ اللہ عزوجل کی ذات کو وجوب وجود، استحقاق عبادت اور استقلال بالصفات میں واحد بلاشریک ماننا اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے حسن وکمال کو واجب اور نقص اور عیب مثلاً کذب اور جہل کو محال ماننا، یہ ماننا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں اس کا نیکو کاروں کو ثواب عطا فرمانا محض اس کا فضل ہے اور عذاب دینا اس کا عدل ہے۔

تمام فرشتوں، کتابوں، انبیاء اور رسل پر ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا، قیامت، حشر ونشر اور جزاء وسزا پر ایمان رکھنا مرتکب کبیرہ گناہ کو مسلمان اور قابل عفو سمجھنا انبیاء اور ملائکہ معصوم ہیں ان کے سوا کسی کی عصمت ثابت نہیں وغیرہ

عقائد ظنیہ انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت، حضور کا تمام انبیاء سے افضل ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے تمام اعمال پہ گواہ ہونا جس کو حاضر وناظر سے تعبیر کیا جاتا ہے حضور پر نور کا اطلاق کرنا، حضور کا سایہ نہ ہونا، حضور کو شرعی اور تکوینی امور کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوض کیا جانا، حضور کو ماکان ومایکون کا عالم جاننا، حوائج اور مشکلات میں حضور سے استمداد اور یارسول اللہ کہنے کو جائز سمجھنا، حضور سے دنیا اور آخرت میں شفاعت کو جائز سمجھنا حضرت ابوبکر کی تمام صحابہ پر افضلیت اور خلفاء راشدین کی خلافت علی الترتیب کو حق اور فضیلت کا معیار سمجھنا۔ خلیفہ کے تقرر کو حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق جائز سمجھنا۔

موزوں پہ مسح کرنا، تمام صحابہ، ازواج مطہرات، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

سادات کرام اور اولیاء اللہ کا تعظیم سے ذکر کرنا۔ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا۔ ان کے توسل سے دعا مانگنا ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں مثلاً سوئم، چہلم عرس وغیرہ بطور استحباب کرنا۔ حضور کا ذکر بعنوان میلاد شریف بطور استحسان کرنا۔ پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے بعد استحبابا صلوٰۃ و سلام پڑھنا وغیر ھا من الاعمال الفرعیۃ۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف

امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ یہ تمام ائمہ کرام مسلک اہل سُنت و جماعت کے حامل تھے۔ سواد اعظم کی اکثریت انہیں کے ساتھ تھی۔ مذکورۃ الصدر اصول اور فروع میں یہ تمام ائمہ متفق تھے۔ بعض فقہی جزئیات میں ان ائمہ کرام کا اختلاف تھا یہ اختلاف بالکل نیک نیتی کے ساتھ تھا یہ وہی اختلاف ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ، اختلاف امتی رحمۃ۔ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے"۔

اس اختلاف کا ایک عام سبب یہ تھا کہ ہر امام کا ایک الگ اصول تھا مثلاً ایک مسئلہ میں اگر متعدد، مختلف اور متعارض احادیث وارد ہوں تو اس صورت میں امام شافعی قوت سند کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں۔ امام مالک اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس پر اہل مدینہ کا تعامل ہو۔ امام احمد بن حنبل ایسی صورت میں متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ ایسی صورت میں تمام متعارض احادیث کو سامنے رکھ کر منشاءِ رسالت تلاش کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جس میں تمام متعارض احادیث جمع ہو جائیں اور ہر حدیث کا الگ الگ محمل متعین ہو جائے۔

اسلام کے متعدد مشہور فرقے

حضرت علی کے دور خلافت کے اوائل میں تمام ملت اسلامیہ ایک مرکز اور ایک مسلک پر جمع تھی اور یہ تمام حضرات مسلک اہل سنت و جماعت کے حاملین

marfat.com

تھے۔ بعد میں پھر لوگ نئے عقائد کو وضع کر کے اہل سنت سے علیحدہ ہوتے رہے۔

خوارج جنگ صفین کے زمانہ میں جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اپنے اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لیے دو آدمیوں کو حکم مقرر کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس زمانہ میں حضرت علی کے حامیوں میں سے ایک گروہ اس بات پر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کے بجائے انسانوں کو فیصلہ کرنے والا مان کر آپ کافر ہو گئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے مزاج میں بتدریج شدت آتی گئی یہ لوگ خوارج کہلائے ان کے خاص خاص نظریات یہ ہیں۔

۱۔ ان لوگوں کے نزدیک حضرت عثمان اخیر عہد میں عدل و انصاف سے منحرف ہو گئے حضرت علی مرتکب کبیرہ ہو کر کافر قرار پائے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شامل ہونے والے لوگوں کو یہ گناہ عظیم کا مرتکب جانتے تھے۔

۲۔ ان کے نزدیک جو مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بلا توبہ مر جائے وہ کفر پر مرا۔

۳۔ یہ لوگ قانون اسلامی کی اساس صرف قرآن کریم کو جانتے تھے اور حدیث کو حجت نہیں مانتے تھے۔

۴۔ خوارج اپنے سوا دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر گردانتے تھے ان کے قتل کو جائز اور ان کا مال لوٹنا مباح سمجھتے تھے۔

شیعہ:۔ حضرت علی کے حامی ابتداً شیعان علی کہلاتے تھے لیکن یہ لوگ بتدریج اہلسنت وجماعت کے عقائد سے نکل کر ایک الگ فرقہ کی شکل اختیار کرتے گئے ان کے مخصوص عقائد درج ذیل ہیں۔

۱۔ امام (خلیفہ) کا مقرر کرنا امت کے انتخاب کی طرف مفوض نہیں ہے بلکہ رسول کا فرض ہے کہ وہ امام کو مقرر کر کے جائے۔

۲۔ ان کے نزدیک امام کا معصوم ہونا ضروری ہے ہر امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے بعد اپنا جانشین مقرر کرے۔

۳۔ حضرت علی کو وہ امام معصوم اور منصوص جانتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت

marfat.com

کو باطل اور ان کو غاصب قرار دیتے ہیں۔

۴۔ چند صحابہ کے سوا باقی تمام صحابہ کو کافر، مرتد اور منافق خیال کرتے ہیں اور انکو سب و شتم کرنا عبادت گردانتے ہیں۔

۵۔ شیعہ حضرات کے بہت سے فرقے ہیں ان میں سے بعض قرآن کریم میں تحریف کے معتقد ہیں شیعہ حضرات سواد اعظم اہل سنت کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی اقتداء میں نماز کو جائز نہیں سمجھتے۔

مرجیہ :۔ خوارج اور روافض کے انتہائی متضاد نظریات کے برعکس اس کے ردعمل میں ایک تیسرا طرز فکر پیدا ہوا یہ لوگ بھی مختلف نظریات اختیار کرکے سواد اعظم اہل سنت وجماعت سے علیحدہ ہوگئے ان کے عقائد اس قسم کے تھے۔

۱۔ ایمان صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا نام ہے۔

۲۔ نجات کا مدار صرف ایمان پر ہے کسی قسم کی معصیت مسلمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ صرف شرک سے مجتنب ہونا اور ایمان پر مرنا مغفرت کے لیے کافی ہے۔

معتزلہ :۔ دولت عباسیہ کے اوائل میں عرب اور عجم کی آویزش اور یونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے کے نتیجہ میں فرقہ معتزلہ کا ظہور ہوا اس فرقہ کے بانی واصل ابن عطا متوفی ۱۳۱ھ اور عمرو بن عبید متوفی ۱۴۵ھ تھے ان کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ انسان کے حق میں جو کام مفید ہو وہ کرے۔

۲۔ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

۳۔ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔

۴۔ قرآن کریم مخلوق ہے۔

۵۔ گناہ کبیرہ کے لیے شفاعت جائز نہیں۔

۶۔ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔

۷۔ عذاب قبر اور حساب و کتاب کا ماننا عبث ہے۔

۸۔ جنت اور دوزخ کو ابھی پیدا نہیں کیا گیا۔

marfat.com

۹۔ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ صالحین کو ثواب عطا کرے۔

۱۰۔ جو شخص گناہ کبیرہ کرے اور بلا توبہ مر جائے وہ مسلمان نہیں ہے۔

ظاہریہ (غیر مقلدین) اس فرقہ کے بانی ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بالظاہری تھے۔ داؤد ظاہری ابتداً امام شافعی کے حامی تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنا ایک مذہب ایجاد کیا جس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب و سُنّت پر عمل کرتے ہیں اگر نص نہ ملے تو اجماع پر عمل کر لیتے ہیں اور قیاس کے مطلق قائل نہیں ہیں۔

داؤد ظاہری بعض فقہی مسائل میں جمہور سے منفرد ہیں مثلاً

۱۔ طلاق صرف ان لفظوں سے واقع ہوتی ہے۔ طلاق، اور فراق۔

۲۔ تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔

۳۔ اگر کوئی شخص بیوی کی غیر موجودگی میں اسے طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی۔

داؤد ظاہری کے پیروکاروں میں آہستہ آہستہ شدت آتی گئی حتیٰ کہ بعد میں غیر مقلد حضرات علی الاعلان تقلید شخصی کو حرام کہنے لگے۔

وہابیہ :۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ مسیلمہ کذاب کی جائے پیدائش عیینہ میں پیدا ہوئے ان کے مزاج میں بہت شدت تھی انہوں نے اپنے زمانے کے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ چھ سو سال قبل سے یہ امت کفر اور شرک میں مبتلا ہے جس شخص سے بیعت لیتے اس سے اقرار کراتے کہ وہ بھی کافر ہے اور اس کے آباؤ اجداد بھی کفر پر مرے۔ انہوں نے صحابہ کرام کے مزارات منہدم کرا دیئے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، چنانچہ علی طنطاوی متوفی ۱۳۵۸ھ نے لکھا ہے امام محمد فھو صاحب الدعوۃ التی عرفت بالوھابیہ محمد بن عبد الوہاب شیخ نجدی نے جس تحریک کی طرف دعوت دی وہ عرف عام میں وہابیت کہلائی۔

اس مذہب کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء اور رسل کے وسیلہ سے دعا مانگنا کفر ہے۔

marfat.com

۲۔ یا رسول اللہ کہنا اور انبیاء و رسل سے استمداد کرنا شرک ہے۔
۳۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے وہ اسلام سے خارج ہو گیا اور اس شخص کو قتل کرنا اور اس کے اموال کو لوٹنا جائز اور مباح ہے۔

اسماعیل دہلوی متوفی ۱۸۳۱ھ مسلکاً غیر مقلد تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں شیخ نجدی کے افکار کو پھیلایا چنانچہ مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے۔

جس نے کسی کام میں فیل ہونے پر افسوس نہیں کیا اور ہمیشہ اپنا کامل بھروسہ خداوند حقیقی پر رکھا، وہ پیارا شہید تھا جس نے ہندوستان میں عبدالوہاب کی طرح شریعت محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا۔ احیات طیبہ صـ ۲۸۵

چنانچہ ہندوستان کے تمام غیر مقلدین نے مسلک وہابیہ کو اپنا لیا اور اب یہ لوگ اپنے آپ کو خود وہابیہ سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے اپنے مسلک کی وضاحت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام انہوں نے "ترجمان وہابیہ" رکھا۔

دیوبندیہ جناب قاسم نانوتوی دیوبندی نے ۱۲۸۳ھ میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی نانوتوی صاحب، رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے اور اسماعیل دہلوی کے افکار سے متاثر تھے اس لیے ان کا وہابی عقائد سے متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ ان کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کے سبب آپ کی عظمت کے اظہار کے لیے جس قدر مستحب کام کئے جائیں یہ ان سب کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں۔
۲۔ سواد اعظم اہلسنت وجماعت کی اقتداء میں نماز کو ناجائز سمجھتے ہیں۔
۳۔ فروع میں بالعموم مسلک حنفی کی پیروی کرتے ہیں لیکن بعض جزئیات میں غیر مقلدین کے ہم نوا ہیں۔ مثلاً غائب کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ اقامت کے وقت

marfat.com

حی علی الصلوٰۃ تک بیٹھنے کا انکار کرتے ہیں اسی طرح اذان کے بعد تثویب کے بھی قائل نہیں ہیں۔

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی ہیں ان کی کتابوں کے پڑھنے سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مودودی صاحب کے سوا کوئی شخص خامیوں سے پاک نہیں ہے اللہ تعالےٰ پر تو خیر مودودی صاحب نے مہربانی فرمائی ہے۔ ورنہ ملت اسلامیہ کے عام افراد سے لے کر انبیاء علیہم السلام تک ہر شخص ان کی تنقید کے نشانے کی زد پر ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں انہوں نے خامیاں تلاش کی ہیں اور ان پر خدا خوفی سے بے نیاز ہو کر تنقید کی ہے۔ البتہ ایک مودودی صاحب کی ذات ستودہ صفات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان کو اپنی ستر سال سے زائد زندگی میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جو بات ایک بار لکھ دی ہے کبھی اس کو غلط تسلیم نہیں کیا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں ان کے سامنے انبیاء علیہم السلام میں خامیاں بیان کیجئے ان کے ابرو پر شکن نہیں آئے گی صحابہ کی تنقیص کیجئے ان کو پروا نہیں ہوگی۔ مجدد دین اور اولیاء کرام کی توہین کیجئے وہ سن لیں گے لیکن مودودی صاحب کی کسی کتاب کے ایک فقرہ یا ایک لفظ کو بھی غلط کہا تو وہ آگ بگولا ہو جائیں گے اور آپ سے مناظرہ اور مجادلہ کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے۔

ذیل میں ہم انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام اور خود مودودی صاحب کے بارے میں ان کی بعض عبارتیں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر بھی نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے حضرت نوح کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جان جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارے سے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ

marfat.com

انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اسکو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے۔ محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہوکر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضی ہے۔ (تفہیم القرآن سورہ ہود)

۲۔ نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا (رسائل مسائل جلد ا صہ ۳ طبع دوم)

۳۔ اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرات پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے کہ لاتتبع الھویٰ۔ (تفہیمات جلد صہ ۱۶۱ طبع پنجم)

۴۔ یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندی درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن)

۵۔ تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا (تفہیم القرآن سورہ یونس)

۶۔ حضور کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔

(رسائل مسائل حصہ اول)

marfat.com

۷۔ جب یکایک غار حرا کی اس تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربہ سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لا محالہ ایسے حالات میں ایک بشر پر طاری ہونی چاہیئے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضور کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے جنہوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کہیں مجھے سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا ہے۔ الخ (سیرت سرورِ عالم جلد ۲ صـ ۱۳۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ علق کی ابتدائی آیات جبرئیل نے نازل کر دیں اور مودودی صاحب کے نزدیک حضور کو اب بھی اپنے نبی ہونے کا یقین نہیں ہوا یہ ایسی عبارت ہے جس سے اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تیئیس سال تک لگاتار یہی جبرئیل اسی قرآن کو لے کر آتا رہا جب یہ ابتداً یقین کا موجب نہ تھا تو بعد میں حضور نے کس سبب سے اپنی نبوت کا یقین کر لیا اور جب خود حضور کو اپنی نبوت کا یقین نہ تھا تو کسی اور کو کیسے آپ کی نبوت کا یقین ہو گا۔ (سعیدی)

۸۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیئے اور اس انتظار میں مراقبہ کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے تو غار حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعوے کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے سامنے پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں، ذرا دل ٹھہرتا ہے تو ہجکچکے سے بتاتے ہیں کہ آج غار حرا کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گذرا ہے۔ معلوم نہیں، کیا ہونے والا ہے۔ مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ

marfat.com

کیفیت نبوت کے کسی امیدوار سے کس قدر مختلف ہے۔
پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی، اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے اگر ان کے تجربہ میں پہلے سے یہ بات آئی ہوتی میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا وہ کہتیں کہ میاں گھبراتے کیوں ہو جس چیز کی مدتوں سے تمنا تھی وہ مل گئی چلو اب پیری کی دکان چمکاؤ میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔

(سیرت سرور عالم جلد۲ صہ ۱۴۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کا پہلے سے علم تھا یا نہیں یہ تو الگ بحث ہے لیکن مودودی صاحب کی اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت بہر حال پیری کی دکان چمکانے اور نذرانے سنبھالنے سے زیادہ مقام نہیں رکھتی۔ (سعیدی)

۹۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت و ملوکیت صہ ۱۱۶)

۱۰۔ حضرت علی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابوبکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے۔

قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے حضرت علی کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (خلافت و ملوکیت صہ ۱۴۶)

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کے بارے میں قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیا کہ مودودی صاحب کو ان تمام نفوس قدسیہ میں خامیاں اور غلطیاں نظر آتی ہیں اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ خود اپنی ذات کے بارے میں ان کا کیسا نظریہ ہے۔

خدا کے فضل سے میں کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا اور کہا کرتا ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے تول تول کر کہا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ بندوں کو۔ چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا۔

(رسائل ومسائل حصہ اول ص۳۰۶ طبع دوم)

۲:- جماعت اسلامی کل پاکستان چار روزہ کانفرنس (۲۵ تا ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء)
مودودی صاحب نے اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔
میں اپنے سب مخلص بھائیوں کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے مجھے کسی مدافعت کی حاجت نہیں ہے۔ میں کہیں خلاء میں سے یکایک نہیں آگیا ہوں۔ اس سرزمین میں سالہا سال سے کام کر رہا ہوں۔ میرے کام سے لاکھوں آدمی براہِ راست واقف ہیں میری تحریریں صرف اسی ملک میں نہیں دنیا کے اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی ہیں اور میرے رب کی مجھ پر یہ عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے۔ (روزنامہ مشرق لاہور ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۳ء)
یہ ہے جماعت اسلامی کی تحریک کا خلاصہ گویا صرف اللہ تعالیٰ اور مودودی صاحب ہی خامیوں اور غلطیوں سے محفوظ ہیں۔

ہم نے سابقہ صفحات میں جن مشہور فرقوں کا ذکر کیا ہے خوارج سے لے کر جماعت اسلامی تک یہ سب سواد اعظم اہلسنت وجماعت سے کٹ کٹ کر مختلف گروہوں کی شکل اختیار کرتے رہے۔ بعض فرقے ان میں سے فنا ہو گئے۔

marfat.com

اور بعض کسی نہ کسی شکل میں اب تک موجود ہیں۔

سواد اعظم اہل سنت وجماعت سے علیحدہ ہونے والے فرقے ہر دور میں اہلسنت وجماعت کو اپنے طعن وتشنیع کا ہدف بناتے رہے خوارج نے اہل سنت وجماعت کو کافر کہا حضرت علی کی توہین کی۔ روافض نے اہلسنت وجماعت کے بزرگ رہنماؤں یعنی صحابہ کرام پر تبرا کیا۔ معتزلہ نے انہیں ایمان سے خارج کیا وہابیہ نے ان کو مشرک گردانا۔ دیابنہ نے ان کو گمراہ اور بدعتی قرار دیا۔ لیکن اہل سنت وجماعت کا قافلہ ان تمام دشنام طرازیوں سے صرف نظر کر کے اپنا سفر طے کرتا رہا حتیٰ کہ اہلسنت وجماعت نے عمومی طور پر مسلمانوں کے کسی فرقہ کی تکفیر نہیں کی۔

اہلسنت وجماعت نے سواد اعظم ہونے کے باوجود ہمیشہ وسعت ظرف سے کام لیا دیگر اقلیتی فرقے ہر دور میں جب بھی کسی نہ کسی مسند اقتدار پر پہنچے انہوں نے اہل سنت وجماعت کے مفاد کو نقصان پہنچایا پاکستان کی اکتیس سالہ تاریخ میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ لیکن کیا اب بھی یونہی ہوتا رہے گا۔ اقلیت اکثریت پر حکومت کرتی رہے گی اور چند فرقے سواد اعظم پر مسلط ہوتے رہیں گے صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے برداشت کی بھی ایک مقدار ہوتی ہے۔ آخر کب تک اہل سنت وجماعت کا استحصال ہوتا رہے گا۔

اب وقت آگیا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے ذمہ دار افراد تساہل اور چشم پوشی کے روایتی طریقہ کو چھوڑ کر میدان عمل میں آئیں اس زمانہ میں اپنے حقوق کے حصول کے لیے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ اور یہ جنگ اب ناگزیر ہو گئی ہے۔

اس ملک کی اکثریت اہلسنت وجماعت پر مشتمل ہے اور عدل و انصاف کا یہی تقاضہ ہے جن لوگوں کی اکثریت ہے حکومت اور قانون سازی کا منصب بھی انہیں کو حاصل ہونا چاہیے

چنانچہ مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ :۔

قوانین ملکی کی تدوین کے سلسلے میں حق ترجیح اسی مسلک کو حاصل ہوگا جس کے حق میں اکثریت ہو اس لیے کہ یہی ایک قابل عمل صورت ہے۔ (رسائل مسائل جلد ۲ صفحہ ۴۲)

اہلسنت وجماعت کے عنوان کی شرعی اور ملکی اور ملی حیثیت جاننے کے بعد اور اپنا مقام پہچاننے کے بعد اب ضروری ہوجاتا ہے کہ ملک کے تمام سنی حضرات اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز کر دیں۔

مسئلہ تقدیر

تمام کائنات میں

صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا تصرف ہے ہر چیز کا وہی خالق ہے۔ وہی تمام دُنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے۔ زمین و آسمان اور بحر و بر کی کوئی حقیقت اس کے منشاء اور ارادہ کے بغیر حرکت میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اسکی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں۔ اور انسان کے کسی فعل اور عمل کا ظہور نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی خلقت سے ظہور میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال و اعمال کا بھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ذٰلکم اللہ ربکم لا الٰہ الا ہو خالق کل شیئٍ۔
الانعام: ۱۰۲

وہ اللہ ہی تمہارا رب ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

نیز فرمایا:-

واللہ خلقکم وما تعملون
الصفت: ۹۶

اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال اور افعال کو بھی۔

اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا۔ اسی علم کو تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح ایک انجینئر ایک ڈیم بنانے سے پہلے اس کی تمام جزئیات پر غور کرتا ہے۔ اس کے میٹیریل کی استعداد اور صلاحیت کا جائزہ

marfat.com

لیتا ہے اور ڈیم بنانے سے پہلے اس کا ایک تفصیلی نقشہ تیار کرتا ہے پھر اس کی تیاری سے قبل اس میٹیریل کی صلاحیت اور استعداد اور اس کی کارکردگی کی عمر کا اندازہ قائم کر کے پیش گوئی کر دیتا ہے کہ مثلاً یہ ڈیم سو سال تک کارآمد رہ سکتا ہے۔ یا جیسے مختلف مشینیں بنانے والے گارنٹی دیتے ہیں کہ یہ مشین اتنے عرصہ تک بغیر کسی نقص کے کام کرتی رہے گی۔ لیکن انجینئر اور دوسرے فنکار حضرات چونکہ ناقص علم رکھتے ہیں اس لیے ان کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور صحیح ہے اس لیے اس کے اندازہ میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ اس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور اسے اس کائنات کی تمام حقیقتوں کی خلقت سے پہلے اندازہ اور علم تھا کہ بعد میں پیدا ہونے والی یہ تمام حقیقتیں کس نہج پہ کام کریں گی کتنا عرصہ کام کریں گی اور ان کے کیے ہوئے کاموں میں سے کتنے کام قابل ستائش ہوں گے اور کتنے لائق مذمت! چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انا کل شئی خلقناہ بقدر۔ القمر: ۴۹	ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے (تقدیر یعنی علم سابق) کے مطابق پیدا کیا ہے۔
قد جعل اللہ لکل شئی قدرا۔ الطلاق: ۳	اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ (تقدیر) مقرر کیا ہے۔

مسئلہ تقدیر پر شبہ کا ازالہ عام طور پہ لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہوتا ہے، کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مقدر کر دیا ہے اور لوح محفوظ پہ لکھ دیا ہے اور اس کا لکھا ہوا ٹل نہیں سکتا تو ہماری کوشش اور سعی کا کوئی فائدہ نہ رہا ہم خواہ نیک عمل کریں یا بد ہونا بہر حال وہی ہے جو پہلے مقدر ہو چکا ہے اس کے جواب میں گذارش ہے کہ امر واقع یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے پہلے جانا یا جو پہلے لکھ دیا وہ ہم نے کرنا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا اللہ تعالیٰ کو ازل میں پہلے سے اس کا علم تھا کیونکہ ہمیشہ علم، معلوم اور واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ معلوم اور واقع علم کے مطابق نہیں

marfat.com

ہوتا جیسے ایک انجینئر کہتا ہے کہ یہ ڈیم ۵۰ سال تک کارآمد رہے گا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ انجینئر صاحب نے ۵۰ سال کی پیش گوئی کر دی ہے اس لیے اب خواہی نخواہی اس ڈیم کو ۵۰ سال تک کام کرنا ہی پڑے گا بلکہ امر واقع یہ ہے کہ اس ڈیم کے میٹیریل اس کی ساخت اور صلاحیت کے اعتبار سے انجینئر نے پہلے سے یہ جان لیا تھا کہ یہ ڈیم کب تک کارآمد رہ سکتا ہے بلا تشبیہ و تمثیل اسی طرح اللہ نے انسان کی عقل اس کی کارکردگی، اس کے ذہنی رجحان اور نیکی یا بدی کے بارے میں اس کے اختیار اور ارادہ کو پہلے سے جان لیا یہی اس کا علم ازلی ہے۔ اسی کو تقدیر کہتے ہیں اور یہی مکتوب لوح محفوظ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں اس کی وضاحت کر دی ہے فرماتا ہے :۔

وکل شیٔ فعلوہ فی الزبر۔ القمر، ۵۲ — ہر وہ کام جو انسان کرتے ہیں وہ لوح میں لکھا ہوا ہے۔

یعنی ہم اپنے اختیار اور ارادہ سے جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا اور اس نے اس کو لکھا ہوا ہے کیونکہ وہ "علام الغیوب" ہے یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ اس کو معلوم تھا اور اس نے لکھا ہوا تھا وہ ہم نے کرنا ہے کیونکہ علم، معلوم اور واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ معلوم اور واقع علم کے مطابق نہیں ہوتا۔

خلق افعال کی توضیح

مسئلہ خلق افعال پر بھی بعض لوگوں کو شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے حتیٰ کہ انسان کے افعال اور اعمال کا بھی وہی خالق ہے تو پھر انسان کے لیے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کیا اختیار رہ جاتا ہے اور جب اس کا اختیار نہیں تو جس قسم کے کام بھی وہ کرتا ہے وہ ان کے کرنے پر مجبور ہے اور جب مجبور ہے تو اس سے گناہوں پر مواخذہ کیسا؟ اس کے جواب میں معروض ہے کہ انسان مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ مجبور کن چیزوں میں ہے اور مختار کس بات میں ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے اس بات پر غور کریں کہ یہاں دو قسم کے امور ہیں امور

marfat.com

تکوینیہ اور امور تشریعیہ۔

امور تکوینیہ امور تکوینیہ کی تعریف میں وہ چیزیں آتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لفظ کُن سے وجود میں آتی ہیں اور انسان کی مشیت اور ارادہ کا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے پیدائش اور موت، مصیبت اور راحت، صحت اور بیماری، غربت اور امارت، بارشوں کا ہونا، آندھیوں کا چلنا، دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں میں طوفانوں کا اٹھنا۔ سورج کا طلوع اور غروب یہ سب امور تکوینیہ ہیں جن میں انسان کو رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں ہے اور ان امور میں وہ مجبور محض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مواقع پر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے مثلاً فرماتا ہے۔

۱۔ ھو الذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلا ط الانعام: ۲	وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے
۲۔ وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہ ط وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہٖ الا فی کتاب ط ان ذالک علی اللہ یسیر۔ الفاطر: ۱۱	اور کسی عورت کو حمل یا وضع حمل نہیں ہوتا لیکن خدا کے علم سے اور نہ کسی شخص کو درازی عمر ملتی ہے یا کوتاہی عمر لیکن وہ لوح میں محفوظ ہے بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔
۳۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا ال عمران: ۱۴۵	کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر مر سکے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر ہے۔
۴۔ یقولون لو کان لنا من الامر شیئٌ ما قتلنا ھھنا ط قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین	منافقین کہتے تھے کہ ہماری بات مان لی جاتی تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ آپ کہیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو

marfat.com

كتب عليهم القتل الى مضاجعهم ۔ آل عمران ۱۵۴

جن پر یہاں مرنا لکھا جا چکا تھا وہ از خود اپنے مقتل کی طرف نکل کر چلے آتے ۔

۵- اين ما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة. النساء: ۷۸

تم جہاں بھی رہو تم کو موت آکر رہے گی، اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں کیوں نہ ہو؟

۶- ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبراها ان ذلك على الله يسير لكيلا تاسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما اتاكم والله لا يحب كل مختال فخور ۔ الحديد: ۲۲-۲۳

نہ کسی ملک میں کوئی آفت آتی ہے نہ اس کے باشندوں میں، مگر وہ آفت لوحِ محفوظ میں ان کی پیدائش سے پہلے مکتوب ہوتی ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بے حد آسان ہے یہ اس لیے بیان کیا ہے تاکہ جو نعمت تمہارے پاس سے چلی جائے اس سے غم نہ کرو اور جو مل جائے اس پر اترایا نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

۷- اولم يعلموا ان الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر ۔ الزمر: ۵۲

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ جس شخص پر چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

۸- هو الذي انزل من السماء ماء فاخرجنا به نبات كل شئ فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراكبا ۔ الانعام: ۹۹

وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمان سے بارش نازل کی، اس سے اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر ہم نے اس سے سبز کھیتی پیدا کی جس سے ہم نیچے اوپر چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں

یہ وہ امور تکوینیہ ہیں جن کے وجود میں انسان کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان میں وہ بالکل مجبور محض ہے ۔

امور تشریعیہ :۔ امورِ تشریعیہ وہ ہیں جن کی بجا آوری کے ساتھ اللہ تعالیٰ

marfat.com

نے انسان کو مکلف اور پابند کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر دونوں کو پیدا کیا ہے اور دنیا میں شر پر ابھارنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر پر برانگیختہ کرنے کے لیے انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمایا اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھیں کہ ایک قوت وہ ہے جو اس کو نیکی پر ابھارتی ہے۔ جس کو لمۂ رحمان یا عرف میں ضمیر سے تعبیر کرتے ہیں اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو شر پر اکساتی ہے۔ جس کو لمۂ شیطان یا عرف میں ہمزاد کہتے ہیں اس کے بعد اس کو عقلِ سلیم دی تاکہ وہ خیر اور شر کے دواعی کے درمیان اپنے لیے راستہ منتخب کر سکے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وھدینٰہ النجدین	ہم نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں
البلد : ۱۰	راستے دکھا دیئے۔

پھر فرماتا ہے :۔

فمن شاء اتخذ الی ربہ	اب جو چاہے اپنے رب کا راستہ
سبیلا ۔ المزمل : ۱۹	اختیار کرے۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

من شاء فلیؤمن ومن	جو چاہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے
شاء فلیکفر ۔ الکہف : ۲۹	اور جو چاہے کفر کرے۔

نیز فرمایا۔

من عمل صالحاً فلنفسہ	جو نیک عمل کرے اس کا نفع اس کو
ومن اساء فعلیھا۔	ملے گا اور جو بدکاری کرے گا اس کا ضرر
حٰمٓ السجدہ : ۴۶	بھی اسی کو پہنچے گا۔

ان تمام آیات کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان اور کفر، نیکی اور بدی دونوں راستے دکھا دیے اور ان کے انجام سے بھی واقف کرا دیا۔ پھر اس کو عقل سلیم دی کہ وہ ایمان اور کفر، نیکی اور بدی میں سے کونسا راستہ اختیار کرتا ہے

marfat.com

پھر اس کی عقل جو بھی فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے مطابق ایمان اور کفر یا نیکی اور بدی کے افعال کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور اگر انسانی عقل کے لیے یہ اختیار نہ مانا جائے تو نہ یہ صرف خلاف عقل ہے بلکہ صریح قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ اگر انسان کی عقل کو اپنے لیئے بھلائی اور برائی کے خلاف کی قدرت نہ ہو تو انبیاء اور رسل کو بھیجنا۔ آسمانی کتب اور صحائف کو نازل کرنا اور انسانی اعمال پر جزا اور سزا کا مرتب کرنا سب ظاہر عبث اور فضول معلوم ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے نیز ایک انسان کو قطعی طور پر کسی کام کے کرنے کیلئے مجبور اور بے دست و پا کرنے کے بعد اس سے اس فعل پر مواخذہ کرنا بظاہر وہ ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی برأت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وما ربك بظلام للعبید اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ نیز صریح قرآن کریم میں وارد ہے۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت۔ البقرۃ : ۲۸۶

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا جو شخص نیکی کرے گا تو اس کا نفع اس کے لئے ہے اور اگر برائی کرے گا تو اس کا ضرر بھی اسی کو پہنچے گا۔

جبر کی نفی :- اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ انسان مجبور محض نہیں ہے اور اس کو نیکی یا بدی کے اختیار کا موقع اور اختیار دیا گیا ہے ورنہ اگر وہ پتھر کی طرح بے اختیار اور مجبور ہو تو اس کو نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کا حکم دینا اس کی طاقت اور وسعت سے بڑھ کر اس کو مکلف کرنا ہوتا۔ اور قرآن واشگاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ حکم کی تعمیل کا حکم نہیں دیتا اس لیے صاف اور سیدھی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل کو نیکی اور بدی کے انتخاب کا موقع واختیار دیا ہے پھر جو بھی اس کی عقل فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے مطابق اس میں اعمال اور افعال پیدا کر دیتا ہے۔

marfat.com

اشتباہ جبر کا ازالہ

اور اگر جبر کا شبہ اب بھی زائل نہ ہوا تو میں ایک اور واضح مثال پیش کرتا ہوں مثلاً ایک بچہ کی خواہش ہے کہ آج باغ میں جاکر ساتھیوں کے ساتھ کھیلے۔ درختوں پر چڑھے اور تازہ پھلوں اور مہکتے ہوئے پھولوں کو توڑ کر کیف وسرور حاصل کرے۔ لیکن اس کے ماں باپ اس سے کہتے ہیں اسکول جاؤ وہ نہیں جاتا تو اس کی خواہش کے خلاف اس کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اسکول لے جاتے ہیں اور بچے کا یہ حال ہے کہ جب گرفت ڈھیلی ہو وہ فوراً باغ کی طرف دوڑتا ہے اور ماں باپ پھر اس کو پکڑ کر زبردستی اسکول لے جاتے ہیں یہ کھلا ہوا جبر ہے۔ اگر ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا کہ ہمارا دل تو چاہتا مسجد میں جاکر نماز پڑھیں اور کوئی ان دیکھی قوت زبردستی ہماری خواہش کے خلاف ہمیں شراب خانہ لے جاکر شراب پینے پر مجبور کر دیتی تو یہ جبر ہوتا لیکن جب کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا جب ہماری خواہش نماز کی ہوتی ہے تو ہم نماز پڑھتے ہیں اور جب ہماری خواہش نماز کے وقت سونے کی ہوتی ہے تو ہم سو جاتے ہیں اور جب ہر عمل ہماری خواہش پر مرتب ہوتا ہے تو جبر کہاں رہا۔؟

اور جب انسان مجبور نہیں ہے اور اس کا ہر فعل اور عمل اس کے اختیار اور انتخاب پر مرتب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے بازپرس کرنا اور مواخذہ کرنا اور جزا اور سزا کا مرتب کرنا ان میں سے کوئی چیز بھی عقل کے خلاف نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

۱- والوزن یومئذٍ الحق فمن ثقلت موازینہٗ فاولٰئک ھم المفلحون ○ ومن خفت موازینہ فاولٰئک الذین خسروا انفسھم بما کانوا بآیاتنا یظلمون ○ (الاعراف ۸-۹)	روز حساب اعمال کا وزن یقینی ہے پس جنکی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا وہ خسارہ اٹھائیں گے کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔
۲- ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً	جس شخص نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی کی

marfat.com

یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرا یرہ - الزلزال ۷:۸	تو اس کی نیکی کا صلہ ملے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر بھی برائی کی تو اس کی سزا بھگتے گا۔
۳- وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یُریٰ النجم: ۳۹-۴۰	اور انسان کو صرف اس کی اپنی کوشش کا پھل ملے گا اور عنقریب اس کی کوشش کو دیکھ لیا جائے گا۔
۴- ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواءً محیاھم ومماتھم ساء مایحکمون الجاثیۃ ۲۱-	وہ لوگ جو برے کاموں کو دلیری سے کرتے ہیں کیا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو نیکوکاروں کے برابر درجہ دیں گے خواہ زندگی ہو یا موت! یہ ان کا قطعاً غلط فیصلہ ہے

ان آیات پر نظر ڈالیے اور سوچیے اگر انسان کو نیکی اور بدی پر اختیار نہ ہو تو ان آیات کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے۔

جبر کا حیلہ آخرت میں کارگر نہیں ہوگا

اپنی برائیوں کے جواز اور ان پر مواخذہ سے بچنے کے لیے تقدیر پر تکیہ کرنا یا جبر کی آڑ لینا وہ عذر ہے جس کو روز محشر کفار بھی اپنی برائت اور نجات کے لئے پیش کریں گے لیکن ان کا یہ عذر مسموع اور مقبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حشر کے دن کفار کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے فرشتوں کی عبادت کیوں کی؟ تو وہ کہیں گے۔

وقالوا لوشاء الرحمٰن ما عبدناھم مالھم بذالک من علم ان ھم الا یخرصون۔ الزخرف ۲۰	کہنے لگے اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس حقیقت کا علم نہیں یونہی اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔

اور جب جبر کا یہ حیلہ ان کے کام نہ آسکے گا تو بعض کفار اور بدکار اپنی برائیوں کو شیطان کے سر تھوپنے کی کوشش کریں گے کہ ہم اس کے بہکانے میں آگئے۔

marfat.com

اور ان کی یہ کوشش بجائے خود اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ مجبور نہ تھے با اختیار تھے. مگر شیطان کے بہکانے میں آ گئے۔ لیکن شیطان بھی اس وقت ان کو دھتکار دیگا اور کہے گا :۔

وما کان لی علیکم من سلطان	میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا. میں نے تم کو
الا ان دعوتکم فاستجبتم لی فلا	بُرائی کی دعوت دی، تم نے قبول کر لی۔ پس مجھ
تلومونی ولوموا انفسکم. ابراھیم ۲۲	کو ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو

یہ آیت بھی واضح کر رہی ہے کہ اس حقیقت سے شیطان کو بھی انکار نہ تھا کہ انسان نہ خود مجبور تھا نہ اس کے قبضہ میں تھا. اس نے صرف بُرائی کا راستہ دکھایا اور بدکاروں نے اس راستہ کا اپنے لیے انتخاب کر لیا۔ اس تفصیل سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے اپنے لیے نیکی یا بدی کسی ایک کا راستہ انتخاب کرتا ہے اور اس کے انتخاب کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے افعال اور اعمال پیدا کرتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے کفر یا فسق پر نہ تقدیر کا حیلہ تراش سکتا ہے اور نہ جبر کو آڑ بنا سکتا ہے۔

marfat.com

اعجاز و کرامت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اشیاء کے لیے جو خواص اور تاثیرات معین فرمائی ہیں اور حصول اشیاء کے لیے جن اسباب کو مقرر فرمایا ہے ان کے مطابق خواص اور مسببات کا ترتب ہو تو اسے امور ماتحت الاسباب الظاہرہ اور افعال عادیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر اس کے خلاف واقع ہو مثلاً اشیاء سے ان کے معروف اثر کے خلاف کوئی اثر ظاہر ہو یا شئی اپنے عام سبب کے بغیر کسی اور امر سے حاصل ہو جائے تو اسے امور مافوق الاسباب الظاہرہ یا خرق عادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض طبیعی حضرات خرق عادت کا انکار کرتے ہیں اور خرق عادت کے صدور کو فطرت کے خلاف قرار دیتے ہیں اور آیۃ کریمہ (فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ) ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو گی اس دعویٰ پر استدلال کشید کرتے ہیں اس کے جواب میں معروض ہے کہ اس آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دین حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے انسان اپنے اختیار سے یہود و مجوس کا لباس پہن لے پھر بھی اس کے باطن میں صلاحیت اسلام کا جوہر باقی رہتا ہے اور یہ صلاحیت نہ کبھی مٹتی ہے نہ تبدیل ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ آیۂ کریمہ خرق عادت کے ظہور کے منافی نہیں ہے اور قرآن کریم میں خرق عادت کے منافی کوئی امر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود قرآن کریم میں متعدد امور خارقہ کا ذکر ہے۔ مثلاً لاٹھی کا سانپ بن جانا، پتھر سے اونٹنی کا نکل آنا، مُردوں کا زندہ ہونا، مادر زاد اندھوں اور

marfat.com

کوڑھیوں کا محض ہاتھ پھیرنے سے ٹھیک ہو جانا وغیرہ اس کے علاوہ عقل کے پرستاروں سے گزارش ہے کہ انسان کی پیدائش کا عام عادی طریقہ مرد و زن کا اختلاط ہے اور جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ یقیناً اس عام عادی طریقہ کے خلاف پیدا ہوا اسی طرح جانوروں میں ہر نوع کے جانور کا پہلا جانور خرق عادت سے پیدا ہوا، اور درختوں میں ہر نوع کا پہلا درخت بغیر بیج کے پیدا ہوا اور یہ پھر خرق عادت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے حصول کے لیے مخصوص اسباب کو مقرر فرمایا لیکن اسباب علت تامہ نہیں ہیں، کبھی ان اسباب کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ مسبّب کو ظاہر فرما دیتا ہے۔ جیسے آدم، عیسٰی اور حوّا کی پیدائش اور کبھی یہ اسباب دھرے رہ جاتے ہیں اور مسبّب کا ظہور نہیں ہوتا جیسے ابراہیم کا آگ میں نہ جلنا اور خالد بن ولید کا زہر کھانے کے باوجود صحیح و سلامت رہ جانا۔

افعال خارقہ کے اقسام

متکلمین نے افعال خارقہ کی چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ارہاص[1]، معجزہ[2]، کرامت[3]، معونت[4]، استدراج[5] اور اہانت[6]۔ دعویٰ نبوت سے پہلے نبی سے جو خرق عادت فعل ظاہر ہو (جیسے دعویٰ نبوت سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ افگن ہونا) اسے ارہاص کہتے ہیں اور دعویٰ نبوت کے بعد نبی سے جس خرق عادت کا ظہور ہو اسے معجزہ کہتے ہیں اور اگر مسلمان صالح کامل سے خرق عادت کا ظہور ہو اور دعویٰ نبوت سے مقرون نہ ہو اسے کرامت کہتے ہیں اور اگر عام مسلمانوں میں سے کسی سے کوئی امر خارق ظاہر ہو اسے معونت کہتے ہیں اور کافر سے خرق عادت ظاہر ہو اسے استدراج کہتے ہیں اور کافر مدعی نبوت سے جو خرق عادت ظاہر ہو اور وہ امر خارق اس کے دعویٰ کا مخالف ہو تو اسے اہانت کہتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب کے پاس ایک کانا شخص آیا اور کہا تم نبی ہو تو خدا سے دعا کرو کہ میری آنکھ ٹھیک ہو جائے اور مجھے دونوں آنکھوں سے نظر آنے لگے۔ مسیلمہ نے دعا مانگی اور اس کی دوسری آنکھ بھی بینائی جاتی رہی۔ پس یہاں ایک امر خارق کا ظہور تو ہوا لیکن وہ مسیلمہ کے دعویٰ کا مخالف تھا اسی طرح مرزا غلام احمد نے کہا محمدی بیگم سے نکاح اور اس کے متوقع

marfat.com

خاوند کے مرجانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ محمدی بیگم کا نکاح ان کے دیکھتے دیکھتے دوسرے شخص سے ہو گیا، اور وہ اس نکاح کی حسرت دل میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور اپنی زندگی میں اس نے جس کے مرجانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ وہ اس کے مرجانے کے بعد دیر تک زندہ رہا۔

افعال خارقہ کی اقسام کی بحث میں یہ امر بتلانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے جھوٹے مدعی کے لئے ایسا امر خارق ظاہر نہیں فرماتا جو اس کے دعویٰ کے موافق ہو اور متکلمین کے نزدیک یہ امر عقلاً محال ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو ہدایت ضلالت سے ملتبس ہو جائے گی نہ صرف یہ کہ بعثت کا اصل مقصد فوت ہو جائیگا بلکہ اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جلئے گا متکلمین نے الوہیت کے جھوٹے مدعی پر موافق امر خارق کا ظہور جائز رکھا ہے کیونکہ جو اس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں اس کا اس عالم حادث میں پیدا ہونا اور پیدا ہو کر ضروریات زندگی کی طرف محتاج ہونا یہ ایسا امر ہے جو اس کے دعوے الوہیت کا مکذب ہے پس اس کے دعوے کے موافق امر خارق کو اس پر ابتلاءً ظاہر کر دینا چنداں مستبعد نہیں۔ بخلاف نبی کاذب کے کیونکہ حدوث اور احتیاج الوہیت کے منافی ہے نبوت کے نہیں۔ اس لیے جعلی خدا پر موافق امر خارق ظاہر ہو سکتا ہے۔ جعلی نبی پر نہیں۔

حقیقت سحر

سحر کے بارے میں علماء کے کلمات مختلف ہیں بعض نے اسے امور خارقہ میں سے قرار دیا ہے اور وہ آیۂ کریمہ "فیتعلمون منہما مایفرقون بہ بین المرء وزوجہ" سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ کلمات سحر سے مرد و زن کے درمیان تفریق کر دینا خلاف عادت ہے لیکن یہ استدلال مردود ہے۔ کیونکہ تعلیم و تعلم امور عادیہ میں جاری ہوتا ہے اور اس میں تعلیم و تعلم کا جاری ہونا اس امر کا مظہر ہے کہ جو شخص بھی ان کلمات سحر کی تحصیل کرے گا۔ وہ اس کے اثرات کے حاصل کرنے پر قادر ہوگا اور بعض حضرات نے سحر کو امور عادیہ محضہ سے قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اسرائیلی ساحروں کا رسی کو سانپ بنا دینا محض شعبدہ بازی تھا۔ انہوں نے لاٹھیوں اور

رسیوں کے اندر پارہ رکھ دیا تھا جو دھوپ کے اثر سے متحرک ہوگیا اور دیکھنے والوں کو اس پر سے سانپ کا گمان ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ عمل تخیل اور نظر بندی کے قبیل سے تھا انہوں نے دیکھنے والوں کی نظروں پر عمل تخیل کیا اور اپنی قوت باطنہ سے ان پر اثر ڈالا جس سے انہیں رسیاں سانپ کی شکل میں دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں چنانچہ قرآن کریم کا فرمان "سحروا اعین الناس" اس کی تائید کرتا ہے اور اس استدلال میں بھی تامل ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلی ساحروں کا یہ عمل نظر بندی یا شعبدہ بازی کے قبیل سے تھا لیکن اس سے حقیقت سحر کی نفی نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر مان لیا جائے کہ سحر سے لاٹھی کو سانپ اور مٹی کو سونا بنایا جاسکتا ہے تو اس سے انقلاب حقائق لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انقلاب حقائق کے استحالہ پر ابطال سحر کی بنا رکھتے ہو، تو پھر معجزہ اور کرامت سے بھی ہاتھ دھو لیجئے اور حق یہ ہے کہ انقلاب حقائق ثابت ہے جیسے کہ ابن حجر ہیتمی اور ابن عابدین شامی کی تحقیق ہے اور استحالہ اس امر پر مبنی ہے کہ شے اپنی حقیقت سابقہ پر برقرار رہتے ہوئے دوسری حقیقت بن جائے اور یہ اجتماع ضدین کو مستلزم ہونے کی وجہ سے محال ہے۔ بہرحال یہ ظاہر ہوگیا کہ نفی سحر پر عقلی یا نقلی دلائل قائم نہیں ہیں بلکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ لبید بن عاصم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا جس کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا اور آپ کئی کاموں کے بارے میں فرماتے کہ یہ آپ نے کئے ہیں حالانکہ وہ کام آپ نے نہ کئے ہوتے۔

ایک شبہ کا ازالہ بعض مبتدعہ نے حدیث مذکورہ کا انکار کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سحر سے متاثر ہونا منصب نبوت کے بھی منافی ہے اور ظاہر قرآن سے بھی متعارض ہے کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کفار کا مقولہ نقل فرمایا۔ ان تتبعون الا رجلا مسحورا "تم صرف ایک سحر زدہ شخص کے تابع ہو" پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا۔

marfat.com

انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا۔ ا دیکھئے تو یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑتے ہیں پس یہ گمراہ ہو چکے ہیں اور یہ آپ کی نبوت میں طعن کی کوئی راہ نہیں پاتے اس کے جواب میں گذارش ہے کہ سحر سے نبی علیہ السلام کا متاثر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ پتھر لگنے سے آپ کا دانت شہید ہونا زہر آلود لقمہ سے آپ کا سر درد کی تکلیف میں مبتلا ہونا اور جس طرح ان احوال کا عارض ہونا آپکی نبوت کے منافی نہیں اسی طرح سحر سے متاثر ہونا بھی آپ کی نبوت میں سبب طعن نہیں اور ان احوال کے عارض کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ آپ سے الوہیت کی نفی کر دی جائے اور ان احوال میں آپ کا عمل امت کے احوال کے لیے نمونہ بن جائے اور اس طرح دین کے احکام کی آپ کی سیرت میں تکمیل ہو جائے۔ کفار عوارض بشریہ اور عام احوال میں آپ کے لیے سحر کے مدعی نہ تھے بلکہ امور متعلقہ بالوحی میں وہ سحر کا دعویٰ کرتے تھے اور ان امور میں سحر کا اثر ثابت نہیں بلکہ محال ہے۔ بعض زنادقہ کہتے ہیں کہ جس طرح سحر کے اثر سے آپ نے نہ کئے ہوئے کاموں کو کیا ہوا خیال کیا اسی طرح جائز ہے۔ کسی اثر کے تحت آپ نے خود کو نبی خیال کر لیا ہو اور آپ نبی نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ سحر کا اثر آپ کے عقل اور اعتقاد پر نہ تھا۔ بلکہ حواس اور خیال پر تھا اور نبوت کا تعلق عقل اور اعتقاد سے ہے۔ حواس اور خیال سے نہیں۔ نیز آپ کی نبوت محض آپ کے قول پر تو مبنی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس قسم کے احتمال سے اس کی بنیاد میں رخنہ پڑ جائے بلکہ اس کی بنیاد بے شمار معجزات اور عقلی دلائل پر ہے ازاں جملہ ایک قرآن کریم ہے۔ جس کے چیلنج کا آج تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

سحر اور اعجاز و کرامت میں فرق

گذشتہ سطور سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ سحر نہ تو افعال خارقہ سے ہے نہ امور عادیہ محضہ سے بلکہ حقیقت سحر ان دونوں کے درمیان ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو خرق عادت کے مشابہ ہے اور اس کی تحصیل میں قولاً و عملاً اور اعتقاداً ارتکاب قبائح سے استعانت کی جاتی ہے۔ ہمارے اس بیان سے اعجاز و کرامت اور سحر کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا

marfat.com

اولاً اس طور پر کہ معجزہ اور کرامت عین خارق ہیں اور سحر مشابہ خارق ثانیاً اس طور پر کہ معجزہ اور کرامت کا ظہور تقرب الی اللہ سے ہوتا ہے اور سحر کا ظہور تقرب الی شیطان سے اگرچہ خالق سب کا اللہ عزوجل ہے۔

مقدریت اعجاز کرامت اور معجزات میں یہ بحث بہت اہم حیثیت رکھتی ہے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء اور اولیاء کے اختیار میں کر دیئے جاتے ہیں یا کرامت اور معجزہ میں ان کے عاملین کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اور ان کی حیثیت مشیت الٰہی کے سامنے محض ایسی ہوتی ہے جیسے کاتب کے سامنے قلم کی ہوتی ہے۔ جس طرح کتابت میں قلم کا کوئی کسب اور اختیار نہیں ہوتا اور وہ کاتب کی مرضی کے سامنے مجبور محض ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء کا معجزات اور کرامات کے صدور میں کوئی کسب اور اختیار نہیں ہوتا اور وہ اس باب میں مجبور ہیں چنانچہ علماء دیوبند کا یہی مختار ہے۔ دیکھیے "فتاوی رشیدیہ"

محققین علماء اہل سنت کا اس باب میں مسلک یہ ہے کہ افعال خارقہ ہوں یا غیر خارقہ تمام کا خالق اللہ عزوجل ہے لقولہ تعالیٰ خلقکم و ما تعملون (تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) اور کسب اور اختیار بندے کو دیا جاتا ہے (عام انسانوں کو عام افعال کا اختیار دیا جاتا ہے اور عباد خواص (انبیاء و اولیاء) کو خاص افعال (افعال خارقہ) کا اختیار دیا جاتا ہے۔ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ عباد خواص چونکہ اتباع شریعت بطور نقض عادت کرتے ہیں اس لیے انہیں تصرفات بھی بطور خرق عادت عطا کیے جاتے ہیں اور امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ بعض احوال انسان پر اس کے کسب اور اختیار کے بغیر طاری کیے جاتے ہیں مثلاً آنکھ کھولنا انسان کے اختیار میں ہے۔ بصارت کا طاری کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے وہ آنکھ کھولنے کے بعد اگر چاہے کہ نہ دیکھے تو اس کے بس میں نہیں ہے۔ بس جس طرح امور عادیہ میں عام انسانوں کے اختیار میں بصارت کا حال نہیں ہے اسی طرح

marfat.com

امور غیر عادیہ میں انبیاء اور اولیاء پر وحی و الہام کی کیفیات کا عروض ان کے اختیار میں نہیں ہوتا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کرامات اور معجزات از قبیل احوال کیفیات ہیں ان میں نبی اور ولی کے کسب اور اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔ ہماری اس تقریر سے کلمات علماء کے درمیان تطبیق بھی حاصل ہو گئی۔ پس جنہوں نے ان امور میں کسب اور اختیار کی نفی کی ہے وہ بالنظر الی الاحوال ہے اور جنہوں نے اثبات کیا ان کی نظر افعال پر ہے اور جنہوں نے دونوں کا قول کیا ہے ان کی نظر احوال و افعال دونوں پر ہے۔

---

marfat.com

عبادات

۱۹۔ اسلام میں مقام انسانیت

۲۰۔ اسلام میں مسلمان کی حیثیت

۲۱۔ اسلامی فلسفہ عدل وانصاف

۲۲۔ نوید شب برائت

۲۳۔ روزے کے اسرار و رموز

۲۴۔ قیام رمضان

۲۵۔ حقائق شب قدر

۲۶۔ یاد اسماعیل

۲۷۔ حقائق قربانی

marfat.com

اسلام میں مقامِ انسانیّت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مخلوقات کی انواع میں سے مشرف ترین مخلوق قرار دیا ہے۔ زمین و آسمان کی تمام نعمتیں اس کے نفع کے لیئے پیدا فرمائیں۔ ہوائیں اس کے لیے چلتی ہیں۔ بادل اُمڈ کر اس کے لیے آتے ہیں سورج اور چاند اس کے لیے ضیائیں بکھیرتے ہیں۔ بحروبرّ اس کے تابع کر دیے اور کائنات کی ہر حقیقت کو اس کے لیے مسخر کر دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ ربّ العزّت نے انسان کو زمین پر اپنی نیابت اور خلافت کے لیے چن لیا ولقد کرمنا بنی آدم (بلا ریب ہم نے بنی آدم کو مکرم کر دیا) کا تاج اس کے سر پر رکھا ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا ہے) کی اس کو صورت عطا کی خلقتہ بیدی (میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا) کا اس کو اعزاز بخشا مزید یہ کہ انبیاء اور رُسل کو نوعِ انسانی سے مبعوث فرمایا اور یہ افتخار بھی نوعِ انسانی کو حاصل ہوا کہ انسانیت کا اعلیٰ ترین فردِ اس مقام سے بھی آگے گذر گیا جس مقام تک جبرئیل کی بھی رسائی نہیں ہوئی اور حاملین عرش بھی جس جگہ سے آگے نہیں جا سکتے۔

انسان کامل زمان و مکان کی قیود توڑ کر اس سے ماوراء لامکان تک جا پہنچا ؎

ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

تخلیق انسان کا مقصد اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام انسانوں کی روحوں کو جمع کر کے ان سے اپنی ربوبیت کے اقرار کا عہد لیا۔

marfat.com

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظہورھم ذریتہم واشہدھم علیٰ انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین۔ الاعراف ۱۷۲
(اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی انھیں خود ان کی ذات پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے (اور یہ گواہ اس لیے بنایا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی"

انسان کے لاشعور میں یہ وعدہ اور عہد و پیمان محفوظ تھا یہی وجہ تھی کہ ہر دور میں انسان کو اپنے خالق کی تلاش رہی، کبھی چاند کے روپ میں اسے خدائی نظر آئی۔ کبھی سورج کو خدا سمجھا۔ کبھی عناصر و کواکب ایسے مظاہر قدرت کو خدا سمجھ کر پوجتا رہا۔ راہِ حق سے بھٹکتا رہا، لیکن یہ اس کا اپنا قصور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی معرفت کے لیے اس کے اپنے نفس اور اس خارجی اور ظاہری عالم میں نشانیاں رکھی تھیں سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ اس خارجی عالم میں اور خود ان کے اپنے نفسوں میں) اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کے لیے اس کو عقل سلیم عطا کی۔ پھر جب انسان کو پیدا کیا۔ دینِ فطرت پر پیدا کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کل مولود یولد علی الفطرۃ - ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔

یعنی ہر انسان کے ذہن میں ابتداً ایسی صلاحیتیں رکھ دی جاتی ہیں اور اس کو ایسی استعداد دے کر پیدا کیا جاتا ہے جس سے وہ احکام اسلامیہ کو قبول کر سکے اور اس کی عقل کو معرفت ذاتِ حق کی امین بنا کر بھیجا جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے حلقہ یاراں، گرد و پیش اور ماحول کے اثر سے اس فطرت کو زنگ آلود کر دے اور معرفتِ حق کی صلاحیتوں کو مکدر کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو محض عقل اور اس کی ذہنی صلاحیتوں پر نہیں چھوڑا بلکہ عقل کو متنبہ کرنے کے لیے لگاتار انبیاء اور رسل کو بھیجتا رہا، جو اس کو اس وعدہ کی یاد دلاتے رہے جو

marfat.com

اس کے لاشعور میں محفوظ تھا۔ معرفت خالق اور اس کی اطاعت کی تلاش کا جذبہ تو انسان نے اپنے لاشعور کی مدد سے پہلے ہی پالیا تھا، لیکن ابھی تک اس راستہ سے ناواقف تھا جو اس کو معرفتِ خالق کی منزل کی طرف لے جاتا۔ انبیاءؑ اور رسل نے آکر اس کو وہ راستہ بتایا اور ابلیس اور اس کی ذریات نے اس راستہ سے انسان کو بھٹکانے کے لئے جو اندھیروں کی دیواریں کھڑی کی تھیں انہوں نے دلائل و براہین اور معجزات کی مشعلیں روشن کر کے کفر و شرک کے ان اندھیروں کو دور کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے توہمات کے حجاب اٹھا کر اس کو آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن کیا اور واشگاف الفاظ میں انسان کو اس کی پیدائش کے مقصد اور اس کی زندگی کے نصب العین سے روشناس کرایا اور بتلایا کہ :- وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ الذاریات ۵۶

(ہم نے کسی جنّ اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے)

اس آیت میں انسان کی پیدائش کا مقصد واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصدِ وحید، اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرنا اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت زندگی بسر کرنا ہے۔

دین و دنیا کا امتزاج

جب یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کا مقصدِ حیات محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے تو اس سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ شبہ ابھرتا ہے کہ اسلام صرف نماز، روزہ اور تسبیح و سجادہ کا نام ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی معاشرت دونوں امور کے بارے میں احکامات اور ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ الجمعہ : ۱۰

جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو فوراً اسباب معیشت اور دنیاوی کاروبار کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ اسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ آل عمران : ۱۳۹

(نہ بزدل بنو اور نہ شکست پر رنج کرو دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اگر تم مومن

کامل ہو)

اور دوسری طرف فرماتا ہے:- اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ الخ
(اسلام کے دشمنوں کے خلاف غلبہ حاصل کرنے کے لیے جس قدر مادی قوت حاصل کر سکتے ہو کرو ان قوتوں سے دشمنان اسلام کو زیر کرو)

ان دونوں آیتوں کے باہمی مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دین اور دنیا اور روحانی اور مادی قوتوں کے درمیان توازن قائم رکھنا چاہتا ہے نہ صرف اللہ پر توکل کر کے مادّی اسباب سے صرف نظر کر لینا اسلام ہے اور نہ محض مادی اسباب پر تکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نصرت، حمایت اور اس کی طرف رجوع کرنے سے مستغنی ہونا اسلام ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے ایمان و عمل کی قوت کے ساتھ ساتھ مادی اسباب کو بھرپور انداز میں حاصل کر کے نتیجہ کو اللہ رب العزّت پر چھوڑ دینا یہ حقیقت میں اسلام ہے۔

انسانیت کے لیے کامل مذہب صرف اسلام ہے

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے دین کامل قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ المائدۃ: ۳
(اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔ زراعت، تجارت، ملازمت اور عامیانہ کسب کے طریقوں سے لے کر سیاست اور امارت تک انسانی معیشت کے متعلق ہر شعبہ کے لیے کتاب و سُنت میں واضح احکام موجود ہیں، اسی طرح انسان کی نجی، خاندانی اور تمدنی زندگی ماں باپ اور اولاد کے حقوق، زن و شوہر کے فرائض اعزہ و اقارب کے استحقاق سے لیکر ہمسایہ اور محلہ داروں تک کے حقوق کے بارے میں انسان کی تمام ذمہ داریوں کے بارے میں کتاب و سنت میں اصول و قواعد اور تفصیلی احکام موجود ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام اعمال کے لیے اسوہ اور نمونہ موجود ہے۔ اسی

marfat.com

لیے آپ نے فرمایا: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ ادھورے اخلاق کو پورا کردوں"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تجرد کی زندگی گزاری، اس لیے عیسائیوں کے لیے ان کے نبی کی زندگی میں، ازدواجیت کا نمونہ نہیں ملتا اور حضرت داؤد اور سلیمان نے حکومت اور بادشاہی کی زندگی گزاری ہے اس لیے ان کے پیروکاروں کو ان کی زندگی میں فقر اور مزدوری کا نمونہ نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادیاں کی ہیں اور تمدنی زندگی گزاری ہے تیشہ اور کدال کو ہاتھ میں لے کر خندقیں کھودنے سے لے کر امیر سلطنت تک، عام گھریلو کاموں سے لے کر سیاست اور تجارت تک ہر قسم کے کام کیے ہیں تاکہ اگر ایک سربراہ مملکت اس بات پر فخر کرتا ہے کہ وہ خلیفہ رسول ہے تو زمین کھودنے والا ایک معمولی دہقان بھی چھاتی تان کر یہ کہہ سکے کہ میں بھی طریقہ مصطفےٰ کا محافظ اور سُنتِ رسول اللہ کا امین ہوں۔

مقامِ انسانیت انسان کے ایک طرف فرشتوں کا عالم ہے جو ہمہ وقت تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود اور انواع و اقسام کی عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں اور دوسری طرف حیوانات اور بہائم کا عالم ہے جو کسی قانون اور ضابطہ کے بغیر شکم پُر کرنے اور جنسی عمل کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بغیر اس تمیز کے کہ فلاں چیز کا کھانا اور اس سے جنسی لذت حاصل کرنا اس کا حق ہے یا نہیں، وہ پاک ہے یا ناپاک حلال ہے یا حرام جس طرح بن پڑے چھین جھپٹ کر کمزور مخلوق کا گلا دبا کر اپنا مقصد پورا کر لینا یہ حیوانی زندگی ہے اور عام حیوانات میں سوائے اپنی شکم پروری اور اپنی نسل بڑھانے کے اور کوئی مقصد نہیں پایا جاتا۔

اب اگر انسان بھی کسی ضابطہ اور اصول کے بغیر اپنا پیٹ بھرتا رہے اور جنسی عمل کرتا رہے یا اس کا مقصد صرف لذت کام و دہن اور اپنی نسل کو بڑھانا ہو تو بتلائیے ایسے انسان میں اور ایک عام حیوان میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ یہ شخص اپنے خد و خال اور صورت کے اعتبار سے اگرچہ انسان کیوں نہ معلوم ہوتا ہو لیکن وہ اپنے کردار اور عمل اور

marfat.com

مقصد اور نصب العین کے اعتبار سے ایک جانور کے مقام سے آگے ہرگز نہیں ہے اور اگر کوئی انسان ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتا ہے اور ہر وقت تسبیح و تہلیل اور قیام لیل و نہار میں وقت گزارتا ہے تو وہ یقیناً فرشتوں کی صف میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے اللہ رب العزت نے اس کے سامنے دونوں پہلو رکھ دیئے ہیں وہ چاہے تو فرشتوں کی پاکیزگی اور تقدس اختیار کرے اور چاہے تو حیوانات کے طرز زندگی کو اپنا لے لیکن صحیح پوچھئے تو انسان کا مقام حیوانات اور ملائکہ دونوں سے بلند تر ہے اس مفہوم کی بہترین ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے ؎

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

یعنی انسان اگر اعمال اور اخلاق کی اعلیٰ روایات کو اپنا کر تسبیح و تہلیل کا پیکر بن کر فرشتوں کی صف میں ابھر آئے، بلکہ فرشتوں کے سردار جبریل امین کا بھی مظہر بن جائے تب بھی وہ مقام انسانیت تک نہیں پہنچا، کیونکہ جبریل تو نوع انسانی کے اعلیٰ افراد یعنی انبیاء علیہ السلام کی خدمت کرتا ہے اس لیے انسان کا مقام جبریل کا مظہر بننا نہیں بلکہ رب جبریل کی صفات کا مظہر ہونا ہے۔

معراجِ انسانیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور اس کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر انسان محض بھوک کے تقاضے سے کھانا کھائے اور طبعی محبت کے تقاضا سے اپنے بچوں کو پیار کرے تو وہ ایک بکری کے مقام سے آگے نہیں بڑھا۔ کیونکہ ایک بکری بھی بھوک لگنے سے چارہ کھا لیتی ہے اور طبعی اقتضاء سے وہ بھی اپنے بچوں سے پیار کر لیتی ہے مقامِ انسانیت یہ ہے کہ وہ کھانا کھائے تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے "کلوا واشربوا" فرما کر اسے کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔ اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو اسے ہزار بار بھوک لگتی وہ کبھی کھانا نہ کھاتا۔ اسی طرح بچوں کو پیار کرے تو صرف اس لیے کہ اس کا مولیٰ رحیم

marfat.com

ہے اور کسی پر غضب ناک ہو تو محض اس لیے کہ اس کا خالق قہار ہے اور قہر و غضب کی بجلیاں اسی پر گرائے جس پر غیظ و غضب کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بغرض یہ کہ انسان جو کام بھی کرے اس کا محرک اور مقتضی نہ اس کی اپنی طبیعت ہو نہ اپنی خواہش نہ کسی اور کی چاہت اور نہ کوئی دنیاوی تعلق اور غرض بلکہ ہر کام کا داعی اور باعث اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی صفات سے متصف ہونا ہو یہاں تک کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر پیکرِ خلق الٰہی کا نمونہ ہو جائے اور اس میں صفات خالق کی جھلک نظر آئے۔ انسان کا کردار اور عمل صفات الٰہیہ کا آئینہ بن جائے یہاں تک کہ وہ : صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کا مصداقِ اتم ہو جائے۔

---

marfat.com

اسلام میں مسلمان کی حیثیت

ایک انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور صرف کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے وہ ایک الگ قوم، علیحدہ معاشرہ اور ایک منفرد تہذیب و تمدن کا حامل ہو جاتا ہے اور اس ایک کلمہ کے پڑھ لینے کے بعد اس کا پورا تشخص بدل جاتا ہے اور اس کی شخصیت میں اتنا بڑا انقلاب آتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں ایک الگ قوم کے فرد اور ان کے مذاہب کے مقابلہ میں ایک چیلنج کی حیثیت سے اُبھرتا ہے۔ دُنیا میں اس کی معاشرت، سیاست، طریقہ حکومت اور احکام عبادت سب بدل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دنیا میں عزت اور سرفرازی اور آخرت میں عذاب سے نجات اور جنت کے غیر متناہی ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اس لیے غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت کیا ہے اس کی علامتیں اور تقاضے کیا ہیں جن کی وجہ سے اس کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب آجاتا ہے اور پھر ہم اپنے ایمان پر غور کریں۔ کیا ہم میں ایمان کی حقیقت اور اس کے تقاضے پائے جاتے ہیں اگر نہیں تو وہ کیا خامیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے ایمان میں موجود ہیں اور اس کمی کی وجہ سے ہم دنیا اور آخرت کا کیا نقصان اٹھا رہے ہیں اور اس کا تدارک اور علاج کس طرح ہو سکتا ہے۔

ایمان کی حقیقت

اصطلاح شرع میں ایمان ان تمام خبروں اور احکام کی تصدیق کرنے اور تسلیم کرنے کو کہتے ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بیان فرمایا اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ حیات کے سانچہ میں ڈھال لے۔ کیونکہ اسلام کا منبع، معدن اور مصدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہہ دیا وہ اسلام ہے جو کر دیا وہ اسلام ہے اور جو کام آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا وہ بھی اسلام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ آفتاب ہیں اور اسلام اس کی شعاعوں کی مانند ہے۔ جس طرح شعاعیں سورج سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کسی شخص کے مسلمان ہونے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہے کہ اس نے اپنے آپ کو پیکر رسالت کے قالب میں ڈھال لیا ہے۔

حقیقت ایمان میں بنیادی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق اور تسلیم کرنا ہے خواہ وہ باتیں از قبیل خبر ہوں یا حکم۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماضی، حال اور استقبال سے متعلق جو خبریں بھی بیان فرمائی ہیں ان کی فوراً دل سے تصدیق کی جائے۔ خواہ وہ خبریں عقل کے نزدیک مستبعد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رات کے ایک لمحہ میں کعبہ سے مسجد اقصیٰ اور فرش سے عرش تک کی سیر کر آیا ہوں۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا حضور میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ واقعی ایک لمحہ میں یہ عظیم الشان سیر کر آئے ہیں اور آپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی مثال یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :۔

ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم۔ (النساء ۶۶) اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو۔)

یہ آیت سن کر صدیق اکبر فوراً پکار اٹھے کہ حضور اگر آپ حکم دیں تو میں ابھی اپنے ہاتھوں سے سر اتار کر رکھ دیتا ہوں۔" حضور صلی اللہ

marfat.com

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"صدقت یا ابا بکر" اے ابوبکر تم نے سچ کہا۔ (الصواعق المحرقہ)

ہمارے ایمان کی خامیاں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں ان کی تسلیم کا مدار اس چیز پر ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت دونوں پر کامل ایمان ہو۔ مثلاً جب ہم اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر عمل نہیں کرتے اس وقت یا تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری اس نافرمانی کا علم نہیں ہے۔ اس شکل میں اللہ تعالیٰ کے علم پر ہمارا ایمان نہیں ہوا۔ اور اگر ہم علم مانتے ہیں اور اس کے باوجود اس کی حکم عدولی کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ باوجود علم کے ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس صورت میں ہمارا اس کی قدرت پر ایمان نہ ہوگا۔

ٹریفک کے قانون کے تحت بعض سڑکوں پر ون وے ٹریفک ہوتا ہے۔ جب ہمیں معلوم ہو کہ سڑک پر اس وقت ٹریفک کا کوئی سپاہی موجود نہیں ہے تو بسا اوقات ہم قانون کے خلاف غلط سمت بھی اپنی سواریوں کو لے جاتے ہیں کیونکہ ہم کو یقین ہوتا ہے کہ ٹریفک کے سپاہیوں کو اس وقت ہماری اس قانون شکنی کا علم نہیں ہوگا اور جب ہم دیکھ رہے ہوں کہ سڑک پر سپاہی تو ہیں لیکن وہ ٹریفک کے سپاہی نہیں ہیں اور انہیں اس قانون شکنی پر گرفت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تب بھی ہم ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے دھڑک گزر جاتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان سپاہیوں کو ہماری اس خلافِ قانون حرکت کا علم تو ہے لیکن ان کو اس قانون شکنی پر ہم سے مواخذہ کرنے کی قدرت نہیں ہے اور جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ سڑک پر ٹریفک کے سپاہی موجود ہیں تو ہم ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کرتے، کیونکہ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ٹریفک کے اس سپاہی کو ہماری قانون شکنی کا علم بھی ہے اور سزا دینے کا اختیار اور اس پر قدرت بھی ہے۔ اب سوچئے کہ جب ہم

marfat.com

اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں تو کیا سمجھ کے کرتے ہیں یا تو ہمارا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہماری اس نافرمانی کا علم نہیں ہوگا۔ یا ہم یہ سمجھتے ہیں علم تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمیں سزا دینے پر قدرت نہیں ہے کیا یہ ستم کی انتہا نہیں ہے کہ ہم دنیا کے ایک ادنیٰ ٹریفک کانسٹیبل کے علم اور قدرت پر جس قدر یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر ہمیں اتنا یقین اور ایمان بھی نہیں ہے۔

ایک اور انداز سے سوچئے کہ ایک چھ ماہ کا ناسمجھ بچہ آگ کے جلتے ہوئے انگاروں میں بے خطر ہاتھ ڈال دیتا ہے کیونکہ اس کو یہ علم اور یقین نہیں ہوتا کہ یہ آگ اس کو جلا دے گی اور ہم اس جلتی ہوئی آگ میں ہاتھ اس لیے نہیں ڈالتے کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ یہ آگ ہمارے ہاتھ جلا دے گی۔ پس معلوم ہوا کہ ہم اس دنیاوی آگ کے جلانے پر جتنا ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ آخرت میں دوزخ کی آگ کے جلانے پر ہم اتنا بھی یقین نہیں رکھتے ورنہ ہم کبھی علی الاعلان فحاشی، معاصی اور منکرات کے ان کاموں میں ہاتھ نہ ڈالتے جو دوزخ کی آگ میں جلنے کا موجب ہوتے ہیں۔

اس مثال سے یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے ایمان میں خامی اور کمزوری ہے کیونکہ ہم دنیاوی عذاب پر تو یقین رکھتے ہیں، اور آخرت کے عذاب پر ایمان ہمارے اعمال سے ظاہر نہیں ہوتا۔

ایمان کامل کی ایک مثال

ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور جب سے میں نے آپ سے یہ سُنا ہے کہ قبر میت کو دباتی ہے، اس دن سے میری راتوں کی نیند اُڑ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دباتی تو ضرور ہے۔ مگر نیکوکار کو اس طرح دباتی ہے، جیسے ماں بچے کا سر دباتی ہے۔ کیا اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے؟ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گنہگار کو قبر اس طرح دباتی ہے کہ دائیں پسلیاں بائیں پسلیوں میں اور بائیں پسلیاں دائیں پسلیوں میں گھس جاتی ہیں۔ (زبر اس)

غور کیجئے کہ ہم نے عذاب قبر کے بارے میں بار ہا احادیث میں وارد شدہ یہ

marfat.com

وعیدیں سُنی ہیں، کیا اس خوف سے کوئی رات ہم نے بھی بے چینی میں گزاری ہے؟ کیا کسی رات ہم بھی عذاب قبر کے خوف سے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے ہیں اور اگر اس قسم کی احادیث بار ہا سُننے کے باوجود بھی ہم رات کو بے فکری سے گھوڑے بیچ کر سوئے رہتے ہیں تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضور کی خبروں کے ساتھ جو تصدیق حضرت عائشہ کو حاصل تھی آپ کی ان احادیث کے ساتھ وہ تصدیق ہم کو حاصل نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق کے احکام کے ساتھ تصدیق اور ان کو تسلیم کرنے میں بے اندازہ خامیاں اور کمزوریاں رکھتے ہیں۔

ایمان کامل کا ایک معیار اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایمان کے کمال اور اس کے نقصان کی ایک کسوٹی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- انها لكبيرة الا على الخاشعين۝ الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون- البقرہ ۴۵:۴۶

(بلاشبہ نماز کا پڑھنا دشوار ہے۔ سوا ان لوگوں کے جو یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے اور آخرت میں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نماز پڑھنے کو دشوار اور بھاری سمجھتے ہیں ان کا نہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر ایمان ہے اور نہ ہی ان کا آخرت پر کوئی یقین ہے۔ ایمان کے نہ ہونے کا معیار اور کسوٹی میری یا آپ کی بیان کردہ نہیں ہے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ایمان کا یہ معیار بیان فرمایا ہے۔ آئیے اب ہم اپنا جائزہ لیں، آیا نماز کا پڑھنا ہم پر گراں اور دشوار ہے یا سہل اور آسان۔ اب اپنی زندگی کا تجزیہ کر لیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اس معیار پر ہمارا اور آپ کا ایمان کس حد تک پورا اترتا ہے۔

کمزور اور ناقص ایمان کے نتائج جب انسان کا اللہ اور اس کے رسول

marfat.com

پر ایمان کمزور ہوتا ہے تو وہ بظاہر عبادت کرتا ہے۔ احکامِ الٰہی کی اتباع بھی کرتا ہے اور منہیات سے اجتناب بھی کرتا ہے، لیکن اگر ہم اس کی عبادات کا تجزیہ کریں تو اس کی عبادت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے جذبہ اور اس فرماں برداری کی نیت سے خالی ہوتی ہے۔ غور فرمایئے جب محلہ میں کسی بااثر شخصیت یا خاندان کے کسی عزیز فرد کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اس کی نماز جنازہ میں اس قدر کثیر افراد جمع ہو جاتے ہیں کہ جنازگاہ میں جگہ نہیں ملتی اور یہی تمام لوگ جو اس نماز جنازہ کو پڑھنے کے لیے اس جوش و خروش سے جمع ہوتے ہیں۔ کیا یہ سب لوگ پانچ وقت کی فرض نمازیں بھی اسی جوش و خروش سے پڑھتے ہیں اور اگر نہیں پڑھتے اور فی الواقع نہیں پڑھتے تو آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ کیا نماز جنازہ کسی اور خدا نے فرض کی ہے اور روزمرّہ کی پانچ نمازیں فرض کرنے والا کوئی اور خدا ہے۔ جب کہ روزمرّہ کی پانچ نمازیں فرض عین ہیں اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کا جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن ہوتا تو نماز جنازہ کی نسبت روزمرّہ کی پانچ نمازوں کو ہم زیادہ جوش و خروش سے پڑھتے لو جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں ہماری یہ کثرت، اژدہام اور جوش و خروش محض خاندانی رسم و رواج اور محلہ داری کے روابط قائم رکھنے کے لیے ہوتا ہے اور ہمارے اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کوئی جذبہ کار فرما نہیں ہوتا۔

اسی طرح عید کی نماز میں لوگوں کا زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ زرق برق کپڑے پہن کر خوشبوؤں میں مہکتے ہوئے لوگ جوق در جوق کھلے میدانوں، عیدگاہوں اور شہر کی تمام چھوٹی بڑی مسجدوں میں جوش و خروش سے نماز عید پڑھنے کے لیے پہنچتے ہیں۔ حتیٰ کہ مساجد تنگ ہو جاتی ہیں اور لوگ سڑکوں پر چادریں بچھا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس موقع پر لوگوں کی کثرت اور اژدہام کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بعض جگہوں پر ٹریفک کا نظام بھی متاثر ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عید کی نماز جس جذبہ اور شوق سے لوگ پڑھتے ہیں وہ ذوق و شوق اور کثرت و اژدہام

روزمرّہ کی پانچ نمازوں میں کیوں نظر نہیں آتا۔ کیا عید کی نماز کسی اور خدا نے مشروع کی ہے اور روزمرّہ کی پانچ نمازوں کو مشروع کرنے والا کوئی اور خدا ہے۔ جبکہ پنجگانہ نمازیں فرض عین ہیں اور عید کی نماز زیادہ سے زیادہ واجب یا سنّت موکدہ ہے۔ کیا ہمارے پیدا کردہ اس فرق سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ عید کی نماز میں ہماری یہ کثرت و اژدہام، یہ اہتمام اور احتشام یہ ذوق و شوق اور جوش وخروش اطاعت الٰہی اور اس کی عبادت کے جذبے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عید کا دن ہمارے لیے ایک تہوار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اس دن کی نماز ہماری معاشرت، ثقافت اور تہذیب وتمدن کا ایک جزد بن چکی ہے۔

ایمان کی کمزوری جس طرح احکامات الٰہی کی تعمیل پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح اس کمزوری کا اثر منہیات اور ممنوعات سے اجتناب پر بھی پڑتا ہے مثلاً مسلمانوں کا ایک عام وطیرہ ہے کہ وہ مردار اور خنزیر نہیں کھاتے، لیکن کیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر یہ سبب ہے تو پھر شراب، رشوت اور ناجائز ذرائع سے آمدنی کھانا ہم کیوں نہیں چھوڑتے۔ آخر ان چیزوں کے حرام کرنے والا بھی تو وہی خدا ہے۔ جس نے مردار اور خنزیر کو حرام کیا ہے۔ اشیاء خوردنی میں مضر اشیاء کی ملاوٹ، سود، ذخیرہ اندوزی، قمار بازی، بداخلاقی، گفتگو میں جھوٹ، چغلی اور غیبت یہ سب چیزیں بھی تو اسی خدا نے حرام کی ہیں۔ جس نے مُردار، خنزیر اور غلاظت کو حرام کیا ہے، لیکن مردار، خنزیر اور غلاظت کو تو ہم بالکل نہیں چھوتے اور باقی حرام چیزوں کے ساتھ بلاخوف و خطر مشغول رہتے ہیں تو کیا ہماری اس روش سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مُردار، خنزیر اور دیگر نجس اور ناپاک چیزوں کا کھانا ہم نے خوفِ خدا سے نہیں چھوڑا بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں ہم کو طبعاً ناپسند اور مکروہ ہیں اور ان سے اجتناب کا اصل محرک خوف خداوندی نہیں بلکہ ہماری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے۔

marfat.com

ایمان باللہ کا تقاضا

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔ ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (التوبۃ:۱۱۱) (اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے)

جب ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی جان اور مال کے بدلہ میں جنت کا یہ سودا کر چکے ہیں، تو یہ جان اور مال اب ہماری ملکیت نہیں رہے۔ اب اس جان و مال پر ہمارا قبضہ اور تصرّف نہیں رہا۔ اب ہم آزاد نہیں، بکے ہوئے ہیں۔ اپنے نہیں اس کے ہیں، ہمارا سونا، جاگنا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، لین دین، خرید فروخت زر اور زمین، سیاست و تجارت، سفارت اور حکومت کوئی چیز بھی تو اپنی نہیں رہی۔ ان تمام امور میں اب ہمارا تصرّف نہیں رہا، کسی چیز پر ہمارا اختیار نہیں۔ یہ تمام امور اب اس کے تصرّف کے تابع ہیں اور اس کے اذن اور حکم کے بغیر اگر ہم ذرّہ برابر بھی کسی چیز میں تصرّف کرتے ہیں اور اس کی مرضی اور منشأ کے خلاف ان امور میں اپنی رائے اور خواہش کے مطابق عمل کرتے ہیں تو اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو ہنوز ہم نے خدا سے یہ سودا نہیں کیا یا سودا کرنے کے بعد اور اپنی جان و مال کو اس کے ہاتھ فروخت کرنے کے بعد بھی ہم اس کی مملکت میں اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنی خواہش سے تصرّف کر رہے ہیں۔ بتائیے کیا ہم خود اس بات پر راضی ہوں گے کہ کسی شخص سے کوئی چیز خریدنے کے بعد بھی وہ شخص اس چیز میں تصرّف کرتا رہے۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں ہے کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرنے کے بعد بھی فروخت شدہ چیز پر اپنا تصرّف اور قبضہ برقرار رکھے۔ پھر کائنات میں اس سے بڑھ کے اور کوئی ستم کیا ہوگا کہ جس سلوک کو ہم اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ ظلم و ستم کا وہ رویّہ ہم نے مسلسل اور شب و روز خالقِ کائنات کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔

ایمان بالرسول کا تقاضا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

marfat.com

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ الاحزاب : ۶

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جانوں اور مالوں پر ان سے زیادہ تصرّف کا حق رکھتے ہیں۔ مثلاً ہم سونا چاہتے ہوں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہو اس وقت نماز پڑھو، تو اگر ہم اپنے آپ کو رسول اللہ کا غلام اور انہیں اپنی جان و مال کا مالک سمجھتے ہیں تو ہم اس وقت سو نہیں سکتے۔ بلکہ ہمیں اٹھ کر نماز پڑھنی ہو گی۔ اسی طرح رمضان میں ہم دن کے وقت کھانا چاہیں اور عید کے دن کھانا چھوڑنا چاہیں تو رمضان میں دن کے وقت کھا نہیں سکتے اور عید کے دن کھانا چھوڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہمیں اپنے اوپر وہ اختیار نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اوپر حاصل ہے۔

کسی چیز کو فروخت کرنا ایک عام سا کام ہے۔ لیکن اس کی تفصیل پر غور کیجئے، بظاہر یہ مال اور جنس ہماری ملکیت ہیں، لیکن ہم جس جگہ اس چیز کو فروخت کرنا چاہیں نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسجد میں بیع و شراء سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ جس وقت فروخت کرنا چاہیں یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نماز اور جماعت کے وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ جس شخص کو چاہیں فروخت کر دیں۔ یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ پڑوسی اور شریک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا حق دیا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر ہم اپنی زمین وغیرہ کو فروخت نہیں کر سکتے اور جس قیمت کے عوض فروخت کرنا چاہیں یہ بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضور علیہ السلام نے شراب مُردار اور نجس چیزوں کے عوض کسی چیز کو بیچنے سے منع فرما دیا ہے۔

اب سوچئے کہ مال بظاہر ہمارا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا بندہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سمجھتے ہیں تو جس جگہ چاہیں، جس وقت چاہیں، جس شخص کو چاہیں اور جس قیمت پر چاہیں فروخت نہیں کر سکتے اسی لئے اپنی خواہش سے نہ سو سکتے ہیں نہ جاگ سکتے ہیں نہ اپنی مرضی سے کھانا کھانے کا اختیار ہے، نہ کھانا چھوڑنے کا۔

marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کے رسول برحق کی مرضی کے بغیر نہ ہمیں اپنی جان پر اختیار ہے نہ اپنے مال پر۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؂

چو می گویم مسلمانم بلرزم　　　　که دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

اور یہ بھی کہا ہے ؂

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے　　　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

ایمان میں خامی اور اطاعت میں کمی پر مواخذہ

اب آخر میں صرف اس نکتہ کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ایمان کی خامی اور اطاعت میں کمی پر قدرت کی طرف سے کیا مولخذہ اور دار و گیر ہوتی ہے۔ آخرت کی سزا تو الگ رکھیے دنیا میں مکافاتِ عمل کی ایک مثال سے اپنے شب و روز کے اعمال پر مواخذہ کا اندازہ کیجیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پچاس جوانوں کو ایک دَرّہ پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ کو نہ چھوڑنا جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کر دی اور مسلمانوں نے کفار کے چھوڑے ہوئے مال کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر کے بعض وہ ساتھی جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اپنے امیر کے پیہم منع کرنے کے باوجود مالِ غنیمت کی طمع میں وہ دَرّہ خالی چھوڑ گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو فراموش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالے نے مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی کو ہار میں تبدیل کر دیا۔ سوچیے کہ پچاس سے کم افراد نے حضور کے ایک حکم کی نافرمانی کی تو اللہ تعالے نے اس پر کس قدر سخت مواخذہ کیا اور جب لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احکام کی نافرمانیاں کر رہے ہوں تو ان کی یہ بداعمالیاں اللہ تعالے کے غضب کو کس طرح للکار رہی ہوں گی!

marfat.com

ایمان کی کمی کی وجہ سے دنیاوی نقصان

ایک وقت تھا جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اس وقت جزیرہ عرب سے لے کر ساحل مکران تک مسلمانوں کی سطوت کے پرچم لہرا رہے تھے بلکہ سلطنت عباسیہ میں اسلامی حکومت تین براعظموں میں پھیل چکی تھی۔ بحر و بر پر ان کی حکومت تھی، دریا ان کے حکم سے جاری ہوتے تھے اور قضاء الٰہی ان کے عزائم کا ساتھ دیتی تھی، مسلمان جس طرف نکل جاتے تھے مظلوموں کی فریاد رسی کرتے تھے، ضرورت مند لوگوں میں دھن دولت تقسیم کرتے تھے۔ جہالت کے گوشوں کو ان کے علم کی قندیلوں نے روشن کیا اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں سبقت کے نیزے انہوں نے نصب کیے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت نے انہیں چھوڑ دیا اور وہ قوم جو مشرق و مغرب میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ چکی تھی ہر جگہ پسپا اور مغلوب ہونے لگی۔ جو قوم فقراء اور مساکین میں دولت اور غلہ تقسیم کرتی تھی۔ آج اپنی معاشی ضروریات کے لیے اغنیاء کی طرف کاسۂ گدائی بڑھانے لگی، جو دنیا میں علم و حکمت کے استاد بن کر نکلے تھے وہ علم کی تلاش میں اغیار کے محتاج ہو گئے اور جو دوسروں کی عزت و ناموس کے محافظ تھے آج اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے غیروں کا منہ تکنے لگے ہے

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے ان سے پھرے جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

تدارک اور علاج

ہم نے اس سرزمین کو اسلام کی ایک مثالی ریاست بنانے کے نعرے سے حاصل کیا تھا اس کے لیے ہم نے قربانیاں دیں، جدوجہد کی اور بالآخر انگریز کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر ہم نے نظام مصطفیٰ نافذ کرنے کے لیے اور ہندوؤں سے اپنا ایک الگ تشخص ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ خطۂ پاک حاصل کرلیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

marfat.com

ذالک بان اللہ لم یک مغیراً نعمۃً انعمھا علیٰ قوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ الانفال: ۵۳

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت دے کر اس سے اس وقت تک وہ نعمت واپس نہیں لیتا۔ جب تک اپنے چلن سے وہ خود کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہ کر دے۔

ہم نے اس ارض پاک کو حاصل کرنے بعد اکتیس سال تک اس میں اسلامی قانون اور نظام مصطفےٰ کا نفاذ نہیں کیا۔ نتیجتہً ہم آدھے ملک سے محروم ہو گئے۔ پھر باقی ماندہ ملک میں بھی اللہ تعالیٰ کی تنبیہات مختلف عذابوں کی شکل میں نازل ہوتی رہیں۔ لگاتار سیلاب آئے، زلزلے آئے۔ ظالم اور فاسق و فاجر حکمران ہم پر مسلّط کئے گئے۔ جنہوں نے اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کی خاطر قومی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ مہنگائی اور ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر قوم کی رگوں سے خون نچوڑنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ الحدید: ۱۶

(اللہ تعالیٰ کے عذاب کی اس قدر واضح صورتیں دیکھنے کے باوجود) کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل خوف خداوندی سے پگھل جائیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اجتماعی طور پر اصلاح کریں۔ ہر شخص خود نیک بنے اور اپنے زیرِ اثر لوگوں کو نیک بنائے۔ ایک فرد دوسرے فرد کو اور ایک محلہ دوسرے محلہ کو نیک بنائے۔ پہلے ہم اپنی ذات میں اور پھر اپنے گھر اور خاندان میں نظام مصطفےٰ کو نافذ کریں حتیٰ کہ قریہ قریہ اور شہر شہر میں اسلام پھیلتا چلا جائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا :۔

کلکم راع و کلکم مسئول "تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اس لیے ہر گھر کے بااثر شخص پر یہ ذمہ داری ہے کہ

marfat.com

وہ خود بھی نیک بنے اور اپنے گھر والوں کو بھی نیک بنائے۔ استاذ اپنے شاگردوں میں نیکی پھیلائے۔ کسی محکمہ کا سربراہ اپنے پورے محکمہ میں نیکی کو فروغ دے۔ اسی طرح انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ تجارت کا ہو یا ملازمت کا، سیاست کا ہو یا سفارت کا۔ پولیس کا محکمہ ہو یا فوج کا۔ جو بھی اس شعبہ کا سربراہ ہو وہ اپنے حلقہ اثر میں حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی تلقین کرے اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتے رہیں، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ سرزمین پاک کے معاشرہ میں اسلامی اقدار کا فروغ نہ ہو۔ جب ملک کے تمام افراد اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ہوں گے، تو یقیناً اسمبلیوں میں بھی نظام مصطفٰے پہنچے گا۔ اور یہ ایک ملک تمام ممالک اسلامیہ کے لیے ایک مثال اور آئیڈیل کی حیثیت اختیار کر جائے گا اور یہی وہ وقت ہوگا جب علامہ اقبال اور قائداعظم کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی موسلا دھار برسات ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضامندی سے مملکت اسلامیہ کا گوشہ گوشہ اسلامی اقدار اور حسنات اور برکات کی خوشبو سے مہک اٹھے گا۔ فرشتے انسان کی عظمتوں کو سلام کرنے کے لیے آسمان سے قطار در قطار اتریں گے اور ابلیس کسی تاریک گوشہ میں جاکر اپنا منہ چھپائے گا

---

marfat.com

اسلامی فلسفہ عدل و انصاف

انصاف کے معنی لغت میں کسی چیز کے دو مساوی حصے کرنے کے آتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلامی عدل و انصاف کو بعض لوگ اسلامی مساوات یا مساواتِ محمدی سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی تعبیر سے ایک مغالطہ کا دروازہ کھلتا ہے جب بعض لوگ اسلامی مساوات یا مساواتِ محمدی کی تشریح طبقاتی مساوات سے کرتے ہیں اور یہ تشریح ایک مسلمان کو بتدریج اشتراکیت اور الحاد کی طرف لے جاتی ہے اس لیے ہم اسلامی فلسفہ عدل و انصاف بیان کرنے سے پہلے طبقاتی مساوات پر مفصل گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بیان کریں گے کہ اسلام میں عدل و انصاف کی صحیح تعبیر اور تشریح کیا ہے۔

طبقاتی مساوات

اس کائنات کے فطری نظام پر غور کیجیے آپ کو ہر چیز ایک جداگانہ مرتبہ اور حیثیت میں نظر آئے گی۔ جس نظامِ شمسی میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں سورج سے زیادہ طاقت ور اور کوئی سیارہ نہیں ہے۔ چاند اور زمین اس کے مقابلہ میں کم حیثیت کے حامل ہیں۔ زرعی پیداوار میں پھلوں کی اجناس پر ایک نگاہ ڈالیے آپ دیکھیں گے کہ تمام پھل مساوی درجہ اور قیمت نہیں رکھتے۔ پھلوں کی جنس تو دور کی بات ہے کسی ایک پھل کی نوع مثلاً آم کو دیکھئے کیا اس کی تمام اقسام درجہ اور قیمت میں برابر ہیں۔ اسی طرح غلہ کی تمام اجناس بھی قیمت اور درجہ میں مساوی حیثیت نہیں رکھتیں۔ جنس تو الگ رہی غلہ کی کسی ایک نوع چاول کو لے لیں کیا اس کی تمام اقسام ایک قیمت پر ملتی ہیں

marfat.com

یہی حال پھولوں کا ہے۔ ہر ایک پھول کی ایک الگ رنگت۔ علیٰحدہ خوشبو اور اس کا اپنا ایک منفرد مقام ہوتا ہے جو کسی دوسرے پھول کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔ انسان خود اپنی جسمانی ساخت پر غور کرے، کیا اس کے جسم کے تمام اعضاء مساوی حیثیت اور مرتبہ رکھتے ہیں؟ کیا دماغ، دل، ہاتھ اور پیر مساوی مرتبہ کے ہیں؟ اگر انسان کے ہاتھ یا پیر کاٹ دیئے جائیں تو اتنا زیادہ نقصان نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کے دل یا دماغ پر گولی لگے جس سے دل یا دماغ بے کار ہوجائے تو اس کی زندگی ختم ہوجائیگی

ایک اور زاویہ نگاہ سے دیکھئے ایک شخص اپنی زندگی کا بیشتر حصہ کھیل کود اور آوارہ گردی میں گذار دیتا ہے اور اپنے روشن مستقبل کے لیے تعلیم و تربیت کا حصول اور محنت اور جدّ و جہد نہیں کرتا اور بالآخر بڑا ہونے کے بعد کسب معاش کے لیے اینٹیں ڈھوتا ہے اور کوئی محنت مزدوری کا کام کرتا ہے اس کے برخلاف ایک شخص بچپن سے اپنے آپ کو حصولِ تعلیم کی کٹھن راہوں میں ڈھال دیتا ہے اور بڑا ہوکر معاشرہ میں ایک انجینئر، ڈاکٹر یا عالم دین کی حیثیت سے اُبھرتا ہے۔ کیا عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک غیر تعلیم یافتہ مزدور اور ایک ماہر انجینئر دونوں کی آمدنی اور سماجی مقام کو ایک پیمانہ پر تولا جائے اس لیے اگر ہم ہوش و حواس کو خیرباد نہیں کہہ چکے تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ طبقاتی مساوات ایک غیر فطری اصطلاح ہے اور اس غیر فطری اصطلاح کا اسلام کے ساتھ کوئی پیوند نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے:

لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ (ہر شخص کو اس کی محنت کے مطابق ثمر ملتا ہے)

اسی طرح مال و دولت اور عزت و حشمت کے اعتبار سے بھی سب انسان مساوی نہیں ہوسکتے۔ ایک شخص کفایت شعاری کرکے پیسے بچاتا ہے اور اس کو تجارت میں لگاکر بڑھاتا چلا جاتا ہے اور معاشرہ میں ایک امیر کبیر شخص کی حیثیت سے اُبھرتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسرا شخص اپنی تمام آمدنی کو عیاشی اور رنگ رلیوں میں صرف کردیتا ہے اور ہمیشہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کا

marfat.com

دست نگر رہتا ہے کیا ان دونوں شخصوں کو ایک مساوی طبقہ میں رکھنا یہی مساوات اور عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اس قسم کا اقدام نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کا خون ہے بلکہ قرآن کریم کے بھی مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"واللّٰہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق" النحل: ۷۱

(اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں پر رزق میں فضیلت دی ہے)

جس طرح مشین کے تمام کل پرزے مساوی حیثیت کے نہیں ہوتے کوئی پرزہ معمولی نٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی آرمیچر ہے۔ کوئی ریکٹی فائر ہے، کوئی موٹر ہے اور کوئی معمولی کاربن ہے۔ لیکن مشین کو کام کرنے کے لیئے ان سب پرزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی قیمت، اہمیت اور حیثیت میں فرق ہوگا۔ لیکن مجموعی طور پر مشین کی کارکردگی کے لئے ان سب پرزوں کی اپنے اپنے مقام پر احتیاج ہے اور جب یہ تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر فٹ ہونگے تبھی مشین چل سکے گی اور اگر ان تمام پرزوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا کر سب کو ایک لائن میں لگا دیا جائے تو مشین کبھی کام نہیں کر سکتی۔ اسی طرح معاشرہ میں مختلف صلاحیتوں اور متفاوت قابلیتوں کے حامل افراد جب اپنے اپنے مقام پر رہ کر کام کریں گے اور ہر شخص کو اس کی قابلیت اور استعداد کے مطابق حیثیت دی جائے گی تب ہی معاشرہ کی گاڑی صحت اور صلاح کے ساتھ چل سکے گی ورنہ فساد اور تصادم کی وجہ سے انسان کی تمدنی زندگی مفلوج اور عدل و انصاف کے تقاضے تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ ملک کا امن و سکون غارت ہو جائے گا اسلامی اقدار سے قوم محروم ہو جائے گی اور ایک اسلامی نظریاتی مملکت کی دیواروں میں خاک و خون سے دراڑیں پڑ جائیں گی۔ اور اس ملک کی چھت جھاگ کی طرح بیٹھتی چلی جائے گی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت ہنگامی موقعوں پر بھی کسی شخص سے اس کی ذاتی املاک کو اس سے چھین کر اپنے مصرف میں نہیں لیا۔ غزوہ تبوک جیسے

marfat.com

نازک اور سخت مرحلہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارباب ثروت سے امداد و معاونت کی اپیل کی، اور باوجود سب سے اعلیٰ اختیار رکھنے کے کسی شخص سے جبراً ایک درہم بھی وصول نہیں کیا۔

جس طرح دوسروں کی جائز املاک کو غصب کر لینا ایک ظالمانہ فعل ہے اسی طرح دولت کی مساوی تقسیم بھی فطرت اور انصاف دونوں کے خلاف ہے کیونکہ فطرت اور انصاف دونوں کا منشاء یہی ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور صلاحیت کے مطابق معاشرہ میں عزت اور مقام اور مال و دولت سے حصہ ملنا چاہیئے اور اگر سعی اور استعداد کا لحاظ کئے بغیر تمام لوگوں میں دولت کی مساوی تقسیم کر دی جائے تو نہ یہ صرف عدل و انصاف اور فطرت کے خلاف ہے بلکہ صریحاً قرآن کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر ط الشوریٰ : ۲۷

اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر رزق کی کشادگی کر دے تو معاشرہ میں فساد برپا ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ رزق کی تقسیم اپنی مشیت اور حکمت سے ایک خاص انداز کے مطابق فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ اپنے بندوں کی ضرورتوں سے واقف اور ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

خوب یاد رکھیئے کہ جو نظام فطرت اور منشاء الٰہی کے خلاف ہو گا وہ سوائے فساد کے اور کوئی ثمر نہیں لا سکتا۔ انسان عالم صغیر ہے اور یہ خارجی اور ظاہری کائنات عالم کبیر ہے۔ اس عالم صغیر کی نشو و نما ترقی اور بقاء تب ہی ہو سکتی ہے جب اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق یہ جسم اپنا کام کرتا رہے گا اور اگر اس نظام کے خلاف بدن انسان میں کوئی انقلاب آجائے تو انسان کا مزاج اور قوام فاسد ہو جائے گا اور چشم زدن میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے بدن انسانی کے لیے نظام بنایا ہے کہ خون رگوں میں گردش کرے، پیشاب مثانہ میں جمع ہو

marfat.com

مغز دماغ میں رہے اور فضلہ بڑی آنت میں جمع ہو۔ فرض کیجیے کہ خون رگوں کی بجائے مثانہ میں چلا جائے اور پیشاب مثانہ کی جگہ رگوں اور شریانوں میں دوڑنے لگے، فضلہ دماغ میں پہنچ جائے اور مغز آنتوں میں چلا جائے تو بتلایئے کہ کیا ایسی صورت میں انسانی جسم کا نظام فاسد نہیں ہوگا اور جب انسان کے جسم میں اس قسم کا انقلاب برپا ہوگا تو بتلایئے کہ اس انقلاب کے بعد وہ جسم کتنی دیر تک زندہ رہ سکے گا؟

جس طرح اللہ تعالیٰ نے عالمِ صغیر یعنی انسانی جسم کے لیے کچھ اصول، قانون اور ضابطے بنائے ہیں اور جب تک انسانی جسم ان صولوں اور قوانین کے مطابق عمل کرتا رہیگا، صالح رہے گا اور اگر اس میں بالفرض قانون الٰہی کے برخلاف انقلاب آجائے تو وہ جسم فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر خصوصاً اسلامی ریاست کے لیے بھی ایک قانون وضع کیا ہے جب تک وہ ریاست اس قانون کے مطابق چلتی رہے گی صالح رہے گی اور جب اس قانون کے خلاف اس میں انقلاب لا یا جائے گا تو معاشرہ میں فساد برپا ہوگا اور ریاست اپنا وجود کھو بیٹھے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

ان الحکم الا للہ اس ملک میں حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس. ہم نے آپ کے اوپر (آئین اسلام کی شکل میں) کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تا کہ آپ لوگوں میں اس آئین کو نافذ کریں۔" ایک اور جگہ فرمایا: انا انزلنا الیک الکتاب لتبین للناس. ہم نے آپ کے اوپر یہ کتاب نازل کی ہے اور اس کی تبیین اور تفصیل کرنا آپ کا کام ہے"۔ ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں اصول اور کلیات بیان فرما دیے ہیں اور اس کو باقاعدہ ایک آئین اور نظام کی شکل میں ڈھالنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو نظام مصطفےٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب اگر ہم معاشرہ کی فلاح وبہبود

marfat.com

اور ترقی چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس ملک میں اسی نظام کو جاری کیا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے مسلم سوسائٹی کے لیے وضع کیا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے نظام کے خلاف کسی اور نظام کو لاکر ہم نے ملک میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی تو اس انقلاب کا بھی وہی حشر ہوگا جو انسان کے جسم میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام کے خلاف انقلاب لانے سے ہوتا ہے جس طرح انسانی جسم کی بقاء اسی وقت ممکن ہے جب وہ آئین الٰہی کے تابع ہو کر کام کرتا ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرہ بالخصوص مسلم سوسائٹی کی بقاء اور فلاح بھی اسی وقت متصور ہوگی جب وہ آئین الٰہی یعنی نظام مصطفیٰ کے مطابق چلتا رہے۔

ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو طبقاتی مساوات ثابت کرنے کے لیے اسلام کے ساتھ اشتراکیت کا پیوند لگاتے ہیں۔ یعنی عبادت تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے کریں گے اور روٹی حاصل کرنے کے لیے ماؤ اور لینن کے دروازے پر دستک دیں گے۔ حالانکہ چاہیئے یہ کہ جس کی بارگاہ میں مسلمان سجدہ کرتا ہے، روٹی حاصل کرنے کیلئے بھی اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

اسلامی مساوات

اسلام جس مساوات کو پیش کرتا ہے وہ طبقات کی غیر فطری مساوات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اسلام نے جس مساوات کو پیش کیا ہے وہ اصول اور قانون کی مساوات ہے۔ یعنی قانون اور اصول کی نظر میں سب مساوی ہیں۔ کسی فرد یا شخص کو خواہ وہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو اس کو نہ اصول اور قانون سے برتر قرار دیا جا سکتا ہے نہ مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو زر فدیہ لے کر آزاد کیا جا رہا تھا۔ فدیہ کی عام رقم چار ہزار درہم تھی۔ لیکن امراء سے زیادہ فدیہ لیا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے اسی سبب سے بعض نیک دل انصار نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ

marfat.com

فدیہ معاف کر دیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ایک درہم بھی معاف نہ کرو، بلکہ حضرت عباس سے ان کی امارت کی وجہ سے حسب قاعدہ ۴ ہزار درہم سے زیادہ وصول کیے جائیں (بخاری کتاب المغازی در باب فداء المشرکین) اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قانون کے نفاذ کی راہ میں کسی قسم کا رشتہ اور ناطہ حائل نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی فاطمہ بنت اسود نامی ایک عورت نے چوری کی۔ یہ خاندان چونکہ قریش میں عزت اور وجاہت کا حامل تھا اس لیے لوگ چاہتے تھے کہ وہ عورت سزا سے بچ جائے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص منظور نظر تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کیجئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی کی درخواست کی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ ہو گئے کہ وہ غرباء پر بلا تامل حد جاری کر دیتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے (یہ تو فاطمہ بنت اسود ہے) قسم ہے رب عظیم کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

(بخاری شریف جلد ا، ۲)

فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا محاصرہ کیا لیکن ہنوز وہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ صخر نامی ایک صحابی ذی حیثیت رئیس تھے ان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے خود جا کر طائف کی حصار بندی کی، اور اہل شہر پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ بالآخر مصالحت پر راضی ہو گئے۔ اور صخر نے بارگاہ نبوت میں فتح و کامیابی کی اطلاع بھیج دی۔ اس فتح کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے۔ آپ نے صخر کو بلایا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو اس کے بعد بنو سلیم

marfat.com

آئے اور عرض کیا کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا اب ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس لئے ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلایا جائے۔ آپ نے صخر کو بلایا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان کا چشمہ ان کو واپس دے دو۔ صخر کو بارگاہ مصطفوی کی بے لاگ عدالت کا یہ فیصلہ بھی منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صخر نے دونوں فیصلے منظور کئے تو میں نے دیکھا کہ حضور کے چہرۂ اقدس پر ترحم سے سرخی آگئی۔ کیونکہ فاتح طائف حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا انہیں کوئی صلہ نہ ملا۔

(ابو داؤد)

ان تمام واقعات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام فرزندان توحید مساوی ہیں اور نظام مصطفےٰ ہر شخص کو اس کا حق حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور یہ کہ اسلام میں قانون نافذ کرنے کی راہ میں نہ کسی شخص کی ذاتی وجاہت اور قرابت حائل ہو سکتی ہے اور نہ اس کی دینی خدمات عدل وانصاف کے راستہ میں کسی قسم کی رکاوٹ بن سکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں غسان کا بادشاہ جبلہ بن عسفان مسلمان ہو کر مکہ میں آیا۔ جس وقت وہ کعبے کے گرد طواف کر رہا تھا۔ ناگاہ ایک عرب بدو کا پیر اس کی چادر پر پڑ گیا جبلہ کی رگوں میں شاہی خاندان کا خون گردش کر رہا تھا وہ اس بے ادبی کی تاب نہ لا سکا اور اعرابی کے منہ پہ زور سے ایک گھونسہ رسید کیا۔ جس کی ضرب سے اس اعرابی کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس اعرابی نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ آپ نے طرفین کے بیانات سُنے اور جب جبلہ نے تسلیم کر لیا کہ اس نے اعرابی کا دانت توڑا ہے تو آپ نے فیصلہ سنا دیا کہ اب اس اعرابی کو بھی حق دیا جائیگا کہ وہ اپنے دانت کے بدلہ میں تمہارا دانت توڑ دے۔ جبلہ نے کہا کیا ایک اعرابی اور شاہی خاندان کے فرد کے دانت برابر ہو سکتے ہیں

marfat.com

حضرت عمر نے فرمایا :۔

قرآن کریم کا فیصلہ ہے ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔ المائدۃ ۵:۴۵ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے ناک کا بدلہ ناک ہے ، کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور ہر زخم کا قصاص لیا جائے گا ۔

اسلام نے انسانی حقوق کی محافظت کی ہے اور قانون اسلامی کو تمام مسلمانوں پر یکساں اور مساوی حیثیت سے نافذ کیا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایک جاہل بدو کے دانت کی بھی وہی قدر و قیمت ہے جو ایک بادشاہ کے منہ میں لگے ہوئے دانت کی ہے اور جب تم اعرابی کا دانت توڑنا تسلیم کر چکے ہو تو قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ کہنے لگا مجھے ایک دن کی مہلت دیجئے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر وہ واپس غسان کی طرف بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گیا لیکن جبلہ کے اس عمل نے یہ بہر حال ظاہر کر دیا کہ شاہی غرور اور نسلی امتیاز کو کلیسا میں پناہ مل جائے تو مل جائے۔ اسلام کے دامن میں اس کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شاہی خاندان کے افراد اور اربابِ اقتدار کے مقابلہ میں غریب کسانوں، محنت کشوں اور دہقانوں کو اگر اپنے حقوق کا تحفظ اور عدل و انصاف ملتا ہے تو صرف اسلام کی پناہ میں ملتا ہے۔ (حواشی بیضاوی مع توضیح و تفصیل)

عدل و انصاف کا ایک اہم جزو عام مساوات ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب شریف و رذیل سب کو برابر حیثیت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس امر کی اس قدر اہمیت تھی کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لیے متعدد بار خود عدالت میں فریق بن کر گئے۔ ایک دفعہ حضرت عمر اور ابی بن کعب میں کسی بات پر نزاع تھا۔ ابی بن کعب نے زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اور حضرت عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے اٹھ

marfat.com

کر آپ کی تعظیم کی۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ فرما کر ابی ابن کعب کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی بن کعب کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت پر کوئی گواہ نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے دعویٰ پر انکار تھا۔ اس لیے قاعدہ کے مطابق حضرت عمر پر قسم لازمی آتی تھی۔ زید بن ثابت نے حضرت عمر کی شخصیت اور ان کے رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے ابی بن کعب سے کہا! امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اس طرف داری پر سخت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا جب تمہارے نزدیک ایک آدمی اور سربراہ مملکت دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے اہل نہیں سمجھے جاسکتے۔

حضرت عمر نے تمام عمالِ حکومت کو حکم دیا تھا کہ ہر سال حج کے زمانہ میں حاضر ہوں کیونکہ حج کی تقریب کے سبب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر با آواز بلند فرماتے تھے کہ جس شخص کو کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو اس کو پیش کرے چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیق کے بعد ان شکایات کا ازالہ اور تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے بہت بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: صاحبو! عمال اور گورنروں کا تقرر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ بلا وجہ تم کو سزائیں دیں۔ یا تمہارا مال چھین لیں۔ بلکہ میں ان لوگوں کو اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ وہ تم کو اسوۂ رسول کی تعلیم دیں اور معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کریں۔ اقتصادی توازن برقرار رکھیں اور تمہاری تمام جائز ضرورتوں کو پورا کریں۔ پس اگر کسی عامل یا گورنر نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کا قصاص لوں۔ یہ سن کر مصر کے گورنر عمرو بن العاص کھڑے ہو کر کہنے لگے اگر کوئی گورنر یا عامل تادیباً بھی کسی کو مارے گا۔ تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے۔

حضرت عمر نے فرمایا قسم ہے ربّ ذوالجلال کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں ضرور اس کو سزا دوں گا۔ کیونکہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو بلا وجہ مارا نہ کرو۔ ورنہ ان کی عزت و آبرو محفوظ

marfat.com

نہ رہ سکے گی۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام لوگ حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے لگا کر اپنا قصاص لے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا یہ فیصلہ عمال پر بہت گراں گزرے گا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ عزت سو بار مجروح ہو، لیکن عمر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مجرموں کو سزا نہ دے اور حقدار کو اس کے جائز حق سے محروم کر دے۔ (طبری مع توضیح و تفصیل)

یہ ٹھیک ہے کہ اگر عُمال اور گورنروں کو کھلے مجمع میں سزا دی جائے یا ان سے بدلہ لیا جائے تو اس سے ان کے وقار میں کمی آئے گی۔ لیکن حضرت عمر نے یہ ظاہر کیا کہ میں کیا ہوں اور تم کیا ہو، اور تمہاری عزت اور وقار کیا ہے۔ دو عالم کے سردار اور اللہ کے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجمع عام میں خود کو قصاص کے لئے پیش کر دیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوہ بدر میں حضور صحابہ کی صفیں درست فرما رہے تھے۔ سواد بن عزیہ ایک خوش طبع اور خوش فہم صحابی تھے وہ اچانک صف سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ایک چھڑی تھی آپ نے وہ چھڑی ان کے سینہ پر مار کر فرمایا:۔

"استوِ یا سواد" اے سواد صف کے برابر کھڑے ہو۔ سواد نے عرض کیا حضور آپ نے مجھے چھڑی کے ساتھ مارا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو صفتِ عدل و انصاف کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اب آپ مجھے قصاص دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس مبارک کو اپنے سینہ اقدس سے علیحدہ کر کے فرمایا اے سواد اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔ سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور کے سینہ پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔ حضور نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ ممکن ہے جنگ میں میں شہید ہو جاؤں میں نے چاہا کہ آخری وقت میں میرا جسم آپ کے جسم سے مس ہو جائے۔

(مدارج النبوت جلد ۲)

marfat.com

غور فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو جو نظام دیا ہے اس میں نبی بھی اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش کر دیتا ہے نظام مصطفےٰ میں عدل و انصاف کا جو معیار پیش کیا گیا ہے اس میں خویش و اقرباء، بندہ و آقا اور شاہ و گدا سب ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں یہ وہ نظام ہے جس میں گورنر ہو یا کوئی اعلےٰ افسر قانون کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا اور ان میں سے جو شخص بھی عوام کے کسی فرد کے ساتھ زیادتی کرے تو اس کو برسر عام سزا دی جاتی ہے یہ وہ نظام ہے جس میں قانون کے نفاذ کی راہ میں نہ خویش و اقارب رکاوٹ بنتے ہیں۔ نہ معاشرہ ذی حیثیت افراد اس کے اجراء میں حائل ہوتے ہیں اس نظام میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی حکمرانی نہیں ہے اور یہ صرف نظام مصطفےٰ کا امتیاز ہے کہ اس میں سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام دہقان تک جو شخص بھی زیادتی کرے وہ احتساب سے بچ نہیں سکتا۔

---

marfat.com

نوید شبِ برات

گناہ انسان سے ہو جاتا ہے لیکن پیمانِ وفا باندھنے کے بعد جفا کچھ اور گراں گزرتی ہے۔ اسلام کا احرام باندھنے کے بعد ہوا و ہوس کا طواف اطاعت خداوندی کے عہد کے بعد اتباع نفس اغیار کی بے گانگی کے لیے حجت اور اپنوں پر استہزا کا موجب بن جاتی ہے۔

کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی چیز فروخت کر دی جائے اور سودا ہونے کے بعد پھر بیچنے والا یہ کہے کہ اس چیز پر میرا قبضہ ہے اس کے حقوق میرے ہیں اور اس شئے پر میرا تصرف ہے اگر ایسا ہو تو یقیناً یہ خریدار کے ساتھ ناانصافی اور ظلم ہوگا۔ ایک مہذب معاشرے میں کوئی شخص اس ظلم کو روا نہیں رکھے گا۔ لیکن کیا یہ حیرت کی انتہا نہیں کہ ہم نے ظلم کا یہ سلوک اس ذات کے ساتھ روا رکھا ہے جو ہمارا اور اس ساری کائنات کا مالک و خالق ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ۔ التوبۃ: ۱۱۱

(اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے نفوس اور اموال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔)

جب ہم نے یہ سودا کر لیا ہے تو یہ جان اور مال اب ہماری ملکیت نہیں رہی، اس پر ہمارا قبضہ اور تصرف نہیں رہا۔ سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لین دین، خرید و فروخت کسی شئے کے ہم مالک نہیں رہے۔ یہ تمام امور اب اس کے تصرف کے تابع ہیں۔ ہمارا کسی چیز پر اختیار نہیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود ہم جان و

marfat.com

مال پر اپنی مرضی سے تصرف کرتے رہیں۔ اس کی مرضی کے خلاف زندگی کے ہر مرحلہ میں ہماری رائے حاکم رہے تو اس کے دو ہی مطلب ہیں۔ یا تو ہم نے خدا سے ہنوز یہ سودا نہیں کیا یا سودا کرنے کے بعد ہم اسکی ملک میں اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر تصرف کر رہے ہیں اور اس کائنات میں اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک شخص مکان بنانے کے لیئے زمین حاصل کرے سیمنٹ، بجری، اینٹیں اور لوہا فراہم کرے۔ اسے بنانے کے لیے راج مزدوروں کی خدمات مہیا کرے۔ کئی برس لگا کر یہ مکان تیار کرے اور جب یہ مکان بن کر تیار ہو جائے اور وقت آئے کہ وہ اس میں رہائش اختیار کرے۔ اپنی مرضی اور منشاء سے اس مکان میں زندگی گزارے تو اچانک کوئی دوسرا شخص آ کر اس مکان پر قبضہ کر لے اور کہے کہ اس مکان میں میں اپنی مرضی اور منشاء سے زندگی گزاروں گا۔ تمہیں نہیں رہنے دونگا تو کیا یہ ستم نہیں ہے۔ کیا ہم یہ ظلم گوارا کر لیں گے۔ پھر جو بات ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اسے ہم نے کتنی آسانی سے اس ہستی کے لیے پسند کر لیا ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے ماں کے رحم میں نطفہ فراہم کیا۔ نو ماہ تک اسے تخلیق کے مختلف مدارج سے گزارتا رہا۔ گندے قطرے کو ہڈیوں اور گوشت کا پاکیزہ لباس پہنایا بے جان لوتھڑے میں حس و حرکت پیدا کی۔ ذہن میں رعنائی خیال اور قلب میں محبت کی گرمی میسر کی۔ آغوش مادر میں اس کے لیے باپ کی شفقت اور ماں کا ایثار مہیا کیا۔ اسے یوں ہی پالتا رہا۔ بڑھاتا رہا۔ بدن انسانی کی تعمیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عمارت نے اپنے بلوغ کو پا لیا اور جب یہ انسان اس قابل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی ہوئی عمارت میں اس کے احکام کو آباد کرتا اس منزل میں اس کی مرضی کو مکین بناتا۔ اس نے اللہ کے احکام اور فرامین کو اس عمارت سے نکال باہر کیا اور ہوائے نفس کو اس مکان کا مکین بنا لیا۔

marfat.com

انّہٗ کان ظلوماً جھولاً ... بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

روز و شب معصیت کی تسبیح رولنے والوں کو، وفا کا دم بھر کر پھر اسے بھلانے والوں کو وہ پکار پکار کر بلاتا ہے اور کہتا ہے۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ۔ الحدید ۱۶

کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کو یاد کرنے کے لیے موم ہوجائیں۔

گناہوں پر عذاب دینے سے اسے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ جبھی تو وہ کہتا ہے

ما یفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم۔ النساء: ۱۴۷

خدا تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا: اگر تم اللہ کا شکر بجالاؤ اور سچے مسلمان ہوجاؤ۔

اگر تم سے معصیت سرزد ہوگئی ہے یا تم اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے ہو تو یہ ایسا داغ نہیں جو دھویا نہ جاسکے ایک دو گناہوں کی بات نہیں۔ اگر تم گناہوں کے سمندر بھی لے کر آئے تو وہ معاف کر دے گا۔ کرم خداوندی کے بحرِ بے کراں کے سامنے ایک دل کی سیاہی کی کیا حقیقت ہے۔ پوری کائنات کی سیاہی بھی ہو تو دھل جائے گی۔ تم آؤ تو سہی۔ دیکھو آغوشِ رحمت تمھیں لینے کے لیے کس طرح بے تاب ہے۔ وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوٰت والارض۔ آل عمران: ۱۳۳

لوگو دوڑو اپنے رب کے عفو و کرم کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی پہنائی میں زمین و آسمان سما سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔

والذین اذا فعلوا فاحشۃ اوظلموا انفسھم ذکروا اللّٰہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللّٰہ ولم یصرّوا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون ۝ اولٰئک جزاؤھم مغفرۃٌ من ربھم وجنٰتٌ تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ونعم اجر العاملین۔ آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶

marfat.com

"وہ لوگ جنہوں نے کوئی بے حیائی کا کام کیا ہو یا جنہوں نے اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر لیا ہو اللہ کو یاد کریں اور اس سے گناہوں پر معافی چاہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا۔ اور پھر اس گناہ پر ڈٹے نہ رہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں تو اللہ کے پاس ان لوگوں کی جزا بخشش ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے اور عمل کرنے والوں کو خوب ہی اجر ملتا ہے"

خدا کی مغفرت اور بخشش حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس سے عفو و کرم کی بھیک لینے کے لیئے اس کے دربار کا رخ کرنا ہے سدرۃ پر ہم جا نہیں سکتے۔ عرش تک رسائی نہیں، لامکان کی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ تم جا نہیں سکتے میں تو آسکتا ہوں۔ رات کو پچھلے پہر جب ایک عالم نیند میں ڈوبا ہوتا ہے وہ پہلے آسمان پر متوجہ ہو کر صدا دیتا ہے، ہے کوئی سوالی میں اس کی جھولیاں بھر دوں لینے والے محو استراحت ہوتے ہیں اور دینے والا آواز دیتا رہتا ہے۔

عموماً پیاسے چل کر پانی کے پاس پہنچتے ہیں لیکن کبھی پانی لطف و کرم پر آئے تو وہ خود پیاسوں کے پاس جا پہنچتا ہے۔ یہاں اس ازلی کریم کا کرم دو طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ مینائے عفو و کرم لے کر خود تشنگان مغفرت کی طرف متوجہ ہوا، انہیں بلا کر تکلیف میں نہیں ڈالا۔ دوسرا یہ کہ ساقی مغفرت نے بخشش کے جام رات کے سناٹوں میں پیش کئے، جب عروس شب اپنے سیاہ گیسو پھیلا لیتی ہے۔ جب تاریکی اور سکوت ہوتا ہے کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ دن کے اجالوں میں اس کی خودی کو مجروح اور اس کی ذات کو رسوا نہیں کیا تاکہ جب اس کے شیشۂ دل سے گناہوں کی سیاہی دھلنے لگے۔ تو رات کے اندھیروں میں وہ کسی کو نظر نہ آسکے۔ عبد و معبود کے درمیان جو ناز و نیاز ہوں سراپا خطا و تقصیر میں جو عجز کے انداز ہوں۔ اس میں کوئی تیسرا نہ آسکے اور بندہ کسی حائل و حاجب کے بغیر اپنے مولا کو پا سکے اسے راضی کر سکے۔

marfat.com

گناہ گاروں کو بخشنے کے لیے وہ رات کے پچھلے پہر آیا اور گناہ گار سوتے رہے۔ وہ ہر رات آوازیں دیتا رہا۔ یہ کسی رات اُٹھ نہ سکے، لیکن اس کی توجہ خالی نہیں گئی۔ الذین یبیتون لربھم کا لقب پانے والے رکوع و سجود میں راتیں گزارنے والے ہر رات کو اُٹھتے ہیں اور پچھلے پہر جب آسمان دنیا پر رب کائنات آواز دیتا ہے۔ یہ اٹھ کر دریوزہ گری کرتے ہیں۔ مراد پاکر شاد کام ہوتے ہیں۔ رحمت و مغفرت سے جھولیاں بھر لیتے ہیں۔ یہ ہر رات اسی طرح کرتے ہیں۔ ان کی کوئی رات خالی نہیں جاتی۔ ان کی ہر رات نجات کی رات ہوتی ہے۔ قدسیوں کی اصطلاح میں شب برأت ہوتی ہے۔

رب کائنات نے دیکھا کہ کاملین اور واصلین، شب بیدار اولیاء اللہ میدان لے گئے۔ ان عطاؤں اور نوازشوں سے گناہ گاروں نے کچھ نہیں لیا۔ وہ مغفرت کی صدائیں دیتا رہا یہ پڑے سوتے رہے۔ ابرِ کرم برساتا رہا اور یہ محوِ خواب رہے مگر تماشا یہ ہے کہ یہ رات کے پچھلے پہر اُٹھ نہیں سکتے۔ اور وہ ان پر کرم کئے بغیر رہ نہیں سکتا ان پر غفلت حاوی ہے۔ اس پر رحمت غالب ہے۔ تبھی تو یہ غلبۂ رحمت اس کا مقتضی ہوا کہ سال کی راتوں میں ایک رات ایسی بھی رکھی جائے جس میں پچھلے پہر کی قید نہ ہو۔ غروب آفتاب سے لے کر سپیدہ سحر تک تمام شب رب کائنات آسمان دنیا سے بخشش لٹاتا رہے تاکہ بندوں پر اس کے کرم کی حجت تمام ہوجائے۔ رحمت کی معراج ہوجائے اور یہ بتا دیا جائے کہ اے تن آسان سہل کوش اور غافل بندو اگر تم ہمارے لیے انتہائے شب میں نہیں اُٹھ سکتے تو نہ سہی ہم تمہارے لیے ابتدائے شب میں آجاتے ہیں مگر تم ہماری مغفرت کی طرف آؤ تو سہی:

وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم

اے خواب غفلت میں پڑے رہنے والے گناہ گارو! تمہیں مبارک ہو یہ تمہاری رات ہے نیکوکاروں کے لئے تو ہر رات ہی شب برات ہوتی ہے۔ مگر اے خطاکارو! شعبان کی یہ پندرھویں شب تمہاری رات ... اٹھو اے غافلو

کہ اس رات میں تمہیں بشارت ہے[1]۔ دوڑو اے عاصیو! کہ آج سرِ شام سے مغفرت کی ندا جاری ہے۔ منالو اپنے رب کو کہ یہ موقع ہے۔ لوٹ لو! اس رات کی عطائیں اور نوازشیں تمہاری ہیں، ساقی تمہارا ہے۔ مینا تمہارا ہے۔ بادہ و ساغر تمہارا ہے۔

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر رات کو تہائی حصہ گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں کون مجھ سے دعا مانگتا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون مجھ سے سوال کرتا ہے تاکہ میں اسے عطا کروں۔ کون مجھ سے مغفرت چاہتا ہے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

(ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰ مطبع سعید اینڈ کمپنی)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نصف شعبان کی رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک آسمان دنیا کی طرف متوجہ رہتا ہے اور فرماتا ہے کوئی مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کو بخش دوں۔ کوئی رزق طلب کرے تو اس کو رزق دوں۔ کوئی مصیبت سے چھٹکارا چاہے تو اس کی مصیبت دور کردوں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۹۹ مطبوعہ نور محمد)

marfat.com

روزے کے اسرار و رموز

روزے کا انسانی فطرت کے ساتھ ارتباط

انسان کا سینہ جذبات سے بھرپور رہتا ہے، اور قلب کا آئینہ مختلف کیفیات سے منعکس ہوتا رہتا ہے۔ کبھی اس دل پر خشیت کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ خوف سے کپکپانے لگتا ہے۔ کبھی بے چاروں اور ضعیفوں کو دیکھ کر غم سے بوجھل ہو جاتا ہے اور کبھی یہ مشاہدہ فطرت کے حسین منظر کو مرکز نگاہ بنا کر محو دید ہو جاتا ہے۔ پھر محبت کی جولانیاں اثر دکھاتی ہیں اور یہ اپنی دنیا کی ساری متاع نیاز کسی محبوب کے استغناء پہ نثار کر دیتا ہے۔

خوف، غصہ، رحم اور محبت یہ احساس کے وہ مختلف رنگ ہیں جو دل کے آئینے میں جھلکتے رہتے ہیں۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ اس نے انسان کو عبادات کا ایک حسین اور جامع گلدستہ دیا جس کی خوشگوار مہکوں نے دل کے ہر جذبے میں اپنا مقام بنا لیا۔ ڈرنا اور خوف کھانا انسانی فطرت ہے۔ مگر اسلام نے بتایا کہ دل کی دنیا میں جب خشوع اور خضوع کا غلبہ ہو اور خوف سے دل ہلنے لگے تو نگاہ جھکا کر باقیام دست بستہ حاضر ہو جائے۔ اور جلال کے قدموں میں خشیت اپنا سر جھکا دے اسی کو اصطلاح شرع میں نماز کہتے ہیں۔ دوسرا جذبہ ترس کھانے کا ہے انسان کی فطرت میں رحم کا جذبہ ہے۔ مگر اسلام نے بتایا کہ اس کے اس جذبہ کا مرکز ان لوگوں کو ہونا چاہیئے جو اولاً تمہارے اقرباء میں ہوں ثانیاً تمہارے ہمسائے اور محلہ والے، پھر عام غرباء اور مساکین اور جذبہ رحم کے اس اظہار کو اسلامی زبان میں زکوٰۃ کہتے ہیں۔ تیسرا

marfat.com

جذبہ غضب کا ہے۔ انسان کو غصہ بھی آتا ہے اور وہ جوش سے از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام نے کہا کہ اس کی یہ برہمی اور از خود رفتگی بھی اللہ کے لیے ہو اور غصہ اور غضب کے جذبے سے ان لوگوں پر قہر و غضب کی بجلیاں گرائی جائیں جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہتے ہیں اور اس کے آگے سر نہیں جھکاتے، برہمی اور غضب کے اس جذبے کے اظہار کو اسلام جہاد کہتا ہے۔

انسان کا چوتھا احساس وہ لطیف جذبہ ہے جو کبھی قیس کی صحرا نوردی میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پروانے کی طرح طلب کی دیوانگی میں اجاگر ہوتا ہے۔ اسلام نے انسان کے عشق کو قیس کی صحرا نوردی بھی دی اور پروانے کی دیوانگی بھی دی۔ عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اپنے وطن سے دور مکہ کی وادیوں میں گلے میں کفن ڈالے لبیک اللھم لبیک کی صدا لگاتے پھرنا بھی عشق کی ایک شان ہے اور ماہِ صیام میں کھانے پینے کو ترک کر کے خدا کی صفت بے نیازی کے قریب ہونے کی کوشش کرنا بھی عشق کی دیوانگی کا مظہر ہے۔

کسی کا قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اس کی کسی صفت کو اختیار کر لیا جائے، اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تخلقوا باخلاق اللہ "اللہ کی صفات سے موصوف ہو جاؤ" اور خدا کی بے اندازہ صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ خورد و نوش اور عملِ تزوّج سے پاک ہے اس لیے خدا کا قرب پانے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہو گا کہ انسان کھانا پینا ترک کر کے بھوک اور پیاس کی صعوبتیں قبول کر لے۔ انسان بھوکا ہو کھانا اس کے سامنے موجود ہو وہ کھا سکتا ہو پھر نہ کھائے، عقل کہے گی یہ دیوانگی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کا متلاشی انسان اس کی صفت سے ہم آہنگ ہونے کے جنون میں اس دیوانگی کو پروانہ وار قبول کر لیتا ہے اور اسی دیوانگی کا نام اسلام نے روزہ رکھا ہے ہم یہ کہہ رہے تھے کہ انسان کا دل خوف، رحم، غصہ اور محبت ان احساسات سے معمور رہتا ہے۔

marfat.com

اسلام ایک فطری مذہب ہے اور اس نے ایسی جامع عبادات پیش کیں کہ انسان ہر جذبہ میں خدا کی پرستش کر سکے۔ نماز، زکوٰۃ، جہاد اور ماہ صیام کے روزے انہی کیفیات کے مظہر ہیں۔

نماز انسان کے خوف کو ظاہر کرتی ہے اور زکوٰۃ رحم کی حالت کو، جہاد سے غصہ برہمی اور غضب کا اظہار ہوتا ہے اور روزہ بندہ کی اللہ تعالیٰ سے محبت کے راز سربستہ کو چاک کر دیتا ہے۔

روزے کی خصوصیت

باقی عبادات کچھ اعمال کو بجا لانے کا نام ہے جنہیں دوسرے بھی جان لیتے ہیں۔ مثلاً نماز رکوع و سجود کا نام ہے۔ جہاد کفار سے جنگ کرنے کو کہتے ہیں، زکوٰۃ کسی کو کچھ دینے سے ادا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام عبادتیں کسی نہ کسی پر ظاہر ضرور ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں کسی نہ کسی طرح جان لیتے ہیں مگر روزہ کچھ کام کرنے کا نام نہیں کہ انسان فلاں کام کرے تو یہ روزہ ہے بلکہ روزہ تو کچھ نہ کرنے کا نام ہے جو کسی کے بتلانے سے بھی معلوم نہیں ہوتا اس کو تو بس وہی جانتا ہے جس کے لیے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا روزہ بندے ... اور صرف خدا کے درمیان ایک راز ہے۔

محب صادق کا اپنے محبوب کے حضور میں ایک خاموش نذرانہ ہے جو بالکل چپ چاپ اور پوشیدہ طور پر پیش کیا گیا ہے اسی لیے تو اس کریم ازلی نے اپنے بندے کے اس بے ریا ہدیہ کو قبول کر کے کہا۔

"الصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ"

روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔

روزے کا تعلق دوسروں کی زندگی سے

اسلام نے معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے مختلف ضابطے مقرر کیے ہیں اور غریبوں اور مفلسوں کی دستگیری کے لیے اغنیاء کے ہاتھوں

marfat.com

میں زکوٰۃ وصدقات کے قلمدان تھما دیے مگر کسی کی جیب سے پیسہ اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک اس کے دل میں رحم کا جذبہ نہ پیدا ہو اور یہ احساس اس شخص کو کس طرح ہو گا جو ہمیشہ انواع واقسام کی نعمتوں اور لذتوں میں زندگی گزارتا ہو جو ہمیشہ داد عیش دیتا رہا ہو وہ افلاس کی تلخیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جو عمر بھر شکم سیر ہو کر کھاتا رہا ہو وہ کسی غریب کی بھوک اور پیاس کا احساس نہیں کر سکتا اور جب تک کسی کی تکلیف کا احساس نہیں ہو گا۔ اس کی مدد کرنے کا جذبہ دل میں پیدا نہیں ہو گا۔

نفسیاتی طور پر آدمی کسی کی تکلیف کا اس وقت احساس کرتا ہے جب وہ خود اس پر گزر جائے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں پر روزے فرض کر دیے تاکہ اغنیاء جب روزے کی صعوبتوں سے دوچار ہوں تو انہیں احساس ہو کہ ہمیں ایک دن کھانا نہ ملنے سے اتنی تکلیف ہوئی تو جو پورے سال ایسے مصائب کا سامنا کرتے ہیں ان کا کیا عالم ہو گا پھر یہ احساس اغنیاء کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ غریبوں کی مدد پر آمادہ ہوتے ہیں۔

روزے کا جہاد کی تربیت دینا اسلامی عبادات کا ایک اہم رکن جہاد ہے ہر مسلمان فطرتاً ایک سپاہی ہوتا ہے جو بے آب وگیاہ میدانوں اور لق و دق صحراؤں میں کفر کی چٹانوں سے ٹکراتا ہے اعلائے کلمۃ اللہ کا عزم لے کر پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرتا اور سمندر دل کے سینوں کو چاک کر کے شرک کے ایوانوں کو منہدم کر دیتا ہے مگر یہ عزم تن آسانی اور آرام طلبی سے پیدا نہیں ہوتا۔ مجاہدانہ روح کے اس جذبہ کو پیدا کرنے کے لیے خواہشات کے خون اور نفس کشی کی ضرورت ہے جو خواہشوں کے گھیرے میں محصور اور روزانہ پیٹ بھر کے کھانے کا عادی ہو وہ جنگ کی ہولناکیوں کا تصور نہیں کر سکتا۔

اسلام نے سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کر دیئے تاکہ ہر مسلمان

marfat.com

اس ماہ میں ضبط نفس اور بھوک و پیاس برداشت کرنے کی مشق بہم پہنچا لے تاکہ میدانِ جہاد میں اس کے لیے بھوک و پیاس کی شدت کوئی اجنبی بات نہ ہو اسلام کا ہر فرد سپاہی ہے اور وہ اپنے تمام فرزندوں کو ہر سال جہاد کی تربیت دیتا ہے۔

روزے کا انسان کو اس کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا

ہر چیز کا ایک مقصد ہوتا ہے جب تک کوئی شے اپنے مقصد کے ساتھ ہو اسے مفید سمجھا جاتا ہے اور جب کوئی چیز اپنے مقصد سے خالی ہو جائے تو وہ لغو اور بے کار ہو جاتی ہے۔ (اذا خلا الشئی عن غایتہ فقد لغا) انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد (الا لیعبدون) اللہ کی عبادت، کے سوا کچھ نہیں مگر دنیا میں آکر انسان اس کی دلچسپیوں میں اس طرح منہمک ہوا کہ عبادت کو اوڑھنا بچھونا بنانے کی بجائے کھانا پینا اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنا مقصود زندگی بنا لیا اور اس کی تمام توجہات اور کوششیں پیٹ بھرنے اور نفس پروری میں صرف ہونے لگیں۔

اسلام نے ایک ماہ کے روزے فرض کیے اور اس بھولے ہوئے غافل انسان کو بتلایا کہ کھانا پینا ہی مقصود زندگی نہیں ہے اور ایک ماہ میں ایک معین عرصہ تک کھانے پینے کو چھڑا کر یہ سمجھایا کہ محض کھانا التفات کے لائق نہیں اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔

روزے کے دنیاوی فوائد

ہوشیار حکماء معدے کو اعتدال پر لانے کے لیے مریض کو اسہال دیا کرتے ہیں جس سے جسمانی نظام معتدل ہو جاتا ہے۔ انتڑیوں کی کثافت صاف ہو جاتی ہے اور جسم کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔

اسلام کا روزہ بھی انسانی جسم کے لیے اسہال کا کام کرتا ہے۔ بھوک و پیاس بدن کے غلیظ مادوں کو جلا دیتی ہے اور بدن بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

marfat.com

انسانی زندگی میں اکثر مرتبہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ اسے وقت پر کھانا نہیں ملتا دیر سے ملتا ہے یا ملتا ہی نہیں اگر اسے بھوک و پیاس برداشت کرنے کی عادت نہ ہو تو ایسے مواقع پر اس سے بڑی بے صبری اور غم و غصہ کا اظہار ہوتا ہے روزہ رکھنے سے صبر و حلم اور برداشت کی عادت پڑتی ہے اور پھر ایسے مواقع انسان کے لیئے اجنبی نہیں رہتے۔

روزے کے فیوض و برکات

اسلام کی ہر عبادت اپنے اندر کریمانہ شان رکھتی ہے۔ گناہ گاروں کی بخشش کا سامان اور نیکوکاروں کی ترقی درجات کا سبب بنتی ہے۔ کریم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے پاس محتاج کو چل کر جانا پڑتا ہے۔ جیسے پیاسے کے لیے کنواں۔ انسان پیاسا ہو کنواں اس کی پیاس بجھا دے گا۔ مگر آکر نہیں۔ پیاسے کو خود اس کے پاس جانا ہو گا۔ دوسرا کریم وہ ہے کہ محتاج کو اس کے پاس جانا نہیں پڑتا اور وہ خود محتاج کے گھر آکر خیرات دے جاتا ہے جیسے پیاسے کے لیے بادل۔ پیاسے کو اس کے پاس جانا نہیں پڑتا، بادل خود ابر رحمت بن کر اس کے گھر آ کر برس جاتا ہے۔

اسلام کی ہر عبادت کریم ہے مگر انسان کو اس کے مقام تک جانا پڑتا ہے وہ آکر کرم نہیں کرتی، نمازی کو مسجد تک جانا پڑتا ہے۔ حاجی کو بیت اللہ شریف تک اور زکوٰۃ دینے والے کو فقیر تک پہنچنا ہوتا ہے مگر روزہ ایسا کریم ہے کہ کسی کو اس تک جانا نہیں پڑتا وہ خود رحمت کی برسات بن کر ہر گھر میں برس جاتا ہے۔ گناہ گاروں پر بخشش کی بارشیں کر جاتا ہے۔

---

marfat.com

قیامِ رمضان

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء رمضان شریف میں وتر کے سوا بیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے ہیں۔ امام مالک اگرچہ چھتیس رکعات قیام کرتے ہیں لیکن وہ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعات طواف لور رکعات طواف کے قائم مقام پڑھتے ہیں اس طرح ان کا مسلک بھی بیس رکعات قیام ہے۔ اہل ظواہر آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور اس کے بارے میں سنت نبوی کا دعویٰ رکھتے ہیں اور بیس رکعات تراویح کو بدعت اور مخالف طریقۂ رسول قرار دیتے ہیں۔ اس مقالہ میں ہم پہلے بیس رکعات تراویح پر دلیل پیش کریں گے اور اس دلیل پر ظاہریہ کے شبہات کے جوابات رقم کریں گے۔ اس کے بعد اس دلیل کا تجزیہ کریں گے جس پر ظاہریہ نے آٹھ رکعات تراویح کی اساس رکھی ہے۔

بیس رکعات تراویح امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر (شرح النقایہ جلد ۱، صہ ۱۰)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام وتر کے علاوہ رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث پر اہلِ ظواہر اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں

marfat.com

ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ ابوشیبہ پر بلاشبہ بعض ناقدین سے جرح مبہم منقول ہے لیکن بعض محدثین نے اس کی تعدیل بھی فرمائی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ حافظ ہے ابن عدی فرماتے ہیں لَہٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ وہ اعدل القضاۃ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

حالانکہ ابوشیبہ جد ابوبکرہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح مطلق ساختہ می شود۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱۔ صہ ۱۱۹)

ابوشیبہ اس قدر ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایت کو مطلقاً نظر انداز کر دیا جائے۔

ثانیاً یہ کہ امام عبدالرزاق اور بیہقی کو جس سند سے یہ حدیث پہنچی ہے اس میں بلاشبہ ابوشیبہ موجود ہے جس کے ضعف کے بعض محدثین قائل ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابوشیبہ پر مقدم ہیں پس جس کی سند میں ابوشیبہ ہوگا وہ ضعیف ہوگی۔ امام صاحب جو اس پر کثیر مراتب سے مقدم ہیں ان کے حق میں اس حدیث کی سند ضعف سے کس طرح متصف ہوگی چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

ان قیل بضعف شیٔ من ادلۃ مذھبہ فذالک الضعف انما ھو بالنظر للرواۃ النازلین عن سندہ بعد موتہ۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ جلد ۱ صہ ۷۰)

اگر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کسی دلیل کی طرف راوی کے ضعف کی نسبت کی جائے تو وہ ضعف بعد کے راویوں کی نظر سے ہے اور امام اعظم نے جس سند سے حدیث لی ہے وہ ان ضعیف راویوں پر مقدم ہے۔

ثالثاً علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ تلقی بالقبول سے بھی حدیث کو تقویت

marfat.com

پہنچتی ہے اور تلقی بالقبول کے بعد وہ حدیث احتجاج اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے اور چونکہ اس حدیث کو جمہور علماء اور مجتہدین نے قبول کیا ہے لہذا اس کا ضعف جاتا رہا۔

رابعاً اس حدیث سے بیس رکعات تراویح پر امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے استدلال کیا ہے۔ اور جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ استدلال اس حدیث کی صحت کی دلیل ہوتا ہے چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

دکفانا صحۃ الحدیث استدلال المجتہد بہ۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ جلد ۱ صـ ۷۰)

کسی حدیث کی صحت کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس سے کسی مجتہد نے استدلال کیا ہو۔

اور علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

ان المجتہد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ۔ (ردالمحتار جلد ۲ صـ ۵۱)

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ استدلال اس حدیث کی صحت کی دلیل ہوتا ہے اسی طرح ابن ہمام نے تحریر میں تقریر کی ہے۔

خامساً یہ کہ حدیث آثار صحابہ سے مؤید ہے کیونکہ حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی اور کثیر اجلہ صحابہ سے مروی ہے کہ وہ بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ امام بیہقی نے اپنی سنن میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔

(سنن بیہقی جلد ۲، صـ ۴۹۶، فتح الباری جلد ۵ صـ ۱۵۷)

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ بیس

marfat.com

رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

نیز امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ہیں۔

واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ (جامع ترمذی صہ ۱۲۹)

اکثر اہل علم کا مسلک حضرت علی، عمر اور دوسرے صحابہ کی روایت کے مطابق بیس رکعات تراویح ہے۔

اور علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:۔

واحتج اصحابنا والشافعیۃ والحنابلۃ بما رواہ البیہقی باسناد صحیح عن السائب ابن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی رضی اللہ عنھما مثلہ (عمدۃ القاری جلد ۷ صہ ۱۷۸)

ہمارے اصحاب حنفیہ اور شافعیہ وحنابلہ نے بیہقی کی اس حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے جو سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اسی طرح حضرت علی اور عثمان کے زمانہ میں۔

سادساً حضرت عمر اور دیگر اجلہ صحابہ کا بیس رکعات تراویح پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے پاس بیس رکعات پر اصل صحیح موجود تھی ورنہ العیاذ باللہ لازم آئے گا کہ ان اجلہ اور افاضل صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہو اور یہ صحابہ کرام سے کبھی متصور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علامہ شامی اور شیخ حسن بن عمار فرماتے ہیں۔

روی اسد بن عمر وعن ابی یوسف قال سألت اباحنیفۃ عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ فقال التراویح سُنّۃ مؤکدۃ ولم یخترعہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یامر بہ الاعن اصل لدیہ وعھد

marfat.com

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ردالمختار جلد ا صـ۶۵۹)

(مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی صـ۲۴۶)

اسد بن عمرو ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے تراویح اور حضرت عمر کے فعل کے بارے میں پوچھا امام اعظم نے فرمایا کہ تراویح سُنت موکدہ ہے حضرت عمر نے اسے اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا اور انہوں نے بغیر اصل صحیح اور فرمانِ نبوی کے تراویح کا امر نہیں فرمایا۔

اس مقام پر یہ شبہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام سے گیارہ رکعات تراویح پڑھنے کی بھی روایت بیہقی اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے اس کا جواب امام بیہقی نے مرحمت فرمایا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کو اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے:-

"بیہقی نے ان دو روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے صحابہ کرام نے گیارہ رکعات پڑھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا عدد مشہور گیارہ ہی ہے اور قیام اللیل تراویح اور تہجد دونوں میں قدر مشترک ہے پس اس قدر مشترک کی وجہ سے اولاً صحابہ کرام تراویح بھی گیارہ رکعات پڑھتے رہے پھر جب ان کے نزدیک دلیل سے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے تو انہوں نے تراویح کے لئے بیس اور وتر کے لیے تین کا عدد اختیار کر لیا اور پھر اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔"

(فتاویٰ عزیزی جلد ا صـ۱۲۰)

شاہ عبدالعزیز کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ صحابہ کرام کا بیس رکعات کو اختیار کرنا اپنی اختراع اور ابتداع سے نہ تھا بلکہ ان کا مختار دلیل اور سُنت رسول پر مبنی تھا۔

سابعاً بیس رکعات تراویح قیاس کے بھی موافق ہیں کیونکہ یہ نوافل ہیں

marfat.com

اور نوافل فرائض اور واجبات کے مکمل اور متمم ہوتے ہیں اور وتر سمیت دن رات میں بیس رکعات فرض اور واجب ہیں پس ان کے مکمل اور متمم کو بھی بیس رکعات ہی ہونا چاہیئے۔

ثامناً بیس رکعات تراویح لغت کے بھی مطابق ہیں کیونکہ لغت کے اعتبار سے تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور جمع کا اطلاق عربی قواعد کے اعتبار سے دو سے زیادہ پر ہوتا ہے اور ہر چار رکعات کے بعد ایک ترویحہ ہوتا ہے، پس لامحالہ تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ ہوں گی اور چونکہ قائل بالفصل کوئی نہیں ہے۔ اس لیے تراویح کو بیس رکعات پر ہی محمول کیا جائے گا۔

تاسعاً ہم سے اصحاب ظواہر مطالبہ کرتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث پیش کرو، جس حدیث سے ہم نے بیس رکعات تراویح پر تمسک کیا ہے گزشتہ سطور میں ہم اس حدیث کا رفع اور صحت دونوں ثابت کر چکے ہیں، اب ہم اصحاب ظواہر سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ ہر سال رمضان کی تمام راتوں میں آٹھ رکعات تراویح مساجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس میں ختم قرآن کا التزام کرتے ہیں۔ اب معروض یہ ہے کہ ہمارے دلائل تو آپ تسلیم نہیں کرتے، اب جس صحیح اور صریح حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تراویح پڑھنے کا ثبوت ہے وہ فقط اتنا ہے کہ:-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے سال صحابہ کے ساتھ رمضان کی تیئس، پچیس اور ستائیس کی شب کو قیام فرمایا، اس کے بعد جب صحابہ جمع ہوئے تو آپ تشریف نہ لائے اور فرمایا مبادا یہ فرض ہو جائے"

(بخاری، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

اور امام بخاری ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں:-

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک یوں ہی معاملہ رہا،

marfat.com

پھر ابو بکر کے تمام دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کے ابتدائی ایام میں لوگ یونہی الگ الگ تراویح پڑھتے رہے۔ عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک شب حضرت عمر کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ تراویح پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر میں انھیں ایک امام کی اقتدا میں جمع کر دوں، پھر جب دوسری رات کو میں حضرت عمر کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ لوگ ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا نعمت البدعۃ ہذہ، یہ کیا خوب بدعت ہے۔ (البخاری جلد ۱ ص ۲۶۹)

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل امور ظاہر ہوئے۔

ا۔ صحیح اور صریح حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف آخری رمضان میں تراویح پڑھنا ثابت ہے۔

ب۔ اس آخری رمضان کی بھی صرف تین راتوں میں تراویح پڑھنا ثابت ہے۔

ج۔ عہدِ رسالت میں ان تین راتوں کے سوا تراویح کی جماعت ثابت نہیں ہے۔

د۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں ختم قرآن ثابت نہیں۔

اب اولاً گذارش ہے کہ آپ کے معیار پر صحت اور صراحت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف ایک رمضان میں تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ اب آپ جو ہر رمضان میں تراویح پڑھتے ہیں اس پر صحیح صریح اور مرفوع متصل حدیث پیش کیجئے۔ ثانیاً حضور سے صراحت کے ساتھ صرف تین راتوں میں تراویح ثابت ہے، آپ جو رمضان کی ہر شب میں تراویح پڑھتے ہیں اس پر صحت صراحت رفع اور اتصال سے حدیث لائیے۔ ثالثاً آپ رمضان کی ہر شب کو مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہیں۔ حالانکہ نوافل میں اصل یہ ہے کہ گھر میں انفراداً پڑھے جائیں لقولہ علیہ السلام افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ رواہ مسلم (مرد کی نماز میں

marfat.com

افضلیت یہ ہے کہ گھر میں پڑھے سوائے فرائض کے ا لیس اب آپ رمضان کی ہر شب کو مسجد میں جماعت سے تراویح پڑھنے پر حدیث صحیح مرفوع متصل پیش کیجیے۔
رابعاً آپ رمضان میں ختم قرآن کا التزام کرتے ہیں اس امر پر صحت صراحت رفع اور انتصال سے حدیث لائیے۔ چشمِ ماروشن دلِ ماشاد۔

اور اگر آپ ان چاروں امور پر مذکورۃ الصفات حدیث نہ پیش کر سکیں اور کبھی نہیں پیش کر سکتے تو ان چار وجوہ سے اپنی تراویح کے بدعت ہونے کا اعتراف کر لیجئے۔

عاشراً۔ ہر رمضان اور رمضان کی ہر شب کو مسجد میں جماعت اور ختم قرآن کے التزام کے ساتھ تراویح پڑھنے پر سوائے آثار صحابہ کے آپ کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عملی طور پر آثارِ صحابہ آپ کے نزدیک بھی اصل اور حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔ پس آپ جہاں ان امور میں اس اصل کا اعتبار کرتے ہیں تو رکعات کے عدد میں اس اصل کا اعتبار کرنے سے کونسا امر مانع ہے۔

ایک اشتباہ پر انتباہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث جس میں بیس رکعات کو ثابت کیا گیا ہے، اس پر ظاہریہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کی اس صحیح روایت سے معارض ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں اور اسی حدیث کی اساس پر ظاہریہ نے آٹھ رکعات تراویح کی عمارت قائم کی ہے اور چونکہ بیس رکعات اس حدیث سے متعارض ہیں اس لیے انہوں نے بیس رکعات کو بدعتِ سیئہ قرار دیا۔ ہم ذیل میں اس حدیث کو پیش کر کے ظاہریہ کے شبہات کو رفع کریں گے، تاکہ بیس رکعات کا مسلک کلیتہً بے غبار ہو جائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب التہجد میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا۔

انہ سال عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ

یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً

فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً قالت عائشۃ

فقلت یارسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یاعائشۃ ان عینی

تنامان ولا ینام قلبی۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۴)

ابوسلمہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان میں کیسے نماز پڑھتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ حضور رمضان ہو یا غیر رمضان کبھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعات پڑھتے نہ پوچھ ان کا حسن اور طول کیسا تھا پھر چار رکعات پڑھتے۔ نہ پوچھ اُن کا حسن اور طول کیسا تھا پھر تین رکعات وتر پڑھتے۔ اُم المومنین نے پوچھا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بلاشبہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

شرذمہ ظاہریہ کا مقصد یہ ہے کہ حضور نے کبھی رات کو آٹھ رکعات سے زیادہ نماز ادا نہیں فرمائی پس اگر بیس رکعات تراویح کے سُنت رسول ہونے کا قول کیا جائے تو اس صحیح حدیث سے تعارض لازم آئے گا۔

اس شبہ کے حسب ذیل جوابات پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ اس حدیث کو بعض اہلِ علم نے مضطرب قرار دیا ہے چنانچہ خاتم الحفاظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

قال قرطبی اشکلت روایات عائشۃ علی کثیر من اھل العلم

حتی نسب بعضھم حدیثھا الی الاضطراب۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۶۳)

اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایات کثیر اہل علم پر موجب اشکال ہو گئیں اسی وجہ سے بعض اہل علم نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا۔

پس یہ حدیث اپنے مستدل میں مُسلّم اور قطعی نہ رہی اور درجہ استدلال سے

marfat.com

ساقط ہو گئی۔

۲۔ مسلم نے ابو سلمہ کی اس حدیث کو چار طریق سے بیان کیا ہے، ایک طریقہ میں ابو سلمہ کے جواب میں ام المومنین فرماتی ہیں آپ نے تیرہ رکعات پڑھی ہیں، دوسرے میں فرماتی ہیں گیارہ رکعات پڑھی ہیں، تیسرے میں فرماتی ہیں نو رکعات پڑھی ہیں۔ (مسلم جلد ا ص ۲۵۵، ۲۵۴) اب وتر کی تین رکعات منہا کر لیں تو ابو سلمہ کی ایک روایت کا مقتضیٰ دس رکعات اور دوسری کا تقاضا آٹھ رکعات اور تیسری کا ثمرہ چھ رکعات ہیں پس اس قدر تعارض اور اضطراب کے باوجود اس حدیث سے آٹھ رکعات پر استدلال کرنا بوالعجبی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۳۔ مسلم کے علاوہ ابو سلمہ کی یہ روایت بخاری میں بھی تعارض اور اضطراب سے خالی نہیں، کتاب التہجد میں بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رمضان ہو یا غیر رمضان آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور باب ما یقرء فی صلوٰۃ الفجر میں حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشمول وتر تہجد کی تیرہ رکعات ادا فرماتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعات سنت فجر ادا فرماتے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۵۶)

پس وتر منہا کرنے کے بعد حضرت عائشہ کی پہلی روایت کا مقتضیٰ آٹھ رکعات اور دوسری کا تقاضا دس رکعات ہے، ان میں سے ایک روایت کو اپنے مسلک کی اساس بنانا اور دوسری کو بے عمل چھوڑ دینا ہوائے نفس اور بطلان محض کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

۴۔ ابو سلمہ کی یہ روایت تہجد کے بیان میں ہے اس لیے تراویح پر استدلال کرنا قطعاً باطل ہے۔ اس نماز کو تہجد پر محمول کرنے کیلئے حسب ذیل قرائن ہیں۔

ا۔ امام بخاری اور دوسرے ائمۂ حدیث نے اس روایت کو تہجد اور قیام اللیل کے ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔

ب۔ وتر کو منہا کرنے کے بعد حضرت عائشہ کی روایات سے رکعات کا

تعین چھ سے دس تک ہے اور یہ اختلاف تہجد کے مناسب ہے نہ کہ تراویح کے

ج۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعات ادا فرماتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کا یہ جواب اس نماز کے بارے میں ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مشترک ہے اور رمضان اور غیر رمضان میں تہجد مشترک ہے نہ کہ تراویح۔

د۔ اس حدیث کے نفس مضمون سے ظاہر ہو گیا کہ حضور یہ نماز رات کو بیدار ہو کر پڑھتے تھے اور نیند سے بیدار ہو کر نماز پڑھنا تہجد کا خاصہ ہے تراویح کا نہیں۔

ہ۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

ان التهجد والوتر مختصة بصلاة الليل (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۶۲)

علامہ ابن حجر کی یہ عبارت اس مطلوب پر ظاہر دلالت ہے کہ یہ نماز تہجد ہے تراویح نہیں۔

و۔ اس روایت کے تمام طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں تہجد کا سوال کیا تھا لیکن بعض رواۃ نے اختصاراً لیل کا لفظ چھوڑ دیا اور اس حذف پر قرینہ یہ ہے کہ دوسرے راویوں نے لیل کا ذکر کیا ہے۔

ز۔ اس حدیث کو ابو سعید سے سعید مقبری، یحییٰ بن ابی کثیر اور عبداللہ بن ابی لبید نے روایت کیا ہے اور رمضان کا لفظ اس روایت میں فقط سعید نے زیادہ کیا ہے (مسلم جلد ۱ ص ۲۵۴) اور یہ زیادتی اصطلاح حدیث میں شاذ ہے پس ثابت ہوا کہ یہ سوال مطلقاً تہجد کے بارے میں تھا اور اب اس نماز کو تراویح پر محمول کرنے کے لیے ظاہر یہ کے پاس کوئی سہارا بھی باقی نہیں رہا۔

تراویح اور تہجد میں فرق

اصحاب ظواہر تنگ آکر کہہ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت عائشہ نے جس نماز کی رکعات بیان فرمائی ہیں وہ تہجد ہے لیکن تراویح اور تہجد میں کوئی فرق نہیں جو نماز غیر

رمضان میں تہجد ہوتی ہے۔ اسی نماز کو رمضان میں تراویح کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل اُمور پر غور فرمائیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے کسی فرمان سے یہ بات ثابت نہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی چیز ہیں بلکہ آثار و سنن سے جو امر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ تہجد رمضان و غیر رمضان میں عام اور مشترک ہے اور تراویح رمضان کے ساتھ خاص اور منفرد ہے اور عام کو خاص کا عین قرار دینا شدید غفلت کھلا بطلان ہے۔

۲۔ روزے دو ہجری کو فرض ہوئے اور تہجد اس سے پہلے بھی مشروع تھی اور روزوں کی فرضیت کے بعد حضور نے فرمایا۔

جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیامہ تطوعاً (مشکوٰۃ صـ ۱۷۳)

پس معلوم ہوا کہ تہجد مقدم ہے اور تراویح موٴخر ہے اور موٴخر کو مقدم کا عین قرار دینا محض خود فریبی، باطل اور مردود ہے۔

۳۔ تہجد کے عدد میں تعین نہیں، چار سے لے کر دس رکعات تک تہجد کا پڑھنا ثابت اور متفق علیہ ہے۔ اور تراویح کی رکعات کا عدد ہر ایک کے نزدیک معین ہے اور معین کو غیر معین کا عین قرار دینا بداہتہً باطل ہے۔

۴۔ بخاری میں ہے حضرت عمر نے رمضان کی ایک شب تراویح کو دیکھ کر فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون یعنی تہجد تراویح سے افضل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس امر پر نص ناطق ہے۔ کہ رمضان میں بھی تہجد تراویح کے مغائر ہوتی ہے۔

قیام رمضان کے باب میں اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق بیس رکعات تراویح پر دلائل اور مخالفین کے شکوک و شبہات کے جواب میں ایک مختصر مضمون لکھ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت اور ثبات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

marfat.com

حقائقِ شبِ قدر

اللہ تعالیٰ نے فرزندانِ اسلام کو متعدد مقدس اور مبارک راتیں عطا فرمائی ہیں۔ شبِ میلاد، شبِ معراج، ——— شب برأت اور شب قدر یہ سب ہی قدر و منزلت کی راتیں ہیں ان راتوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ یوں تو کوئی لمحہ اس کی عطا سے خالی نہیں اگر اس کی عطا نہ ہو تو عالم ویران ہو جائے مگر اس کی نوازشوں کا جو انداز شب قدر میں ہوتا ہے وہ کسی اور رات میں نظر نہیں آتا۔ اس رات میں اس نے اپنا کلام اتارا اور اس نعمت سے کتنی ہی نعمتوں کے دروازے کھلے، زبان انسان نطق یزداں کی محافظ بنی۔ سینہ بشریت لاہوتی اسرار کا محرم ہوا اور پیکر آب و گل میں وحی الٰہی کے فانوس روشن ہو گئے۔

اس رات کے مجاہدوں پر غروب آفتاب سے سپیدۂ سحر تک نور برستا رہتا ہے رحمتیں ہزار گنا بڑھ جاتی ہیں۔ اس رات کا منظر دیکھنے کے لیے فرشتے آسمانوں سے قطار در قطار اترتے ہیں اور جب انسان کی عبادتوں کے شکوہ اور ریاضتوں کے جلال پر ان کی نگاہ پڑتی ہے تو برسوں کے مان ٹوٹ جاتے ہیں اور لکھو کھا سال کی عبادتوں پر ناز کرنے والے قدسیوں کو اس رات کے عابدوں پر سلام بھیجنا پڑتا ہے۔

شب قدر کا معنی اور مفہوم قدر کے ایک معنی ——— مرتبے کے ہیں۔ اس رات کو شب قدر اس وجہ سے کہتے ہیں۔

marfat.com

کہ سال کی باقی راتوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ بلند پائے اور عظیم مرتبہ کی رات ہے۔ یا اس لیے کہ اس رات میں عبادت کی قدر و منزلت باقی راتوں کی نسبت ہزار مہینوں کی راتوں سے بھی زیادہ ہے یا اس سبب سے کہ اس رات کے عابدوں کی قدر اللہ کے نزدیک باقی راتوں کے عابدوں سے کہیں زیادہ ہے قدر کا لفظ قضا و قدر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور فرشتوں کو چونکہ اس رات انسان کی ایک سال تقدیر کا قلمدان سونپ دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس رات کو شب قدر کہتے ہیں۔ قدر کے ایک معنی تنگی کے بھی ہیں چونکہ فرشتے بڑی کثرت سے اس رات زمین پر اترتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے اس وجہ سے بھی اس رات کو شب قدر کہتے ہیں۔

حصولِ شبِ قدر کا سبب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ امتوں کے احوال بیان فرماتے تھے ان کی ریاضتوں کا طول اور عبادتوں کی کثرت بتلاتے تھے اسی اثناء میں ایک دن فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ہزار ماہ جہاد کیا ایک مرتبہ فرمایا کہ شمعون علیہ السلام ایک ہزار ماہ تک راہ خدا میں کفار سے لڑتے رہے۔ وہ جو دن رات حصول عبادت اور مسابقت خیر میں کوشاں رہتے تھے انہوں نے جب ان طویل عبادتوں کا قصہ سنا تو پژمردہ ہو گئے۔ لمبی عبادتوں کی اس دوڑ میں آگے بڑھنے کے لیے شوق کا ایک شرارہ اٹھا اور اپنی عمروں کی تنگ دامانی دیکھ کر سرد پڑ گیا۔ جب حضور فرماتے کہ بنی اسرائیل کے فلاں شخص نے اسی سال عبادت کی اور کوئی گناہ نہ کیا تو اس مقام کے حصول کے لیے دل مچلتے اور منزل کو اختیار سے باہر پاکر آزردہ ہو جاتے شوق کی لہریں ابھرتیں اور قضا و قدر کی چٹان سے ٹکرا کر بیٹھ جاتیں۔ رحمت خداوندی سے بندوں کا یہ کرب دیکھا نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا تمہاری عمر نہیں بڑھ سکتی اجر تو بڑھ سکتا ہے۔ ہزار ماہ کی طویل عمر نہ سہی ہم تمہیں ایک ہی رات میں ہزار ماہ کا اجر دے دیتے ہیں۔

marfat.com

ماہِ صیام اور شب قدر قرآن کریم فیاض ہے۔ اسے نازل کرنے کے لیے رات بھی ایسی ہونی چاہیئے تھی جو اپنی فیاضی میں آخری سرحدوں کو پہنچی ہوئی ہو۔ اس لئے قرآن کریم کو شب قدر جیسی فیاض شب میں نازل کیا گیا۔ رمضان کی کسی ایک طاق رات میں شب قدر آتی ہے کسی اور ماہ میں بھی آسکتی تھی مگر اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام اتارنا تھا۔ بندوں کو اپنی صفت کا امین بنانا تھا۔ لہٰذا اس کے لئے وقت بھی ایسا درکار تھا جس میں بندوں کو اپنے رب سے کچھ مناسبت ہوتی۔ رمضان میں بندے اپنے مولا سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مادی اقتضاء کے باوصف تجرد کو اپنانے میں لگے رہتے ہیں تنزیہہ و تقدیس کی ایک جھلک کے حصول کی خاطر کھانے پینے اور دوسرے طبعی تقاضوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر جب مادیت کے حجاب اُٹھتے ہیں تو سینہ بشریت اسرار وحی کے لائق ہو جاتا ہے۔

شب قدر کی تعیین شب قدر کی تعیین میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں چھیالیس اقوال دلائل کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ ہم ان میں سے ائمہ مذاہب کے اقوال منتخب کر رہے ہیں۔ امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری کا مذہب ہے کہ شب قدر ہمیشہ ایک تاریخ میں نہیں ہوتی بلکہ رمضان کے آخری عشرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ شب قدر آخری عشرہ کی پہلی رات میں ہے اور مشہور رائے کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک سال کی کسی تاریخ میں یہ رات ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک شب قدر رمضان ہی کی کسی رات میں ہوتی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ رمضان کی کسی ایک معین رات میں ہوتی ہے۔

شب قدر کے تعین میں اس قدر اختلاف کے باوجود جمہور امت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور اکثر ین

marfat.com

کا مختار یہی ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بغیر کسی استثناء کے قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد پسندیدہ ہے، وہ اس پر سات زمینوں، سات آسمانوں، سات اعضاء پر سجدہ، ہفتہ کے سات دنوں اور طواف کے سات پھیروں سے استدلال کرتے تھے اور جب ثابت ہو گیا کہ سات کا عدد پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی ساتویں رات ہونی چاہیئے۔ فخر رازی نے حضرت ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حرف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن کریم میں تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے جن کا مجموعہ ستائیس ہے پس یہ رات ستائیسویں ہی ہونی چاہیئے۔

بہر حال یہ سب قرائن ہیں اور زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ پہنچاتے ہیں اور شب قدر کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کونسی رات ہے۔

شب قدر کے اخفا کی حکمتیں

اللہ اور اس کے رسول نے صراحۃً شب قدر کی تعیین نہیں فرمائی اور عروس لیلۃ القدر کو ابہام کے حجاب میں مستور رکھا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر کو اس لیے آشکارا نہیں کیا تاکہ امت میں ذوق تجسس اور گرمی عمل برقرار رہے نیز لکھتے ہیں کہ اگر لیلۃ القدر کو ظاہر کیا جاتا تو لوگ عام طور پر اسی رات کی عبادت پر اکتفا کر لیتے اور راہ عمل مسدود ہو جاتی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کو اپنے بندوں کا جاگنا اور اسے یاد کرنا زیادہ محبوب ہے۔ عدم تعیین کے سبب لوگ شب قدر کی تلاش میں متعدد راتیں جاگ کر گزاریں گے اس لیے اس کو مخفی رکھا، امام رازی فرماتے ہیں کہ اگر شب قدر کو معین کر دیا جاتا تو جس طرح اس رات میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت جتنا ہوتا اسی طرح اس میں گناہ بھی ہزار درجہ بڑھ جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس رات کو ابہام اور اخفا میں رکھا تاکہ اگر کوئی شخص اس رات

marfat.com

کو پا کر عبادت کرے تو اسے ہزار ماہ کی عبادتوں کا ثواب مل جائے لیکن اگر کوئی شخص غفلت اور جہالت سے اس رات میں کوئی گناہ کر بیٹھے تو تعین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے لیلۃ القدر کی عظمت مجروح کرنے کا گناہ اس کے ذمہ نہ آئے۔

علم رسالت اور شب قدر

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ بحث بھی بے ادبی ہے۔ نبی کو دین کے احکام اور شریعت کے اسرار کا بھی علم نہ ہو تو پھر نبوت کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے لیکن اس بے لگام دور میں چونکہ کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شب قدر کی تعیین کا علم نہیں تھا اس لیے ہم بھی اس موضوع پر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جسے عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر بتانے تشریف لائے تو دو مسلمان آپس میں لڑنے لگے آپ نے فرمایا میں تم کو لیلۃ القدر کی خبر دینے آیا تھا پس فلاں فلاں لڑ پڑے اور اس (کی تعیین) کو اٹھا لیا گیا اور شاید یہ تمہارے لیے بہتر ہو پس اس رات کو انتیس ستائیس اور پچیسویں تاریخوں میں تلاش کرو۔ (بخاری جلد ۱ صہ ۲۷۱) اس حدیث کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے نفی علم پر استدلال کیا جاتا ہے۔

قد اریت هذه الليلة ثم انسيتها۔

مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی۔ پھر بھلا دی گئی۔ (بخاری جلد ۱ صہ ۲۷۱)

آئیے دیکھیں۔ شراح بخاری نے اس حدیث کی کیا شرح کی ہے۔ یہ ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی: لکھتے ہیں۔

والمراد انه انسی علم تعيينها فی تلك السنة وسبب النسيان فی هذه القصة فی حديث عبادة بن صامت۔
(فتح الباری)

مراد یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تعیین کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

marfat.com

صرف اس سال بھلا دیا گیا تھا اور اس کا سبب عبادہ بن صامت کا بیان کردہ واقعہ ہے۔

یہی بات اس حدیث کے تحت علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۱۱ صہ۱۳۳ میں اور جناب انور شاہ کشمیری نے فیض الباری (جلد ۲ صہ۱۸۴) میں بیان کی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے وما ادراك ماليلة القدر اور سفیان بن عیینہ سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ قرآن کریم میں وما ادراك کے ساتھ جن چیزوں کا ذکر ہے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتلا دی ہیں۔ (بخاری جلد ۱ صہ۲۷۰) اس کے علاوہ حافظ محمد بن علی شوکانی نے بھی تفسیر فتح القدیر جلد ۵ صہ۴۷۲) میں اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور شارحین بخاری نے بھی اس کو تقویت پہنچائی ہے۔

اختلاف مطالع اور شب قدر

طلوع اور غروب کے اوقات، علاقوں کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے وقت کے لحاظ سے عرب ممالک میں دو سے لے کر چار گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے برطانیہ میں یہاں سے پانچ اور کینیڈا میں ۹ گھنٹے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے اور امریکہ میں جا کر بارہ گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے تمام دنیا کے لیے ایک رات شب قدر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو رات کسی علاقہ کے لیے طاق ہے وہ دوسرے کے لیے جفت ہو گی۔ نیز قطب شمالی و جنوبی میں چھ چھ ماہ کے دن رات ہوتے ہیں ان علاقوں میں شب قدر کا تعین کیونکر ہو گا۔

اس کی وضاحت میں ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح نماز وں میں ہر علاقہ کے اپنے اپنے مطلع کا اعتبار ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے علاقہ کے حساب سے نماز پڑھتا ہے اسی طرح شب قدر بھی ہر علاقہ والے اپنے حساب سے تلاش کریں گے۔ اور ہر شخص اپنے مطلع کے حساب سے آخری عشرہ کی طاق رات کا

marfat.com

تعین کریگا اور جس طرح بعد عظیم کی بنا پر دو دنوں میں عید ہو سکتی ہے اسی طرح اگر دو راتوں میں شب قدر بھی متحقق ہو جائے تو کچھ بعید نہیں ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شب قدر صرف ایک رات ہو اور جن علاقوں میں اس وقت رات کی جگہ دن ہو ان میں اسی دن سے متصل رات میں عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حکمی طور پر یہ ثواب عطا فرمادے۔

ثواب میں اضافہ شب قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے تو کیا اس ایک رات میں عبادت کر لینے کے بعد انسان ہزار ماہ کی عبادتوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔؟

اسی طرح ایک نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے تو کیا ایک نماز پڑھنے کے بعد کوئی شخص دس نمازوں سے بری ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر کی عبادت نفلی ہے اور ہزار ماہ میں جو فرائض اور واجبات ہیں یہ نفلی عبادت ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ رہا یہ کہ ایک فرض کا ثواب اس کی دس مثلوں کے برابر ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان مثلوں میں سے کوئی ایک مثل اس فرض کے مساوی کیسے ہو سکتی ہے جو خود اس جیسی دس مثال کے برابر ہے۔ اور انسان دس امثال کے مساوی فرض کے ادا کرنے کا مکلف ہے صرف ایک مثل کا نہیں لہذا ایک نماز پڑھ کر انسان دس نمازوں سے آزاد ہو سکتا ہے اور نہ ہی شب قدر کی عبادت پا کر ہزار ماہ کی عبادت سے بری ہو سکتا ہے۔

گناہ میں اضافہ ایک بحث یہ بھی غور طلب ہے کہ جس طرح شب قدر میں عبادت کرنے سے ثواب بڑھ جاتا ہے کیا اس طرح شب قدر میں گناہ کرنے سے سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ

marfat.com

اگر کسی شخص کو قطعی طور پر شب قدر کا تعین حاصل ہو جائے اور پھر وہ اس رات میں گناہ کرے تو یقیناً اس کا یہ گناہ اور راتوں کے گناہ سے زیادہ ہوگا۔ یہ کہ قرآن کریم میں ہے من جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا "جو شخص برائی کرے اسے اس برائی کے برابر عذاب ہوتا ہے" زیادہ نہیں ہوتا پھر جاننے کے بعد شب قدر میں معصیت کرنے والا زیادہ عذاب کا مستحق کیسے ہوگا۔ تو گذارش یہ ہے کہ جو شخص شب قدر معلوم ہونے کے بعد اس رات میں گناہ کرے گا۔ اس کے دو گناہ ہیں ایک تو فی نفسہ کوئی ناجائز کام کرنا دوسرا شب قدر کی حرمت پامال کرنا جس طرح گھر میں بدکاری کی نسبت مسجد یا کعبہ میں بدکاری کرنا زیادہ معصیت ہے۔ کیونکہ یہاں ایک فعل معصیت ہے اور دوسرا فعل توہین حرم اور فلا یجزی الا مثلھا کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کے لحاظ سے جس جرم کی جو سزا مقرر کی ہے اس جرم پر اسے ایک سزا ہی ملے گی۔ دو سزائیں نہیں ملیں گی۔ پس کعبہ یا لیلۃ القدر میں معصیت کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ عام جگہ معصیت کی نسبت زیادہ سزا کا مستحق ہے لیکن اس جرم کے لحاظ سے جو سزا مقرر ہے وہ سزا اسے ایک ہی ہوگی دو نہیں۔

نزول ملائکہ پیدائش آدم کے وقت فرشتوں نے انسان کے بارے میں خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ فتنہ جو خونریز اور فسادی ہوگا اور اس کے مقابلہ میں اپنی حمد و تسبیح اور عبادتوں کا ذکر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی شاہکار تخلیق کے کمالات فرشتوں پر جتانا چاہتا تھا۔ اضطراری عبادتوں کے خول میں لپٹے رہنے والوں کو سوز و گداز اور ذوق و شوق کے جلووں سے روشناس کرانا تھا اور یہ بتانا تھا کہ حکم وجوبی تو الگ رہا اگر ہم استحباب کے درجہ میں کہیں بلکہ کہیں نہیں صرف ترغیب ہی دیں تو ہمارے بندے نیند اور آرام کو چھوڑ کر محض ہماری خاطر ساری رات قیام کرتے رہیں گے۔ معصیت سے خائف۔ قلت طاعت پر نادم لبوں پر آہیں آنکھوں میں آنسو اور سینے میں شوق کا طوفان چھپائے فرزندان

marfat.com

آدم اس تاریخ کو ساری رات کھڑے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ منظر دکھانے کے لئے فرشتوں کو آسمان سے قطار در قطار نازل فرماتا ہے۔ فرشتے آتے ہیں اور جھک جھک کر انسان کی عظمتوں کو سلام کرتے ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر میں عبادت کرنے والے انسان کو جس وقت روح الامین آکر سلام کرتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس پر خشیت الہٰی کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں اور بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں فرشتوں کا سلام سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔ سات فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا تو ان پر نارِ نمرود برداً و سلاماً ہو گئی۔ لیلۃ القدر کے عابدوں پر جب لاتعداد فرشتے آکر سلام کرتے ہیں تو کیونکر نہ یہ امید کی جائے کہ ان پر نار جہنم امن و سلامتی ہو جائے گی!

---

marfat.com

یادِ اسماعیل علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ الانعام: ۱۶۲

ترجمہ:۔ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت اللہ ہی کے لیے ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا۔

اس آیت کریمہ نے بھرپور جامعیت کے ساتھ اسلام کے مخصوص اسلوب پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ بندہ کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، مرنا جینا سب کچھ اللہ ہی کی خاطر ہو۔ محسوسات کے طلاطم میں زندگی کا ہر کام اللہ کے لیے ہو اور اعمال کی بھیڑ میں انسان کا ہر عمل اللہ کی خاطر ہو۔

اگر شوق کے ہنگاموں سے دل مچلنے لگے تو عجز کی پیشانیاں اس بے نیاز کی بارگاہ میں جھکنے کے لئے بڑھ جائیں۔ اگر کسی کے نام پر سر کٹانے کا سودا ہو تو اس پہ زندگی نثار کی جائے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی کے حکم پر سر چھری کے نیچے رکھ دیا۔ بدر کی تپتی ہوئی زمین پر بیشمار صحابہ نے اسی کا نام بلند کرنے کے لیے برچھیاں کھائی تھیں اور کربلا کے سلگتے ہوئے ریگ زاروں میں اسی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے گلا کٹایا تھا۔ یہ عشق و محبت کی مہربانیاں اور حسن ازلی کی بے نیازیاں ہیں کہ وہ اپنے بندے کی لگن کو جانتا ہے اور اس کے شوقِ تپش کو پہچانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہ امتحان کے موقع پر ڈگمگانے والے قدم اور مظالم سے اشک اگلنے والی آنکھیں نہیں ہیں مگر پھر بھی وہ امتحان لیتا ہے۔ کبھی آگ

marfat.com

کے شعلوں میں گھرے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے صدق کو آزماتا ہے اور کبھی زیر خنجر آئے ہوئے حسین کے صبر کو دیکھتا ہے۔ حسن و عشق کا یہی پیچ و تاب اسلام کے تمام احکام کی اصل روح اور واقعی فلسفہ ہے۔

قربانی کرنے سے روحانیت کو جلا ملتی ہے

انسان کا سینہ ہوس اور ایثار سے موجزن ہے۔ ہوس ایک حیوانی جذبہ ہے اور ایسے جذبات جب ابھرتے ہیں تو وہ بس اپنے ہی لیے سوچتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے اپنا پیٹ بھرے اور اپنی ضروریات کو رفع کرے۔ خواہ اس میں کسی کو نفع ہو یا نقصان۔ جیسے ایک حیوان محض اپنی شکم سیری کے لیے دوسرے کا خون کر دیتا ہے اور اسے کوئی تاسف نہیں ہوتا اسی طرح انسان بھی اسی حیوانی جذبہ کے تحت اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کی تمناؤں کا خون کر دیتا ہے اور اسے کوئی افسوس نہیں ہوتا دوسرا احساس ایثار و قربانی ہے جو ایک ملکوتی جذبہ ہے جب ایسے جذبات غالب ہوتے ہیں تو انسان خود تکلیف میں رہ کر دوسروں کو آرام دینے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ بھوکا رہ کر کسی کو کھانا کھلا دے خود تشنہ محروم رہ کر کسی کو سیراب کر دے۔

اگر کسی کیاری سے دو پودے غذا حاصل کرتے ہوں تو ایک کاٹ دینے سے دوسرا زیادہ غذا حاصل کر سکتا ہے اور اس کی قوتِ رعنائی اور بالیدگی بڑھ جاتی ہے اسی طرح انسانی سسٹم کے دو جذبوں میں سے اگر ایک کا انقطاع کر دیا جائے تو دوسرا ارتقاء پذیر ہوگا۔ حیوانیت کا جس قدر انصرام و انقطاع ہوگا ملکوتیت اور روحانیت کو اتنی ہی مدد ملے گی۔

قربانی کرنے سے انسان کو سال میں یہ موقع ملتا ہے کہ وہ بے نوا غرباء جو کبھی کبھی ہی گوشت کھاتے ہیں کثرت سے گوشت کھا سکتے ہیں اور اپنے مال و متاع کو دوسروں پر خرچ کرنے کا ایثار اس حیوانی خواہش پر چھری پھیر دیتا ہے۔

marfat.com

ہوس دم توڑنے لگتی ہے۔ ہمدردی اور اخلاص کے جذبات جگمگانے لگتے ہیں۔ اور ملکوتیت اور روحانیت انسان کے سینہ میں ایک نیا جنم لیتی ہے۔

قربانی جہاد کی تربیّت دیتی ہے

فداکارانہ جذبہ اور قربانی کا عزم انسان کو زندگی کے ہر میدان میں فتح اور نصرت عطا کرتا ہے اور محض جلب منفعت کا حیوانی جذبہ کمزور کے مقابلہ میں بربریت اور قوی کے سامنے کم ہمتی اور بزدلی عطا کرتا ہے۔ ہَول اور دہشت کے میدانِ جنگ میں جہاں قدم قدم پر مجاہدوں کی سخت کوشیاں لبیک کہتی ہیں۔ جہاں خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشوں اور زخمیوں کی آہ وبقا سے خوف کا بدن کپکپانے لگتا ہے وہاں اس شخص کا گزر غیر متوقع نہیں ہوتا۔ جس کے جسم میں قربانی کی روح موجود ہو۔ جہاد کی فضا میں زخمیوں کو سنبھالنا اور گرتوں کو اٹھانا اس سے متصوّر ہوسکتا ہے جن کے دل میں اخلاص و ایثار کا جذبہ ہو۔

کافروں اور مشرکوں کا محاسبہ وہی شخص کرسکتا ہے جو اپنی زندگی میں کبھی خاک وخون سے کھیل چکا ہو۔ جس شخص نے کبھی کسی جانور کے گلے پر چھری نہ پھیری ہو جو ایک حیوان کو ذبح کرنے سے بھی ڈرتا ہو اس سے جہاد کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام نے سال میں ایک مرتبہ ایک حیوان کی قربانی کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہری طور پر اس کا گلا کاٹنے سے مسلمان کے اندر جرأت، ولولہ اور خاک وخون سے مناسبت پیدا ہو اور باطنی طور پر اسے پیسہ خرچ کرنے اور غرباء کو گوشت کھلانے سے اخلاص اور ایثار کی عادت پڑے۔

اسلام کا ہر فرد فطرتاً سپاہی ہوتا ہے اور وہ اسے مختلف پیرایوں سے ہر سال جہاد کی تربیت دیتا ہے۔ جانور کی قربانی کے ذریعہ اسلام اپنے فرزندوں کو سمجھاتا ہے کہ جس طرح اللہ کی رضا کے لیے تم آج اس جانور کا خون بہا رہے ہو کل اسی طرح خدا کے نام کی سربلندی کے لیے تم نے خود اپنا لہو پیش کرنا ہے۔

marfat.com

حقائقِ قربانی

اُسوۂ ابراہیم (علیہ السلام) تازہ کرنے کے لیے فرزندانِ اسلام ہمیشہ دس ذی الحج کو قربانی کیا کرتے ہیں۔ اسلامی فرقوں میں عقائد و افکار کے اختلاف کے باوصف یہ ایک خوشگوار ہم آہنگی تھی، لیکن مادہ پرستی کے اس دَور میں یہ نقطۂ اتحاد بھی قائم نہ رہ سکا اور کچھ دیر سے یہ آواز آنے لگی ہے کہ قربانی صرف حجاج کے لیے ہے۔

عام مسلمانوں کے لیے نہ یہ سُنّتِ ابراہیمی ہے نہ سُنّتِ محمدی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قربانی کی وجہ سے ہر سال لاکھوں جانور ضائع ہو جاتے ہیں اور بے حساب روپیہ برباد ہو جاتا ہے۔ اسی رقم کو اگر رفاہی امور پر صرف کیا جائے تو ملک و ملت کے بہت سے بگڑے ہوئے کام سنور سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قربانی کی ادائیگی کے سلسلہ میں غیر مقلد حضرات ہر سال اُمّتِ مسلمہ کو اس مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں کہ قربانی چوتھے روز بھی ہو سکتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قربانی کا شرعی ثبوت، شبہات کا ازالہ قربانی کے فضائل و فوائد اور اس کے ایام کی تحقیق پر مختصر اور اجمالی گفتگو کر لی جائے۔

قربانی کا شرعی ثبوت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فصل لربك وانحر۔ نماز پڑھ اپنے رب کے لیے اور قربانی ادا کر۔

نحر کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن جمہور مفسرین نے

marfat.com

اس آیت میں نحر کو قربانی پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

وقوله فصل لربك وانحر حث على مراعاة هذين الركعتين وهما الصلوٰة ونحر الهدىٰ فانه لابد من تعاطيهما فذالك واجب فى كل دين وفى كل ملة۔

(المفردات فی غرائب القرآن ص ۴۸۵)

فصل لربک وانحر میں نماز اور قربانی پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور ان دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے اور یہ ہر دین اور ہر ملت میں واجب رہی ہے۔

امام فخر الدین رازی، محمود آلوسی اور دیگر مفسرین نے اس آیت میں نحر کو قربانی پر محمول کرنے کی حسب ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

ا۔ قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے اور قربانی عبادت مالیہ ہونے کی وجہ سے بمنزلہ زکوٰۃ ہے پس جب فصل سے مراد نماز ہے تو وانحر سے قربانی مراد ہونی چاہیئے۔

ب۔ مشرکین اپنے بتوں کے لیے نماز اور قربانی دونوں ادا کرتے تھے پس جس طرح فصل سے نماز کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے چاہیئے کہ وانحر سے قربانی کو اللہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے۔

ج۔ تمام عبادات کا رجوع دو چیزوں کی طرف ہے۔ خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت اور نحر کو قربانی پر محمول کرنے سے یہ دونوں امر حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ نماز عظمت خالق کی مظہر ہے اور قربانی مخلوق پر شفقت کو ظاہر کرتی ہے۔

د۔ نحر کا لفظ باقی معنی کی نسبت قربانی کے معنی میں زیادہ مشہور ہے اور لفظ کو اس کے اشہر اطلاق پر محمول کرنا چاہیئے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی قربانی کے ثبوت پر دلائل کثیر موجود ہیں بعض یہ ہیں۔

marfat.com

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ حاکم نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من وجد سعة لان یضحی فلم یضح فلا یحضرن مصلانا

لواقح الانوار القدسیہ ۱ ص ۲۰۹)

جو شخص قربانی ادا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ما ھذہ الاضاحی حضور یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا سنة ابیکم ابراھیم۔ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی سُنت ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۹) اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے دس سال مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۸۲) ان حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ قربانی کرنا سنت ابراہیمی بھی ہے اور سُنت محمدی بھی۔ اس مقام پر سُنت طریقۂ جاریہ کے معنی میں ہے یعنی حضرت ابراہیم سے لے کر رسول اللہ تک اس پر عمل جاری رہا۔ عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔ النساء:۱۱۵

جو حق واضح ہونے کے بعد رسُول کے خلاف کرے اور مسلمانوں سے جُدا راستہ پر چلے تم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے۔

اس آیت میں غور کی جگہ ہے ان لوگوں کے لیے جو تمام مسلمانوں کے طریقہ کے علی الرغم قربانی کا انکار کرتے ہیں۔

شبہاتِ منکرین | منکرین قربانی کہتے ہیں کہ قربانی صرف حجاج کے

marfat.com

لیے مشروع ہے اور ہر سال اور ہر شہر میں قربانی کرنا نہ سنت ابراہیمی ہے اور نہ سنت محمدی۔ اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قربانی ادا کرنے کا امر عموم اور اطلاق سے فرمایا ہے۔ حج کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا فصل لربك وانحر (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر) اور احادیث رسول میں اس عموم کی تائید موجود ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک بار حج کیا اور مدینہ میں قیام کی پوری مدت میں ہر سال قربانی ادا فرماتے رہے (ترمذی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں دوبارہ قربانی کرنی ہوگی (مسلم) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے (بخاری) پس ظاہر ہو گیا کہ قربانی کا حکم حجاج اور مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر صاحبِ نصاب مسلمان کے لیے ہر شہر میں ہے۔ ثانیاً چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا اور دوسرے فوائد کے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے اس لیے اس نعمت کے شکر کے طور پر جانوروں کی قربانی کا حکم دیا اور یہ نعمت چونکہ حجاج و غیر حجاج دونوں پر ہے، اس لیے قربانی کا حکم بھی دونوں کے لئے ہے۔ ثالثاً قربانی سنت ابراہیم ہے بقولہ علیہ السلام لسنۃ ابیکم ابراہیم اور سنت ابراہیم کی پیروی حجاج و غیر حجاج دونوں کے لیے لازم ہے لقولہ تعالیٰ واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا (ملت ابراہیم کی پیروی کرو) پس قربانی بھی حجاج و غیر حجاج دونوں پر لازم ہے۔

رہا مال کو ضائع کرنے کا شبہ تو اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں جو مال خرچ ہوتا ہے وہ اسی شخص کے نزدیک ضائع کہلا سکتا ہے جو خدا اور آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ ثانیاً قربانی کا گوشت خود کھایا جاتا

marfat.com

ہے، احباب کو کھلایا جاتا ہے اور غرباء کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اب اس میں ضائع کیا چیز ہوئی ؟ اپنے کھانے کو تو ضائع نہیں کہہ سکتے اور احباب کے ہدیہ اور غرباء پر صدقہ کو ضائع وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں نہ اپنے رشتہ داروں کی محبت ہو اور نہ غرباء کے لیے ہمدردی

قربانی کے فضائل و فوائد

قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ مسلمان کا کوئی عمل پسند نہیں ہے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

۲۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے مقبولیت کے لیے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۳۔ قربانی کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک گناہ بخش دیتا ہے۔

(لواقح الانوار القدسیہ)

۴۔ قربانی کے گوشت اور خون کو ستر درجہ بڑھا کر میزان میں وزن کیا جائیگا۔

(اصبہانی)

۵۔ قربانی کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد و ابن ماجہ)

(مرقات)

۶۔ قربانی کا جانور میدانِ محشر میں اپنے صاحب کے لیے سواری بن کر آئے گا

۷۔ خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ قربانی کرنے والے کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (بزار و ابن ماجہ)

قربانی کے اسرار و رموز

۱۔ قربانی کے ذریعہ سُنت ابراہیم کو زندہ اور

marfat.com

اسوۂ اسماعیل کو تازہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ اسلامی سال کا آغاز محرم سے اور اختتام ذوالحج پر ہوتا ہے۔ اور دس محرم کو حضرت حسین کی اور دس ذوالحج کو حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ پتہ چلا اسلام ابتداء سے انتہا تک قربانیوں کا نام ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں اپنی مرضی سے تصرف کے لیے دی ہیں، وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کا کچھ حصہ اس کی مرضی سے بھی خرچ کیا جائے سال بھر ہم اپنی خواہش سے جانور ذبح کرتے ہیں، اللہ نے چاہا سال میں ایک مرتبہ ہم یہ جانور محض اس کی مرضی سے ذبح کر دیں۔

۴۔ اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خاک و خون سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے جہاد کی استعداد حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو شخص ایک جانور کو بھی ذبح نہ کر سکے اس سے کفار کو ہلاک کرنے کی توقع کب کی جا سکتی ہے۔

۵۔ قربانی کے ذریعہ ہمیں یہ عادت ڈالی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے ہم نے آج اس جانور کی جان پیش کی ہے، وقت آنے پر اپنی جان کو بھی اللہ کے حضور پیش کر دیں۔

۶۔ جس طرح بدن کا شکر نماز سے، مال کا زکوٰۃ سے اور قوت کا شکر جہاد سے ہوتا ہے اسی طرح جانوروں کا شکر قربانی سے ادا ہوتا ہے۔

۷۔ کفار اپنی قربانیاں بتوں کے لیے کرتے ہیں ہم قربانی اللہ کے لیے کر کے ان کے لیے صحیح راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔

۸۔ قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی وجہ سے غیر حجاج کو بھی حجاج سے مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

marfat.com

۹۔ قربانی سے وحدت ملی کو تقویت ملتی ہے اس دن تمام مسلمان ایک عمل اور ایک کھانے میں متحد ہوتے ہیں۔

۱۰۔ قربانی اقارب اور احباب سے ملاقات، ضیافت اور صلہ رحمی کا سبب بنتی ہے۔

۱۱۔ احباب کو قربانی کا تحفہ دینے سے یگانگت بڑھتی ہے اور صدقہ دینے سے غرباء کا پیٹ پلتا ہے اور ان کی دعائیں ملتی ہیں۔

۱۲۔ انسان کی جسمانی نشوونما کے لیے گوشت ایک ضروری عنصر ہے، بہت سے لوگ ناداری کی وجہ سے گوشت سیر ہو کر نہیں کھا سکتے، قربانی کے ایام میں ان کی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ قربانی کے ذریعہ ان کفار کے عقیدہ پر ضرب لگتی ہے جو جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔

۱۴۔ قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس خارجی حیوان کو آہنی چھری سے ذبح کیا ہے، اسی طرح شریعت کی قربان گاہ پر اپنے داخلی حیوان کو بھی مخالفتِ نفس کی چھری سے ذبح کر ڈالو تاکہ باطن ظاہر کے موافق ہو جائے اور آیاتِ آفاق کی معرفت کا مقتضیٰ حیوان ظاہر کی قربانی سے اور آیاتِ النفس کی معرفت کا مدعیٰ حیوان باطن کی قربانی سے پورا ہو جائے۔

قربانی کے احکام و مسائل

جو شخص ایام قربانی میں نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔ اونٹ گائے اور بکری ان اجناس کے جانوروں سے قربانی کرنا جائز ہے۔ اونٹ پانچ سال کا، گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی ہونی چاہیئے، دنبہ اگر چھ ماہ کا اس قدر فربہ ہو کہ ایک سال کا معلوم ہوتا ہو تو یہ بھی جائز ہے، گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ جانور صحیح سالم اور توانا ہو

marfat.com

جو جانور ایسا کمزور ہو کہ مذبح تک چل نہ سکے، جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو، کانا، اندھا، یا لنگڑا ہو یا جس کی آنکھ کان یا دُم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو یا جس کے خلقۃً کان یا دانت نہ ہوں یا جو پستان بریدہ ہو۔ ایسے تمام جانور قربانی کے اہل نہیں۔ ان کی قربانی ناجائز ہے۔

دس ذوالحجہ کو نماز عید کے بعد سے ۱۲ ذوالحجہ کے دن غروب آفتاب تک قربانی کرنا جائز ہے۔ ان ایام میں دن کو قربانی کرنی چاہیئے۔ رات کو قربانی کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ افضل اور مستحب یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرے۔ ورنہ کم از کم ذبح کے وقت حاضر رہے۔ ذبح کے وقت یہ دعا کرے۔

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین اللھم منک ولک

قربانی کے گوشت یا کھال کو قصاب کی اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ نہ اس کے کسی حصہ کو بیچا جا سکتا ہے، اگر فروخت کر دیا تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں ایک اپنے لیے، ایک رشتہ داروں کے لیے اور ایک غرباء کے لیے۔ قربانی کا گوشت کافر حربی کو نہیں دیا جا سکتا۔ ذمیوں کو دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم ذمیوں کے حکم میں ہیں۔ انہیں دیا جا سکتا ہے۔ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ احباب کو ہدیہ اور فقراء کو صدقہ دے سکتے ہیں رفاہی امور، مساجد اور مدارس کے لیے بھی دے سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام ایام قربانی کی مقدار میں ائمہ اور مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری صرف تین دن تک جواز قربانی کے قائل ہیں۔ تیسرا دن گزر جانے کے بعد چوتھے دن قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ اور غیر مقلد حضرات کے نزدیک

marfat.com

چوتھے دن بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ روایات کے تتبع اور چھان پھٹک کے بعد جو حقیقت سامنے آتی ہے۔ اس سے جمہور کی تائید ہوتی ہے اور عقل و نقل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ چوتھے دن جانور کو ذبح کرنا محض خون بہانا اور گوشت فراہم کرنا ہے۔ قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس قرآن کریم، حدیثِ صحیح اور آثار صحابہ سے جو کچھ صحت اور اعتماد کے ساتھ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ قربانی صرف تین دن تک جائز ہے، چار دن قربانی کے بارے میں جو روایات ہیں وہ یا موضوع ہیں یا مطعون۔

ایامِ ثلاثہ پر استدلال قرآن سے

اللہ عزوجل فرماتا ہے :۔ ویذکروا اسم اللّٰہ فی ایام معلومات علی مارزقہم من بہیمۃ الانعام۔ الحج: ۲۷ اور وہ ایام معلومات میں جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں۔

اس آیت کے تحت امام ابوبکر رازی الجصاص فرماتے ہیں :۔

لما ثبت ان النحر فیما یقع علیہ اسم الایام وکان اقل ما یتناولہ اسم الایام ثلاثۃ وجب ان یثبت الثلاثۃ وما زاد لم تقم علیہ الدلالۃ فلم یثبت۔ (احکام القرآن جلد ۳، ص ۲۳۵)

جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ ایام معلومات سے مراد ایام ذبح ہیں اور لفظ ایام کی دلالت کم از کم تین دنوں پر ہے تو تین دن تو یقیناً ثابت ہو گئے اور تین دن سے زیادتی پر کوئی دلیل نہیں، پس وہ ثابت نہیں۔

ایام ثلاثہ پر استدلال حدیث سے

ابوبکر جصاص کے مذکورۃ الصدر استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن سلمۃ بن اکوع قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثۃ وفی بیتہ منہ شئی۔ البخاری جلد ۲ ص ۸۳۵

سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی قربانی کرے اس کے پاس تیسری رات کے بعد قربانی کا گوشت نہ ہو۔

اس کے علاوہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا ہے اگر قربانی چار دن تک جائز ہوتی تو آپ چار دن تک کی اجازت دیتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر کوئی شخص تیسرے دن قربانی کرتا تب بھی اسے تین دن تک گوشت رکھنے کی اجازت تھی اور اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تاہم ابتداً تین دن کی تخصیص کرنا اس امر پر کافی دلیل ہے کہ قربانی صرف تین دن تک جائز ہے، چنانچہ ابن قدامہ حنبلی نے اس حدیث سے تین دن قربانی پر استدلال کیا ہے۔

ایام ثلاثہ پر استدلال آثار سے

اصولِ حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس چیز کو قیاس سے نہ بتایا جا سکے، جب اس کی صحابہ خبر دیں تو وہ حکماً مرفوع ہے اور ایام کی مقدار قیاس سے نہیں متعین کی جا سکتی۔ پس صحابہ کرام نے ایام کی مقدار جو بھی بیان کی ہے وہ حدیثِ رسول کے حکم میں ہے۔

۱۔ محدّث بالصواب حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔

عن ماعز بن مالك الثقفي ان اباه سمع عمر يقول انما النحر في هذه الايام الثلاثه (مختصر الكرخي بحواله بنايه جلد ۴ صہ ۱۷۰ و محلی ابن حزم جلد ۷ صہ ۳۷۷)

ماعز بن مالک ثقفی سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے حضرت عمر سے سنا کہ قربانی ان تین دنوں میں ہے۔

۲۔ اور مبین الحقائق والمطالب حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں:۔

عن ابی لیلی عن المنهال بن عمرو عن زر عن علی قال النحر ثلاثه ايام افضلها اوّلها (عمدة القاری جلد ۲۱ صہ ۱۴۸، محلی ابن حزم جلد ۷ صہ ۳۷۷، روح المعانی جلد ۱۷ صہ ۱۴۵، موطا امام مالک صہ ۱۸۸)

حضرت علی نے فرمایا، قربانی تین دن ہے اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

marfat.com

اس حدیث کے دو راویوں پر ابن حزم ظاہری نے اعتراض کیا ہے، ابن ابی لیلیٰ اور منہال بن عمرو ابن ابی لیلیٰ پر ابن حزم کا یہ اعتراض ہے کہ وہ بد حافظہ تھے، اس جواب میں اولاً گزارش یہ ہے، ابن ابی لیلیٰ صحاح کے راوی ہیں۔ ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو روایت کیا ہے، ثانیاً علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ زائدہ نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ تمام اہلِ دنیا سے زیادہ فقیہ تھے، امام عجلی نے کہا ابن ابی لیلیٰ، فقیہ، صاحب سُنت، بے حد سچے اور جائز الحدیث تھے۔ قرآن کے عالم اور لوگوں میں حسب کے اعتبار سے سب سے بہتر تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ ۳۰۲) اور منہال پر ابن حزم کا اعتراض یہ ہے کہ وہ مجروح ہیں اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو امام بخاری، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ یہ سارے ائمہ منہال سے روایت کرتے ہیں۔ ابن معین اور نسائی نے تصریح کی ہے کہ وہ ثقہ ہیں ابو الحسن القطان نے کہا کہ جب عجلی اور ابن معین جیسے ائمہ منہال کی توثیق کر چکے ہیں تو ابن حزم ظاہری کی جرح کا کیا اعتبار ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۳۲۰)

۳۔ اور مفسر قرآن حضرت ابن عباس فرماتے ہیں عن وکیع عن ابی لیلی عن المنہال عن سعید بن جبیر عن ابن عباس النحر ثلاثۃ ایام۔ (احکام القرآن جلد ۳ صہ ۲۲۳، محلی ابن حزم جلد ۷، صہ ۳۷۷)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، قربانی تین دن ہے۔

اس حدیث کی سند میں بھی ابن ابی لیلیٰ اور منہال ابن حزم کو کھٹکتے ہیں اور جواب ظاہر ہو چکا۔

۴۔ اور فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔

عن اسماعیل بن عیاش عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر الاضحی یوم النحر ولیومان بعدہ۔

(موطا امام مالک صہ ۱۸۰، محلی ابن حزم جلد ۷، صہ ۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ قربانی عید اور اس کے دو دن بعد ہے۔

marfat.com

اس سند میں اسماعیل بن عیاش پر ابن حزم کا اعتراض ہے کہ یہ ضعیف ہیں لیکن یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ اولاً تو اسماعیل بن عیاش پر ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کا اعتماد ہے۔ ثانیاً اس لیئے کہ یعقوب بن سفیان نے کہا اسماعیل ثقہ اور عادل ہے اور یزید بن ہارون نے کہا، میں نے اسماعیل سے بڑھ کر کسی کو حافظہ والا نہ پایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صا۱۶)

۵۔ اور رئیس الحفاظ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں :۔

عن یزید بن الحباب عن معاویۃ بن صالح حدثنی ابومریم سمعت اباھریرۃ یقول الاضحی ثلاثۃ ایام۔ (محلی ابن حزم جلد ۷ صـ۳۷۷)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں، قربانی تین دن ہے۔

حدیث ابوہریرہ کی سند میں ایک راوی ہیں۔ معاویہ بن ابی صالح، ابنِ حزم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ بلاریب یہ کذبِ صریح ہے اس لیے کہ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ صحاح کے یہ سارے امام معاویہ ابن صالح سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ نیز ابوطالب اور ابن معین نے کہا کہ یہ ثِقہ ہیں، عجلی اور نسائی نے توثیق کی، ابن فراش نے کہا کہ یہ صدوق ہیں ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، بزار نے کہا ثِقہ ہیں، اور بہتوں نے کہا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰، صـ۲۰۹ تا ۲۱۱)

۶۔ اور یہ ہیں خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس :۔

عن وکیع عن شعبۃ عن قتادۃ عن انس قال الاضحی یوم النحر ویومان بعدہٗ (سنن بیہقی بحوالہ بنایہ جلد ۴ صـ۱۱۷، محلی ابن حزم جلد ۷ صـ۳۷۷)

حضرت انس نے فرمایا: قربانی عید اور دو دن بعد ہے۔

اور یہ وہ سند ہے جس کی صحت پر ابن حزم ظاہری کو بھی ایمان لانا پڑا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ولا یصح شئی من ھذا کلہ الا عن انس وحدہٗ۔

(محلی ابن حزم جلد ۷ صـ۳۷۷)

marfat.com

۷۔ صاحب استذکار نے ذکر کیا ہے کہ جبر اُمت حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی بیان کیا ہے کہ قربانی تین دن ہے۔ (عینی علی الھدایہ جلد ۴ صہ ۱۱۷)

ایام اربعہ کے تمسکات اور ان کا احتساب

۱۔ عن معاویہ بن یحیٰی عن الزہری عن ابن المسیب عن ابی سعید الخدری عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایام التشریق کلھا ذبح۔

ابو سعید خدری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

اس حدیث کی سند میں معاویہ بن یحیٰی ہے اور نسائی، ابن معین اور علی بن مدینی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں بیان کیا یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔ (بنایہ علی الھدایہ جلد ۴ صہ ۱۱، عمدۃ القاری جلد ۲۱ صہ ۱۴۸)

معاویہ بن یحیٰی کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں۔

جوزجانی نے کہا یہ ذاہب الحدیث ہے، ابو زرعہ نے کہا قوی نہیں، اس کی احادیث منکرہ ہیں۔ ابو حاتم نے کہا، ضعیف ہے، ابوداؤد اور نسائی نے کہا غیر ثقہ ہے، نسائی نے ایک جگہ کہا ضعیف ہے دوسرے مقام پہ کہا لیس بشیٔ ابن حبان نے کہا، یہ اپنے وہم سے حدیث بیان کرتا تھا۔ ساجی نے کہا اس کی احادیث بہت ضعیف ہیں۔ بخاری نے ضعفاء میں شمار کیا۔ زہری نے کہا کہ اس کی احادیث منکرہ اور موضوعات کے مشابہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۲۱۹ تا ۲۲۰)

اور اس حدیث کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں:۔

ابن عدی نے اس حدیث کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے اور کہا یہ معاویہ بن یحیٰی کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابن ابی حاتم نے کہا یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

۲۔ عن سوید بن العزیز عن سلیمان بن موسیٰ عبد الرحمان بن ابی حسین

marfat.com

عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ایام التشریق ذبح ۔ (موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان صہ ۲۴۹)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

اس حدیث کی سند میں سوید بن عبد العزیز ہے۔ اس کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں:۔

امام احمد بن حنبل نے کہا، یہ متروک الحدیث ہے ابن معین نے کہا لیس لشیئ، یہ کچھ بھی نہیں، مزید کہا یہ ضعیف ہے اور احکام قربانی میں اس کی روایت جائز نہیں۔ بخاری اور ابن سعد نے کہا اس کی احادیث منکرہ ہیں، یعقوب بن سفیان نے کہا ضعیف ہے، دارمی نے کہا، یہ حدیث میں غلط بیانی کرتا تھا، ترمذی نے کہا کثیر الغلط تھا نسائی نے کہا، غیر ثقہ تھا، خلال نے کہا ضعیف تھا، بزار نے کہا، حافظ نہ تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صہ ۲۷۷)

اس حدیث کے بارے میں حافظ عینی سے سنیے:۔

بزار نے اس کو اپنی مسند میں روایت کیا اور کہا ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔ (بنایہ علی الہدایہ جلد ۴ صہ ۱۱۷)

علامہ ابن حجر سے سنیے:۔

احمد، ابن حبان اور بزار نے اس حدیث کو جبیر بن معطم سے روایت کیا اور بزار نے کہا یہ حدیث منقطع ہے، دارقطنی نے دو مختلف سندوں سے اس حدیث کا اخراج کیا اور کہا دونوں میں ضعف ہے بیہقی نے اس کو ایک سند سے روایت کیا اور کہا کہ یہ منقطع ہے۔ (درایہ علی الہدایہ الاخیرین صہ ۲۴۶)

۳۔ عن عبید اللہ بن موسیٰ عن ابن ابی لیلی عن الحکم بن عتیبۃ عن مقسم عن ابن عباس قال الایام المعلومات یوم النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔

(محلی ابن حزم جلد ۷ صہ ۳۷۷)

marfat.com

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایام معلومات عید اور اس کے بعد تین دن ہیں۔
اس سند کے ایک راوی ہیں ابن ابی لیلیٰ۔ یہ وہی ابن ابی لیلیٰ ہیں جو علی اور ابن عباس کی سندوں میں تھے جنہیں جمہور نے پیش کیا تھا وہاں ابن حزم نے ان سندوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ابن ابی لیلیٰ بد حافظ ہیں۔ حیرت ہے کہ اس قدر جلد ابن ابی لیلیٰ پر کیا ہوا اعتراض ابن حزم کے حافظہ سے کیسے نکل گیا۔
چلیئے ابن ابی لیلیٰ کو جانے دیجیے یہ ہیں اس سند کے ایک اور راوی عبید اللہ بن موسےٰ۔

ان کے بارے میں علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:
احمد بن حنبل نے کہا۔ عبید اللہ بن موسیٰ احادیث میں خلط کرتا تھا، اس نے روایات سوء اور احادیث مرویہ بیان کی ہیں، صاحب مناکیر تھا، میں نے اس کو مکہ میں دیکھا اور اعراض کر لیا، ابن سعد نے کہا وہ تشیّع کو ثابت کرنے کے لیے احادیث منکرہ روایت کرتا تھا، اس وجہ سے اکثر لوگوں نے اس کو ضعیف قرار دیا، ابو مسلم بغدادی نے کہا عبید اللہ بن موسیٰ متروکین میں سے تھا، امام احمد نے اس کے تشیّع کی وجہ سے اس کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۵۱ تا ۵۳)
مجروح السند ہونے کے علاوہ یہ حدیث ابن عباس کی اس صحیح السند حدیث کے معارض ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

بر سبیل تنزل ایام ثلاثہ کے دلائل کی صحت اور قوت اور ایام اربعہ کی روایات کے وضع جرح اور ضعف سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو بھی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قربانی ان ایام میں ادا کی جائے جن میں سب کے نزدیک قربانی ادا ہو جائے اور وہ ایام عید اور اس کے دو دن بعد ہیں۔ ثانیاً یہ کہ دلائل کے تعارض کی وجہ سے چوتھا دن کم از کم مشکوک ضرور ہو گیا، پھر کیوں نہ قربانی ان دونوں میں کی جائے، جن میں قربانی کی ادائیگی یقینی اور قطعی ہے۔

---

marfat.com

فقہیات

۲۸۔ ضرورت اجتہاد

۲۹۔ بلا سود معیشت

۳۰۔ اسلام اور تسخیر کائنات

۳۱۔ نظام مصطفےٰ کی اصطلاح

۳۲۔ نماز جنازہ بر طریقہ سُنت

۳۳ علاج کی شرعی حیثیت

۳۴۔ زاغ معروف کا شرعی حکم

۳۵۔ فلسفۂ حدود و تعزیرات

۳۶۔ اسلام میں غرباء کا مقام

۳۷۔ انڈا حلال ہے۔

marfat.com

ضرورت اجتہاد

انسان چند متضاد عناصر کا مجموعہ ہے۔ وہ روح بھی ہے اور مادہ بھی، مجبور بھی ہے اور مختار بھی، ذریعہ بھی ہے اور مقصود بھی، اس میں نفس امارہ بھی ہے اور نفس لوامہ بھی اس میں تغیر بھی ہے اور ثبات بھی۔ تغیر و ثبات ان آئین و قوانین میں موجود ہوتا ہے جن کے مطابق کوئی قوم زندگی بسر کرتی ہے۔ مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کی قومیت کی بنیاد دوسری قوموں سے الگ ہے اور یہ قوم جن اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی ہے یا کرنا چاہیئے وہ بھی دوسری اقوام کے اصولوں سے مختلف ہیں۔ ہماری قومیت کی بنیاد نسل، وطن، رنگ، زبان یا پیشے وغیرہ پر قائم نہیں ہے بلکہ خاص تصورات و نظریات پر مبنی ہے۔ اس طرح ہمارے نظام زندگی کی بنیاد انسانی قوانین نہیں بلکہ اللہ کی ہدایت ہے اور اس ہدایت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیر و ثبات کا یکساں لحاظ رکھتی ہے۔ جو آئین صرف ثبات کا لحاظ رکھتا ہو اور تغیر سے بے نیاز ہو وہ بھی ناقص ہے اور جو قانون صرف تغیر پذیر ہو اور ثبات کا حامل نہ ہو وہ بھی نامکمل ہے اور جو آئین تغیر اور ثبات دونوں کا جامع ہو وہی مکمل آئین ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

دین اسلام میں دو قسم کی اقدار ہیں ایک مستقل اور ازلی و ابدی اور ایک غیر مستقل اور عبوری۔ مستقل اقدار میں سے بعض یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت، کتاب و سنت کی حاکمیت، تمام نبیوں، رسولوں اور فرشتوں پر ایمان، تقدیر، مبداء، معاد اور جزا و سزا پر ایمان وغیرہا

marfat.com

دوسری اقدار عبادات ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد ہیں پھر حدود و تعزیرات اور اس کے بعد دیگر معاملات ہیں۔ جن میں بیع، شرا، اجارہ، مزارعت وغیرہا شامل ہیں یہ ہر نبی کے دور میں مختلف رہی ہیں جن اقدار کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یہ اسلام کی اٹل اور انمٹ اقدار ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی متصور نہیں ہے۔

یہ وہی اقدار ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے حضور کے زمانہ نبوت تک تمام ادوار میں مشترک رہی ہیں ــــ اور انہی اقدار کو دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باقی رہیں عبادات اور معاملات تو یہ ہر نبی کے زمانہ میں اس دور کے تقاضوں کے مطابق مختلف انداز سے مختلف اطوار اپناتی رہی ہیں اور انہی مختلف اقدار کو شریعت کہا جاتا ہے۔

اجتہاد کا دائرہ کار

عبادات اور معاملات کے بارہ میں قرآن کریم کی ہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رہنما اصول ہیں لیکن قرآن کریم کے بعض الفاظ متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہ قرآن کریم نے ایک حکم کو بغیر کسی قید کے بیان کیا بعد میں اس کو منسوخ کر دیا۔ یہی حال احادیث شریفہ کا ہے ایک ہی معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معمولات اور اقوال موجود ہیں۔ پھر تمام احادیث بھی صحت اور قوت کے اعتبار سے ایک درجہ کی نہیں ہیں، اس لیے اُمت کو احکام کی ترتیب اور تدوین کے لیے ایک ایسے مجتہد کی ضرورت ہوئی جو قرائن اور دلائل سے قرآنِ کریم کے متعدد معانی میں سے کسی ایک کا تعین کر سکے مطلق اور مقیّد آیات میں یہ فیصلہ کر سکے کہ مطلق اور مقیّد کو اپنے حال پر رکھا جائے گا یا مطلق کو مقیّد پر محمول کر دیا جائے گا آیات کے اسباب نزول اور ان کی تقدیم و تاخیر پر نظر ہو اور اس کی روشنی میں ناسخ اور منسوخ کو متعین کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد معمولات اور اقوال میں سے قرائن اور دلائل سے کسی ایک قول اور عمل کا تعین کر سکے اور اس

سلسلہ میں سند کے اعتبار سے حدیث کی قوت اور ضعف کو جان کر فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ایسے ہی شخص کو فقہاء کی اصطلاح میں مجتہد مطلق کہا جاتا ہے۔

مجتہد کی تعریف علامہ محب اللہ بہاری نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد وہ مسلمان فقیہ ہے جو حکم شرعی کا استخراج کرنے کے لیے اپنی تمام علمی صلاحیت کو بروئے کار لائے اور انہوں نے مجتہد کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے دلائل پر کم سے کم اجمالی نظر رکھتا ہو اور احکام سے متعلق قرآن کریم کی آیات کے معانی، فصاحت وبلاغت اور صرف ونحو اور قرأت کی باریکیوں اور اصول استخراج کے علم کا ماہر ہو۔

اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتا ہو۔ اس طرح جو احادیث احکام سے متعلق ہیں ان تمام احادیث پر اس کی نظر ہو ان احادیث کی سند پر راویوں کے احوال سے باعتبار قوت اور ضعف کے واقف ہو تعدد اسانید کے اعتبار سے متواتر، مشہور، مستفیض اور غریب کے فرق سے واقف ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد معمولات اور اقوال میں منشاء رسالت تلاش کر کے ان میں تطبیق دینے یا نسخ کا فہم رکھتا ہو آثار صحابہ سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون سے عمل کو آخری عمل قرار دیا۔ کس عمل کو خصوصیت قرار دیا اور متعارض احادیث کی کس طرح توجیہ کی۔ جس مسئلہ پر اہلِ علم کا اجماع ہو چکا ہو۔ اس پر مطلع ہو۔ اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حل صراحۃً کتاب، سنت، آثار اور اجماع سے نہ حاصل ہو سکے۔ اس کو اس مسئلہ کے اشباہ ونظائر پر قیاس کر کے حاصل کر سکے۔ ایک مجتہد جب قرآن یا حدیث کے متن سے استدلال کرتا ہے تو عموماً اس کے استدلال کے چار طریقہ ہوتے ہیں! کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

فقہ کی تعریف امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے نفع وضرر کو پہچان لے یہ فقہ ہے اور جمہور کے نزدیک فقہ احکام شرعیہ فرعیہ

marfat.com

کے اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل تفصیلیہ سے مکتسب ہو۔ دلائل تفصیلیہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً نماز فرض ہے۔ اب مجتہد اس حکم کو اس طرح حاصل کرے گا کہ نماز "مامور بہ" ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" اور مامور بہ فرض ہے کیونکہ امر فرضیت کیلئے ہے لہذا نماز فرض ہے۔ اسی طرح قتلِ ولد حرام ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قتلِ ولد منہی عنہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ" اور منہی عنہ حرام ہے کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے لہذا قتلِ ولد حرام ہے۔

طبقاتِ فقہاء

۱۔ مجتہد فی الشرع : یہ وہ لوگ ہیں جو قواعد و اصول مقرر فرماتے ہیں اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اصول و فروع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے جیسے ائمہ اربعہ !

۲ مجتہد فی المذہب یہ صرف اصول میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور ادلہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں اور مسائل فرعیہ میں بعض جگہ اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں جیسے اصحاب ابی حنیفہ وغیرہ۔

۳ مجتہد فی المسائل یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں جیسے ابو جعفر طحاوی۔

۴ اصحاب تخریج انہیں اجتہاد پر قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اس کے مأخذ پر انہیں مکمل عبور ہوتا ہے اس لیے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں جیسے ابو بکر رازی، ابو بکر جصاص اور کرخی۔

۵ اصحاب ترجیح یہ بعض روایتوں کو بعض دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۶ ممیزین یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح، اصح، قوی، ضعیف اور ظواہر و نوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انہیں روایات کو باہم

marfat.com

متمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسے صاحب کنز اور صاحب شرح وقایہ وغیرہا۔

ضرورت اجتہاد

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تتبع اور استقراء سے یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ علم و فضل میں اب اس پلائے کے لوگ نہیں ہیں جو اجتہاد کے اصول کلیہ وضع کر کے مجتہد فی الشرع کا مقام پا سکیں یا فروع میں وہ مقام پائیں جو اصحاب ابی حنیفہ کا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں ایسے پختہ اور ثقہ اصحاب فتویٰ علماء موجود ہیں جو دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل کا اصول و فروع میں اپنے امام کی اتباع کرتے ہوئے حل تلاش کر سکیں اور یہی لوگ مجتہد فی المسائل کہلانے کے مستحق ہیں۔ جس طرح امام ابو جعفر طحاوی اور امام قاضی خان نے اپنے اپنے دور میں پیش آنے والے مسائل کا اصول و فروع کی پابندی کرتے ہوئے استخراج اور استنباط کیا کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج کے ارباب حل و کشاد انفرادی طور پر یا علماء کا ایک بورڈ بنا کر موجودہ دور کے مسائل کے لیے فقہ اسلامی سے رہنمائی نہ مہیا کر سکیں۔ مثلاً لاؤڈ سپیکر پر نماز، ریل گاڑی اور طیارہ میں نماز ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان، اعضاء کی پیوند کاری، انگریزی دواؤں سے علاج مردے کا پوسٹ مارٹم، قطبین میں نماز اور روزے کا مسئلہ نئے اوزان کی اوزان شرعیہ سے تطبیق، غیر سودی بنکاری۔ چور کے کٹے ہوئے ہاتھ سے انتفاع، بیمہ کا جواز یا عدم جواز، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، انعامی بانڈ لینے کا جواز یا عدم جواز ایک شخص شہر میں عید کر کے آیا اور دوسرے شہر میں رمضان پایا تو روزہ رکھے یا نہیں کسی شخص نے تیس سال پہلے ایک ہزار روپیہ قرض لیا۔ اب تیس سال بعد وہ قرض خواہ کو ایک ہزار ہی ادا کرے گا جبکہ اس کی مالیت اب سو روپیہ رہ گئی ہے یا سونے کے حساب سے زیادہ رقم، نوٹوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سونا معیار ہو گا یا چاندی اس قسم کے سینکڑوں مسائل بیسویں صدی میں ایجادات زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور بدلتے ہوئے حالات نے پیدا کر دیئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور مجتہد فی المسائل قسم کے علماء ہی اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں

marfat.com

اجتہاد کے مسلم اصول جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اجتہاد، کتاب، سُنت، اجماع اور قیاس کی بنیادوں پر ہوتا ہے اس مقام پر ہم چند مثالوں سے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان ارکان اربعہ سے اجتہاد کے مسلم اصول اور قواعد کیا ہیں۔

کتاب اور سُنت میں اجتہاد کے وقت عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ اس لئے سطور ذیل میں ہم ان کی وضاحت کر رہے ہیں۔

عبارت النص عبارت النص کا مطلب یہ ہے کہ لفظ معنی کے مقصود اصلی یا غیر اصلی پر دلالت کرے اصلی و غیر اصلی کی تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ کبھی لفظ کے ایک معنی ہوتے ہیں اور وہی مقصود بھی ہوتے ہیں۔ اس کو مقصود اصلی کہتے ہیں اور کبھی اس لفظ سے ایک اور مفہوم حاصل ہوتا ہے جو مقصود ہوتا ہے لیکن مقصود اصلی نہیں ہوتا ان دونوں طرح کی دلالتوں پر عبارت النص کا اطلاق ہوتا ہے، اس کی مثال یہ ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رُباع (النساء:۳)

اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو خواہ دُو دُو سے تین تین سے یا چار چار سے

اس آیت کا سیاق و سباق یہ بتلاتا ہے کہ یہ آیت نکاح کی تحدید اور حصر پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کرنا جائز ہے اس صورت میں تحدید نکاح مقصود اصلی ہوگا اور جواز نکاح مقصود غیر اصلی

اشارۃ النص اشارۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ معنی لفظ کا صراحۃً مقتضیٰ نہیں ہوتا بلکہ غور و فکر سے ذہن اس معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت وعلی المولود لہٗ رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔ البقرۃ:۲۳۳، بچہ کے باپ پر ان کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا رواج کے مطابق لازم ہے۔

عبارت النص سے اس آیت سے یہ معنی سمجھ میں آتا ہے کہ جو مائیں دودھ

marfat.com

پلاتی ہیں اگر وہ مطلقہ ہوجائیں تو ان کا خرچ باپ کے ذمے ہے لیکن غور و فکر سے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نسب کے ثبوت کا تعلق باپ سے ہوتا ہے ماں سے نہیں ہوتا۔

دلالۃ النص دلالۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں ایک حکم مذکور ہے اور ایک مسکوت عنہ اور جو مسکوت عنہ ہے وہ زیادہ اہم ہے مثلاً والدین کے متعلق مذکور ہے۔

لا تقل لهما اُف ولا تنهرهما "ماں باپ کو نہ اُف" کہو اور نہ جھڑکو" اس آیت میں بظاہر والدین کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔

لیکن یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ماں باپ کو زدوکوب کرنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا اور یہ دلالۃ النص ہے۔

اقتضاء النص اقتضاء النص میں بھی مذکور کی مسکوت عنہ پر دلالت ہوتی ہے بایں طور کہ اگر مسکوت عنہ کو مقدّر نہ مانا جائے تو کلام کی تکذیب لازم آئے گی جیسے اس حدیث میں ہے

رفع عن امتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه "میری امت سے خطاء، نسیان اور جبر اٹھا لیا گیا ہے"۔ بظاہر اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اب میری امت سے خطاء و نسیان کبھی سرزد نہیں ہوگا یا کوئی شخص اس کو مجبور نہ کر سکے گا لیکن یہ معنی کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اس لیے یہاں لفظ "حکم" مقدر ماننا ہوگا اور معنی یہ ہوگا کہ خطاء، نسیان اور اکراہ کی حالت میں مواخذہ کا حکم اٹھا لیا گیا ہے اور یہ اقتضاء النص ہے۔

اجماع کتاب و سنت کے بعد مجتہد اجماع سے استدلال کرتے ہیں مثلاً پہلے حدِ خمر میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا بعد میں اسّی کوڑوں پر اجماع ہوگیا اسی طرح متعہ کے بارے میں بعض روایات کی بناء پر بعض صحابہ کرام کا اختلاف تھا۔ لیکن حقیقت واضح ہوجانے کے بعد اس کی حرمت پر

اجماع ہوگیا اسی طرح پہلے نماز جنازہ کی تکبیروں میں اختلاف تھا بعد میں چار تکبیروں پر صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا۔

قیاس اجماع کے بعد مجتہد قیاس سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ قیاس کے لیے انہوں نے چار ارکان مقرر کیے ہیں۔

۱۔ اصل جس پر کسی مسئلہ کو قیاس کیا جائے"

۲۔ فرع۔ وہ مسئلہ یا جزی جس کو قیاس کیا جائے۔

۳۔ حکم۔ حلت وحرمت یا اباحت وجواز سے متعلق وہ بات جو اس سلسلہ میں کہی جائے۔

۴۔ علّت۔ وہ جامع وصف جو مقیس علیہ اور مقیس دونوں میں پایا جائے جیسے "خمر" مثلاً اصل ہے بھنگ یا کوئی اور مشروب فرع ہے سکر کو علّت سے تعبیر کرتے ہیں جو بھنگ اور خمر دونوں میں پائی جاتی ہے اور تحریم کو حکم کہیں گے۔

قیاس کی بعض شرائط یہ ہیں:۔

۱۔ وہ حکم جس کو فرع میں متعدی فرض کیا جائے اس کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہو کیونکہ اگر وہ حکم ثابت نہیں ہوگا تو وہ منسوخ ہوگا اور قیاس کا منشاء ہی فوت ہو جائے گا۔

۲۔ اس کا حکم دینی و شرعی ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مقیس علیہ کے لیے یہ لازمی ہے کہ کسی دوسرے اصل کی فرع نہ ہو۔

۴۔ وہ حکم متفق علیہ ہو کیونکہ اگر مختلف فیہ ہوگا تو اس صورت میں اسی نسبت سے اختلاف فرع میں منعکس ہوگا۔

۵۔ وہ حکم کوئی استثنائی حیثیت نہ رکھتا ہو جیسے عام حالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اثبات دعویٰ کے لیے دو گواہوں کا نصاب مقرر فرمایا ہے۔ لیکن خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس ضابطہ سے مستثنیٰ

marfat.com

قرار دیا اور ان کی اکیلی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

قیاس کی ایک اور قسم ہے جس کو فقہاء استحسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

استحسان استحسان دراصل قیاس ہی کی ایک صورت ہے بعض صورتوں میں استحسان کسی باریک نکتہ پر مبنی ہوتا ہے بعض جگہ تعامل اور عرف پر بعض جگہ ضرورت اور مصلحت پر اور بعض جگہ رفع مشقت پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ معدوم چیز کی بیع و شراء باطل ہے اور اس کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اجارہ (کرایہ پر چیز دینا) کو جائز رکھا گیا ہے۔ حالانکہ اجارہ کے ذریعہ جن منافع کا عقد ہوتا ہے وہ بوقت عقد معدوم ہوتے ہیں لہذا قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہو لیکن چونکہ عہد رسالت اور صحابہ سے اس کا تعامل ثابت ہے اس لیے اجارہ کو استحساناً جائز رکھا گیا ہے۔

استصحاب یہ بھی قیاس کی ایک نوع ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی حکم کو اس کی اصل پر باقی رکھا جائے جب تک کہ کوئی مانع عارض نہ ہو مثلاً کسی عورت کا خاوند گم شدہ ہو تو اس کو اس وقت تک اس کی بیوی تصور کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خاوند کی موت کی خبر مصدقہ ذرائع سے یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے۔

تعامل مجتہد کسی دور کی عادات اور رسوم سے بھی استدلال کرتے ہیں اس کی شرائط یہ ہیں:۔

۱۔ جس عادت پر فیصلہ کیا جائے وہ ایسی معقول ہونی چاہیئے کہ طبائع سلیمہ کے نزدیک مقبول ہو۔

۲۔ ان عادات اور رسوم کا متکرر اور شائع ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اگر عرف کہیں بدل گیا ہو اور ایک عادت کے بعد دوسری عادت نے رواج حاصل کر لیا ہو تو عرف سابق کو دیکھا جائے گا یا اس عادت کا اعتبار کیا جائے گا جو اس وقت کے معاملہ سے مقارن ہے ما بعد کی

marfat.com

عادت کا اعتبار نہ ہو گا۔

۴۔ عرف کی رعایت اس وقت غیر ضروری ہو جائے گی جب کہ معاملہ میں کوئی شرط ایسی مان لی جائے جو اس کے منافی ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کو درزی سے کام لینا مقصود ہے تو آلات خیاطت یعنی مشین سوئی اور دھاگہ اور بٹن وغیرہ عرفاً اس کے ذمہ ہوں گے۔

اشباہ و نظائر فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا مبنی یا اصل یہ ہے کہ اشباہ و نظائر یا باہم متشابہ یا ملتے جلتے کاموں میں نفیاً اور اثباتاً ایک ہی طرح کا حکم دائر و سائر رہتا ہے یہ وہی اصول ہے جسے مقایسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث میں تو صرف اس قدر مذکور ہے کہ کسی بھائی کے معاملہ میں بیع و شراء کے پختہ ہو جانے یا رشتہ کی سلسلہ جنبانی کے اثناء میں دوسرے بھائی کو مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر فقہاء نے اجارہ (کسی چیز کو کرایہ پر دینا) کو بھی اسی پر قیاس فرمایا ہے کیونکہ جو فساد بیع میں مداخلت سے ہوتا ہے وہ اجارہ میں بھی ہے۔

طریق اجتہاد جب کوئی شخص یا ادارہ کسی مذہب کے اصول کے تابع ہو کر پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرے تو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ اپنے امام کے وضع کردہ اصول کا لحاظ کرے۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ پہلے کسی مسئلہ کا حل قرآن سے تلاش کرتے ہیں پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر آثار سے آثار صحابہ میں خلفاء راشدین اور عبادلہ اربعہ کی روایات کو دوسرے صحابہ کی روایات پر مقدم رکھتے ہیں اس کے بعد اجماع سے فیصلہ کرتے ہیں اور اس وقت تک قیاس سے کام نہیں لیتے جب تک کہ کسی مسئلہ پر حدیث ضعیف بھی نہ مل سکے۔

قرآن کریم سے مسائل کے استنباط کے لیے امام اعظم کا اصول یہ ہے کہ

۱۔ اگر قرآن کریم میں ایک حکم ایک جگہ مطلق بیان کیا گیا ہے اور دوسری جگہ

marfat.com

مقید تو وہ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرتے بلکہ مطلق اپنے محل پر رکھتے ہیں اور مقید کو اپنے محل پر۔

۲۔ قرآن کریم میں جو حکم اطلاق اور عموم سے وارد ہوا ہو وہ اس کو خبر واحد یا قیاس سے مقید کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

۳۔ خبر مشہور سے قرآن کریم کے عموم پر زیادتی کو جائز رکھتے ہیں۔

۴۔ نکرہ حیز نفی میں ہو تو اس کو عموم اور اگر اثبات میں ہو تو خصوص پر محمول کرتے ہیں۔

۵۔ قران فی الذکر کو قران فی الحکم کے لیے مستلزم نہیں مانتے۔

۶۔ اگر کسی اسم پر کوئی خاص حکم لگایا جائے تو اس خصوصیت کو باقی افراد کی نفی کے لیے مستلزم نہیں مانتے۔

۷۔ جب کوئی حکم کسی وصف خاص یا شرط خاص کے ساتھ مقید ہو تو اس وصف یا شرط کی نفی سے حکم کو منتفی نہیں سمجھتے۔

۸۔ جب کسی شخص کے حق میں کوئی حکم عام بطور جزاء کے واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

۹۔ جب مدح اور ذم کے ساتھ کسی جماعت کو موصوف کیا جائے تو وہ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔

۱۰۔ کسی شئے کا امر اس کی ضد کی کراہت کو مستلزم ہے اور نہی سنت کو۔

۱۱۔ امر میں حقیقت وجوب ہے البتہ قرائن سے ندب یا اباحت کے لیے بھی آسکتا ہے۔

احادیث و آثار سے استدلال کرنے کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ ذیل اصول ہیں:۔

۱۔ امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ سے

marfat.com

اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

۲۔ معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابو حنیفہ یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔

۳۔ جو حدیث عقل کے قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے مسلم اصول کی مخالفت لازم آتی ہو) وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔

۴۔ جو خبر واحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

۵۔ اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہو گی۔

۶۔ جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم مبیح پر محرم کو ترجیح دیتے ہیں۔

۷۔ ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

۸۔ اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کو مقدم رکھتے ہیں۔

۹۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول و فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے۔

۱۰۔ خبر واحد سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو اس صورت میں آثار صحابہ پر عمل ہو گا اور حضور کا وہ قول یا فعل نسخ پر محمول ہو گا۔

۱۱۔ ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔

۱۲۔ اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلت وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرت تفقہ سے تو کثرت تفقہ کو

marfat.com

قلت وسائط پر ترجیح ہوگی۔

۱۳۔ جو حدیث حد یا کفارے کے بیان میں وارد ہو اور دہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو مقبول نہیں ہوگی۔

۱۴۔ کسی ایک مسئلہ میں حضور کے متعدد افعال مروی ہوں تو ان میں منشا رسالت تلاش کرکے تطبیق دی جائے گی ورنہ دلائل سے آخری فعل متعین کرکے باقی کو منسوخ سمجھا جائے گا۔

---

marfat.com

بلا سود معیشت

سود کو عربی میں ربوٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ربوٰ کی دو قسمیں ہیں ربو النسیئۃ اور ربوا الفضل۔ ربو النسیئۃ کو ربوا القرآن اور ربو الفضل کو ربوا الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ ربو النسیئۃ کی حرمت قطعی ہے اس کو حرمت اعتقادی بھی کہا جا سکتا ہے اور ربو الفضل کی حرمت ظنی ہے اس کو حرمت عملی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

ربو النسیئۃ زمانہ جاہلیت میں دو قسم کے سود رائج تھے سود مفرد اور سود مرکب قرآن کریم نے سود کی ان دونوں قسموں کو حرام کر دیا۔

سود مفرد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو ایک مدت معینہ کے لیے معین رقم قرض دے اور مدت پوری ہونے کے بعد اس سے ایک معین رقم بطور سود اصل رقم کے علاوہ وصول کرے۔ مثلاً زید ایک شخص کو ایک ہزار روپیہ ایک سال کے لیے ادھار دیتا ہے۔ اور یہ شرط لگا دیتا ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد وہ اس سے ایک ہزار کے علاوہ ایک سو روپیہ وصول کرے گا یہ ایک سو روپیہ سود قرار پائے گا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کے ربا کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص المتوفی ۳۷۰ ہجری فرماتے ہیں۔

والربا الذی کانت العرب تعرفہ و تفعلہ انما کان قرض الدراہم والدنانیر الی اجل بزیادۃ

سود کی وہ شکل جس کو عرب جانتے اور اس پر عمل کرتے تھے وہ یہ تھی کہ درہموں اور دیناروں کو ایک معین مدت کے لیے کسی کو

marfat.com

علی المقدار بما استقرض علی ما یتراضون بہ۔ احکام القرآن جلد۱ صہ ۴۶۵

قرض پر دیا جائے اور مدت پوری ہونے کے بعد اصل رقم پر باہمی رضامندی سے ایک زیادتی بھی وصول کی جائے۔

سود کی دوسری شکل جس کا اس دور میں رواج تھا وہ سود مرکب تھا۔ یعنی ایک شخص کسی دوسرے شخص کو ایک معین مدت کے لیے ایک رقم قرض دے اور ماہ بماہ اس سے ایک معین رقم وصول کرتا رہے اور مدت پوری ہونے کے بعد اصل رقم کا مطالبہ کرے اور اگر وہ مدت پوری ہونے کے بعد اصل رقم ادا نہ کر سکے تو شرح سود میں اضافہ کر دیا جائے مثلاً زید ایک شخص کو ایک سال کے لیے ایک ہزار روپیہ قرض دیتا ہے اور ہر ماہ بطور سود کے دس روپیہ وصول کرتا ہے۔ سال کے بعد اس کو اگر مدیون ہزار روپیہ نہ دے سکا تو وہ شرح سود میں اضافہ کر کے بیس روپیہ ماہانہ کر دے گا۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ ربا الجاہلیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

واما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیۃ وذالک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرا معینا ویکون راس المال باقیا ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون براس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فھذا ھو الربا الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون

ربو النسیئۃ وہ چیز ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور متداول تھی اہل عرب کسی شخص کو ایک معین مال اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ہر ماہ ایک معین رقم ادا کرے گا اور جب مدت پوری ہو جاتی تو وہ اس سے اصل رقم کا مطالبہ کرتے اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو شرح سود میں زیادتی اور مدت ادائیگی میں توسیع کر دیتے۔

(مفاتح الغیب المعروف تفسیر کبیر جلد ۲ صہ ۳۵۱)

قرآن کریم نے سود کی ان دونوں قسموں کو حرام فرما دیا قسم اول کے بارے میں فرمایا۔

marfat.com

يا يها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا ان كنتم مؤمنين (البقرة ۲۷۸)

اے ایمان اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور سود کی باقی ماندہ رقم چھوڑ دو اگر تم واقعی ایماندار ہو۔

اور سود کی دوسری قسم کے بارے میں فرمایا :۔

يا يها الذين آمنوا لا تاكلوا الربوا اضعافا مضاعفة (آل عمران: ۱۳۰)

اے ایمان والو سود کو دوہرا چوہرا کرکے نہ کھاؤ۔

ربوا الفضل

سود کی دوسری قسم ربا الفضل ہے اس کو ربا الحدیث سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کی اپنی جنس سے بیع میں تفاضل اور زیادتی کو حرام فرمادیا چنانچہ امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں :۔

عن عبادة بن الصامت، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض گندم کو گندم کے، جَو کو جَو کے کھجور کو کھجور کے اور نمک کو نمک کے عوض فروخت کرو دست بدست اور برابر سرابر اور جب یہ اقسام آپس میں مختلف ہوں تو جس طرح چاہے فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست بیع ہو۔

چونکہ اس حدیث میں صرف چھ ہم جنس چیزوں کو دست بدست زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے ائمہ مجتہدین نے غور کیا کہ ان چھ چیزوں میں وہ کونسی چیز علت مشترکہ ہے جس کی وجہ سے حرمت کے اس حکم کو دوسری ہم جنس اشیاء میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے پر لاگو کیا جاسکے پس امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پیمائش اور وزن کو اور امام شافعی

marfat.com

نے طعم (یعنی کھانے پینے والی اشیاء) اور نقدیت کو اور امام مالک نے لائق غذائیت اور قابل ذخیرہ اشیاء کو علت مشترکہ قرار دیا اور امام احمد کے نزدیک صرف پیمائش اور وزن حرمت کی علت ہے۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ (بدایۃ المجتہد لابن راشد المتوفی ۵۹۵ھ جلد ۲ ص ۹۷ اور تفسیر کبیر للرازی جلد ۲ ص ۳۵۲، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ للعبد الرحمٰن جزری جلد ۲ ص ۲۴۹)

اس جگہ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب علت حرمت میں اختلاف ہوا تو ایک چیز میں زیادتی ایک امام کے نزدیک حرام ہوگی اور دوسرے کے نزدیک حلال حالانکہ حرام کو حلال کرنا کفر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن چھ ہم جنس چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نص فرمادی ہے ان کو زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا تو سب کے نزدیک حرام ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ان کے علاوہ باقی جن چیزوں کی حرمت مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہے وہ حرمت ظنی اور حرمت عملی ہے۔ اس کی نظیر ایسے ہی ہے جیسے مسح کی کیونکہ نفس مسح جو قرآن کریم سے ثابت ہے فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار جو مجتہدین کے اجتہاد کرنے سے متعین ہوئی مختلف ہے۔ اس کو فرض عملی اور فرض ظنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حرام قطعی کو حلال کرنا کفر اور بدعقیدگی ہے نہ کہ حرام ظنی کو، کیونکہ اس کی حرمت مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہوتی ہے۔

دراصل ربوا الفضل کی حرمت ایک انسدادی نوعیت کا حکم ہے۔ چونکہ عرب میں عام رواج تھا کہ وہ ہم جنس اشیاء کا دست بدست تبادلہ کرتے تھے اور اس میں کمی بیشی کو جائز رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بندی کے طور پر ہم جنس اشیاء میں تفاضل اور قرض کو بھی حرام فرمادیا تاکہ یہ معاملہ کہیں ربا النسیئۃ کی طرف متعدی نہ ہوجائے جو حرام قطعی ہے اس کی تاکید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ "کنز العمال" کی روایت میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی وارد ہیں۔ فانی اخاف علیکم الربا مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں اس

marfat.com

دست بدست زیادتی سے تم سود کی لعنت میں نہ گرفتار ہو جاؤ اور اس کی مزید تاکید امام بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو وہ حضرت اسامہ سے روایت کرتے ہیں۔

اخبرنی اسامۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لی لاربی الا فی النسیئۃ (صحیح بخاری جلد ا ص ۲۹)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت اسامہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود نہیں ہے مگر ادھار میں۔

اس حدیث کا صحیح محمل یہی ہے کہ جو ربوا حرام قطعی ہے اور جس پر عذاب کی وعید شدید ہے وہ ربا النسیئۃ ہے جس کو ربا القرآن کہتے ہیں اور ربوا الفضل جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے اس کی حرمت ظنی اور انسدادی نوعیت کی ہے۔

ربوا الفضل کے احکام

احناف نے ہم جنس اشیاء میں حرمت کی علت پیمائش اور وزن کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں دو چیزوں میں مماثلت صورت اور معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور مقدار (پیمائش یا وزن) سے معیار میں مساوات حاصل ہوتی ہے یہ صوری مماثلت ہے اور اتحاد جنس سے معنوی مشاکلت حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اتحاد جنس سے معنوی مماثلت حاصل ہوئی۔ نیز اس کی تائید مزید میں وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ بعض روایات میں گندم وغیرہ کے ساتھ کیلا بکیل وارد ہے اور سونے چاندی کے ساتھ وزن بوزن وارد ہے اور یہ نص ہے اس بات پر کہ علت مشترکہ پیمائش اور وزن یعنی مقدار ہے۔ (ہدایہ جلد ۳ ص ۲۰۹،۸)

امام مسلم اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

لاتبیعوا الذھب بالذھب ولا الورق بالورق الا وزنا بوزن مثلا بمثل سواء بسواء (مسلم جلد ۲ ص ۲۶)

سونے کو سونے کے ساتھ اور چاندی کو چاندی کے ساتھ مت فروخت کرو مگر برابر وزن کے ساتھ۔

اس حدیث میں اتحاد جنس کے ساتھ وزن کی تصریح کر دی گئی ہے۔

marfat.com

اور اتحاد جنس کے ساتھ کیل کی تصریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں :

عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلح صاع تمر بصاعین	حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صاع کھجور کی بیع دو صاع کھجور کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۶۳)	

علامہ برہان الدین فرماتے ہیں جب چیزیں نہ ہم جنس ہوں اور نہ وزنی اور نہ ماپ والی ہوں تو بیع میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں اور دو چیزوں میں قدر اور جنس متحد ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جب ایک وصف ہو اور دوسرا نہ ہو تو بیع میں زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام ہے مثلاً جب دو عددی چیزیں ہوں یعنی وصف، قدر اور اتحاد جنس نہ ہو تو بیع میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انڈا دو انڈوں کے عوض دست بدست، بیچا جا سکتا ہے اور ادھار نہیں اسی طرح اگر دو ہم جنس چیزیں نہ ہوں اور مقدار ہونے میں متحد ہوں تو زیادتی جائز ہے اور ادھار منع ہے۔ مثلاً صاع گندم کے عوض دو صاع جو دست بدست فروخت کئے جا سکتے ہیں اور ادھار نہیں۔

(ہدایہ جلد ۳ ص ۶۹، مع توضیح)

سود پر عذاب کی وعید

قرآن کریم میں جس شدت کے ساتھ سود لینے پر وعید کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی اور معصیت کے ارتکاب پر نہیں ملتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

یا یھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اگر تم سچے مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کر لو۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے :

marfat.com

فمن جاءہٗ موعظۃ من ربہٖ فانتھٰی فلہ ماسلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔ (البقرہ: ۲۷۵)

جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی اور وہ سودی کاروبار سے رک گیا تو اس کے گذشتہ معاملات معاف ہوں گے اور اس کا حساب اللہ کی طرف مفوض ہے اور جس شخص نے پھر دوبارہ سودی کاروبار کیا وہ جہنمیوں میں سے ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۔

اس آیت کا تعلق اس دور سے ہے جب احکام بتدریج نازل ہو رہے تھے اس صورت میں پچھلا سود معاف ہونے کا حکم نازل ہوا تھا ۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص سودی کاروبار چھوڑ دے تو اس کا پچھلا گناہ معاف ہو ایسے شخص پر توبہ لازم ہے اور توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے توبہ قبول کرے یا نہ کرے تاہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتا ہے ۔

بینکنگ کا نظام

اس عنوان کے تحت ہم موجودہ بینکاری کے نظام کا تازہ ترین (UPTO DATE) اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں ۔ اس خاکہ میں ہم وہ شرح سود بیان کریں گے جو بینک نے رقم جمع کرانیوالوں کے لیئے مقرر کی ہے اور وہ شرح سود بھی بیان کریں گے جو بینک قرض حاصل کرنے والوں کے لیئے مقرر کرتا ہے اور اس کے بعد ان وجوہ کی نشاندہی کریں گے جن سے بینک اور سرمایہ دار مل کر عوام اور صارفین کا استحصال کرتے ہیں ۔

بینک میں رقم جمع کرانیوالوں کیلئے شرح سود

(۱) CARRENT ACCOUNT چلنت کھاتے ، جس کھاتے میں ۵۰۰ روپے سے کم عمومی بیلنس رہتا ہے اس کھاتے کے اخراجات وضع کرنے کے لیے بینک چھ ماہ بعد پانچ روپے کھاتے سے کاٹ لیتا ہے لیکن یہ بینک آفیسر کی صواب دید پر موقوف ہے ۔ ۵۰۰ روپے یا اس سے زیادہ رقم ہو تو بینک نہ اپنا خرچ وصول کرتا ہے نہ سود فراہم کرتا ہے ۔

marfat.com

۲- سپیشل نوٹس اکاؤنٹ (SPECIAL NOTIC ACCOUNT-A)

الف : خاص ہدایت کے کھاتے جن سے سات دن سے انتیس دن تک رقم نکلوائی جاسکتی ہے اس پر سود کی شرح ½۵ فی صد ہے۔

۳- سپیشل اکاؤنٹ (ب) ایسے خاص کھاتے جن سے رقم تیس دن یا زائد مدت کے نوٹس پر نکلوائی جاسکتی ہے اس کی شرح سود ½۶ فی صد ہے۔

۴- سیونگ بینک اکاؤنٹ (الف) (SEVING BANK DEPOSITS-A)

اس میں چیک کاٹنے کی سہولت حاصل ہے لیکن ۱۵ ہزار روپے سے زیادہ کا چیک نہیں کاٹ سکتا۔ نیز دس دن کے دوران دو چیک نہیں کاٹے جاسکتے۔ اس کی شرح سود ½۷ فی صد ہے۔ لیکن اگر رقم ایک لاکھ سے زیادہ ہو جائے تو زائد رقم جتنی بھی ہو اس پر بینک سود ادا نہیں کرے گا۔

۵- سیونگ اکاؤنٹ (ب) SEVING BANK DEPOSITS-B)

اس کھاتے میں بینک چیک بک فراہم نہیں کرتا۔ اس کھاتہ کی شرح سود ½۸ فی صد ہے۔

۶- فکسڈ ڈیپازٹ (الف) FIXED DEPESIT-A) تین ماہ سے چھ ماہ تک (یعنی اس عرصہ میں رقم نہیں نکلوائی جاسکتی) اس کی شرح سود ۹ فیصد ہے۔

۷- فکسڈ ڈیپازٹ (ب) FIXED DEPOSIT-B) چھ ماہ سے ایک سال تک شرح سود ½۹ فی صد

۸- فکسڈ ڈیپازٹ (C) ایک سال سے دو سال تک شرح سود ½۱۰ فیصد

۹- 〃 (D) دو سال سے تین سال تک شرح سود ۱۱ فیصد

۱۰- 〃 (E) تین سال سے چار سال تک شرح سود ¼۱۱ 〃

۱۱- 〃 (F) چار سال سے پانچ سال تک شرح سود ¼۱۲ 〃

۱۲- 〃 (G) پانچ سال اور اس سے زائد عرصہ کے لئے ¾۱۲ 〃

۱۳- سود مرکب CUMULATIVE DEPOSITS CERTIFICATE)

marfat.com

اکاؤنٹ اس رقم کا کھاتہ دار بنک سے سرٹیفکیٹ خریدتا ہے۔ مثلاً سو روپیہ کا سرٹیفکیٹ لیا تو پہلے سال اس پر سود مفرد لگے گا۔ پھر اصل مع سود پر سود لگے گا۔ اس طرح یہ سو روپیہ کی رقم چھ سال میں ۲۰۹۔۸۳ روپے ہو جائے گی اور اگر دس سال بعد وہ رقم نکلواتا ہے تو ۳۴۴۔۱۸ روپے ہو جائے گی، پندرہ سال بعد ۴۲۳۸۵۴ روپے ہو جائے گی اور بیس سال بعد وہ رقم ۱۱۸۴۔۶۲ روپے ہو جائے گی۔

بینک جو رقم قرض دیتا ہے اس پر شرح سود

۱- (TEMPORARY OVERDRAFT عارضی قرضہ)
بینک کا منیجر اپنی صوابدید سے چند یوم کے لیے قرض جاری کرتا ہے اور اس پر ۱۴ فیصد سود لیا جاتا ہے۔

۲- (PERMANENT OVERDRAFT) مستقل قرضہ الف) فکسڈ ڈپازٹ کو گروی (PLEDGE) رکھ کر اسی کی اصل رقم کا ۶۰ فی صد قرضہ دیا جا سکتا ہے اس صورت میں بینک ۱۲ فیصد سود وصول کرے گا۔

۳- (LETTER OF LIEN مستقل قرضہ ب) سیونگ اکاؤنٹ کی بنیاد پر اصل رقم کا ۶۰ فیصد قرض دیا جا سکتا ہے اس صورت میں بینک ۱۳ فیصد سود وصول کرے گا۔

۴- (S.O.D) SECURAD OVERDRAFT) خام اشیاء اور مختلف اجناس کے مال کو گروی رکھ کر قرض حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس قدر مال گروی رکھا جاتا ہے اس کی قیمت کا بازاری نرخ MARKET VALUE سے تعین کر کے اس کے ستر فی صد رقم تک قرض دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر ۱۴ فیصد سود وصول کیا جاتا ہے گروی رکھنے کی صورت یہ ہے کہ بنک اپنے گودام میں یا کرایہ پر گودام حاصل کر کے سامان رکھ کر تالا لگاتا ہے اور چوکیدار بٹھا دیتا ہے اور مال کو انشورنس کراتا ہے۔ گودام کا کرایہ چوکیدار کی تنخواہ اور انشورنس کا خرچ سب بذمہ مقروض ہوتا ہے۔

۵- (SMALL LOAN SCHEME) معمولی نوعیت کے کاروباری قرضے)

marfat.com

کاروباری مقاصد کے لیے مکان یا زمین گروی رکھ کر کاروبار کے لیے قرض دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ جس جنس کے ساتھ کاروبار ہو رہا ہے اس کا سٹاک قرض کی رقم سے دُگنا ہو اس سٹاک کو انشورنس کیا جاتا ہے۔ بنک کا ایک افسر ہر پندرہ دن بعد سٹاک (STOCK) کا جائزہ لیتا ہے۔ جس جائیداد پر قرض حاصل کیا جاتا ہے وہ بنک کے نام عدالت میں گروی ہوتی ہے اور جائیداد کی مالیت کا اندازہ گورنمنٹ کی طرف سے سند یافتہ ماہر (VALVATOR) لگاتا ہے اور وہ اپنا سرٹیفکیٹ بنک کو مہیا کرتا ہے اور ان تمام معاملات کے جملہ اخراجات بذمہ مقروض ہوتے ہیں ان کے علاوہ بنک قرض پر ۱۴ فیصد سود وصول کرتا ہے۔

۶۔ (INDUSTRIAL LOAN) صنعتی قرضہ) صنعت کاروں کو بھی بینک مندرجہ بالا شرائط کے تحت قرض دیتا ہے لیکن صنعت کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے سود ۱۲ فی صد وصول کرتا ہے۔

۷۔ (AGRICUETURE LOAN) زراعتی قرضے) تحصیلدار زمین کی مالیت کی کتاب کسان کو دیتا ہے اور کسان وہ کتاب بنک میں گروی رکھ کر اس کی مالیت کے کم و بیش ۶۰ فیصد پر ٹریکٹر وغیرہ کی خریداری کیلئے قرض لیتا ہے اور بنک ۱۴ فیصد سود وصول کرتا ہے۔

۸۔ (FORIGN EXCHANGE) درآمد برآمد کے لیے بنک کا کام) اگر کسی کاروباری شخص نے ایک لاکھ کا مال باہر سے منگوانے کے لیے گورنمنٹ سے درآمد کا لائسنس (IMPORT LICENCE) لیا تو وہ لائسنس اور رقم کا ۴۰ فیصد حصہ بنک میں جمع کر کے (L.C) LETTER OF CREDIT کھول لیتا ہے اب مال منگوانے کی ذمہ داری بنک پر ہوگی اور دوسرے ملک سے مال کی روانگی سے پہلے بنک اس ملک کے بنک میں مکمل ادائیگی کر دے گا اور جس تاریخ کو بنک رقم ادا کرے گا۔ اس تاریخ سے مال منگوانے والا بنک کا مقروض ہو گا جس دن مال پہنچے گا بنک مقروض کو اطلاع دے گا اور مال چھڑانے تک کے عرصہ پر

marfat.com

اپنی رقم کا ۴ فی صد سود وصول کرے گا۔ نیز اس سال میں ہر دو بنک کے اخراجات کا کمیشن کسٹم ڈیوٹی سے مال واگذار کرانے کے اخراجات اور جتنا عرصہ مال گودام میں رہے گا اس کے سب اخراجات بذمہ مقروض ہوں گے۔

نوٹ:۔ بنیک جس قدر قرضہ جاری کرتا ہے مقروض سے بونڈ لکھا لینا ہے کہ وہ جس وقت چاہے اپنا قرض مقروض یا اس کے ورثا سے وصول کر سکتا ہے۔

قومی معیشت کے استحصال میں بنک کا کردار

آڑھتی حضرات اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر بینک سے قرض حاصل کر کے سینکڑوں ٹن غلہ اور کپاس خرید کر بینک کے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں اسی طرح صنعتی ادارے اپنی مصنوعات کی تیاری (PRODUCTION) کیلئے بنیک سے قرض حاصل کر کے اس کو بنک کے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں اور جب بازار میں اجناس اور مصنوعات کی قلت ہوتی ہے تو صنعت کار اور آڑھتی حضرات گوداموں سے مال نکال کر کھلے بازار میں لاتے ہیں لیکن اس عرصہ میں ان پر جو چودہ (۱۴) فیصد گودام کا کرایہ اور اس سے متعلقہ اخراجات اور انشورنس کا خرچہ لاگو ہوتا ہے اپنے منافع سمیت وہ سب اس جنس کی قیمت پر ڈال دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ۵ روپے والی لاگت کی چیز ۵ ، روپیہ میں بھی بمشکل دستیاب ہوتی ہے اور اس پانچ گنا زیادہ خرچ کا بار نہ بنک پر پڑتا ہے نہ آڑھتی یا صنعت کار پر اس تمام زائد خرچ کا بار عوام اور صارفین پر پڑتا ہے اور سرمایہ دار بینک کے قرض کے سہارے ایک کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگاتا ہے اور بینک اس سے سود در سود وصول کر کے ساڑھے چار سال میں اپنے قرض کی رقم دُگنی کر لیتا ہے اور دولت سمٹ کر چند بڑے بڑے صنعت کاروں اور بینکوں میں جمع ہوتی چلی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ پچھلے بیس سال کے عرصہ میں بنکوں کی شاخوں کی تعداد سو سے بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح صنعت کاروں اور بڑے بڑے آڑھتیوں کے کاروبار بھی بڑھتے جا رہے ہیں اور یہ تمام سرمایہ عوام اور صارفین کی جیبوں سے

marfat.com

کھنچ کھنچ کر بنک اور سرمایہ داروں کے پاس پہنچ رہا ہے اور ایک طبقہ امیر تر اور دوسرا غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف سود کی لعنت ہے یہ سود ہی کی لعنت ہے جو عوام کے جسم سے آہستہ آہستہ خون نچوڑ کر سرمایہ داری کو پروان چڑھا رہی ہے۔

بینک سے سود لینے کا حکم بینک قرض پر جو سود ادا کرتا ہے وہ ربا النسیئۃ کی تعریف میں آتا ہے اور ربا النسیئۃ حرام قطعی ہے جس طرح خنزیر اور مردار کا کھانا حرام ہے اسی طرح سود کی رقم لیکر کھانا حرام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سود کی رقم لیکر کسی غریب کو دے دی جائے یہ تجویز دو وجہ سے باطل ہے اول تو جب اس نے سود لے لیا تو اس نے حرام قطعی کا ارتکاب کیا اور اگر اس کو حلال سمجھ کر لیا تو فقہا کی تصریح کے مطابق کافر ہو گیا کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور اگر حرام سمجھ کر لیا تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور جب بالقصد یہ سود کی رقم کسی غریب شخص کو دی تو از روئے حدیث لعن اللّٰہ علی اکل الربا و موکلہ "سود کے کھانے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت ہے" یہ سود کی رقم کھلانے والا لعنت کا مستحق قرار پایا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں:۔

فی شرح الوھبانیۃ عن البزازیۃ انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی

شرح وہبانیہ لے بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص حرام قطعی سے مال صدقہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(در مختار علیٰ ھامش الرد المحتار ج۲ ص۳۵)

اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں:۔

رجل دفع الیٰ فقیر من مال الحرام شیئاً یرجو بہ الثواب یکفر ولو علم الفقیر بذالک فدعا لہ و امن المعطی کفر اجمیعاً (رد المحتار جلد ۲ ص۳۵)

کسی شخص نے اس مال سے صدقہ کیا جو حرام قطعی ہے اور ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر فقیر کو مال کی حرمت کا علم ہو گیا اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور اس نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو گئے۔

marfat.com

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا بالقصد مال حرام کو حلال سمجھ کر دینا کفر ہے اور حرام سمجھ کر لینا گناہ کبیرہ ہے اور بالقصد لے کر اس کو کسی شخص کو کھلانا گناہ کبیرہ بھی ہے اور لعنت کا مصداق بھی۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے شامت اعمال سے سود لے لیا ہے اور اب وہ اس فعل پر نادم اور تائب ہے اور اس کا مداوا کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے اس کا حل فقہائے یہ بتایا ہے کہ وہ سود کی رقم مقروض کو واپس کردے اور اگر ایسا نہ ہوسکتا ہو تو مقروض کی طرف سے صدقہ کی نیت کرکے وہ رقم کسی غریب شخص کو دے دے۔ تاکہ وہ اپنے ذمہ سے سبکدوش ہوجائے۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں :۔

والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم والا فان علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ۔ (ردالمحتار جلد ۴ صہ ۱۸۰)	خلاصہ یہ ہے کہ جس کے پاس مال حرام ہو اگر وہ اس مال کے مالک کو جانتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ مال اس کے مالک کو دیدے اور اگر مالک کا علم نہ ہو تو یہ مال اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ وہ اصل مالک کی طرف سے

نیت کرکے وہ مال کسی غریب آدمی کو بطور صدقہ دے دے۔

مودودی صاحب ربا النسیئۃ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ربٰو دراصل اس زائد رقم یا فائدے کو کہتے ہیں جو قرض کے معاملہ میں ایک دائن راس المال کے علاوہ شرط کے طور اپنے مدیون سے وصول کرتا ہے اصطلاح شرع میں اس کو ربا النسیئۃ کہا جاتا ہے یعنی وہ ربا جو قرض کے معاملہ میں لیا اور دیا جائے قرآن مجید میں اسی کو حرام کہا گیا ہے اس کی حرمت پر تمام امت کا اتفاق ہے اس میں کبھی کسی شک و شبہ نے راہ نہیں پائی۔ (سود اشاعت ہشتم ۷۵، ۱۹ء صہ ۱۴۳)

مودودی صاحب نے یہ بات بالکل ٹھیک کہی ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل اور مودودی صاحب کے اقتباس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ بینک سے جائز سمجھ کر بالقصد

marfat.com

سود لینا کفر ہے اور حرام سمجھ کر کسی غریب کو دینے کے لیے بینک سے سود لینا گناہ کبیرہ اور لعنت کا مصداق ہے لیکن ہمیں سخت حیرت ہوئی جب مودودی صاحب نے بینک کے اسی سود کے بارے میں یہ لکھا کہ :-

بینک یا انشورنش کمپنی یا پراویڈنٹ فنڈ سے سود کی جو رقم ان کے حساب میں نکلتی ہو اس کو سرمایہ داروں کے پاس چھوڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان مفسدین کے لیے مزید تقویت کی موجب ہوگی۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس رقم کو لے کر ان مفلس لوگوں پر خرچ کر دیا جائے جن کی حالت قریب قریب وہی ہے جس میں حرام کھانا انسان کے لیے جائز ہو جاتا ہے۔

اس عبارت پر حاشیہ دے کر مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

اس تجویز کو میں اس لیے بھی صحیح سمجھتا ہوں کہ حقیقت میں سود غریبوں کی جیب ہی سے آتا ہے۔ حکومت کا خزانہ ہو یا بنک، یا انشورنس کمپنی سب کے سود کا اصل منبع غریب کی جیب ہی ہے۔ (سود اشاعت ہشتم جون ۱۹۷۵ء ص ۲۰۴)

مودودی صاحب کا فقہی اجتہاد مندرجہ ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

۱۔ بنک اور پراویڈنٹ فنڈ پر جو سود ملتا ہے وہ ربا النسیئۃ ہے جو نص قرآن سے حرام قطعی ہے اس کا لینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس عبارت میں اس کار حرام اور گناہ کبیرہ پر تحریص اور ترغیب دلائی گئی ہے جو بجائے خود گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک سود کی رقم بنک میں چھوڑنا جائز نہیں ہے اور جس کام کا ترک ناجائز ہو اس کا فعل واجب ہوتا ہے اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق حرام قطعی کو حلال کرنا کفر ہے اور اس حرام قطعی کو واجب قرار دینا گویا کفر کو واجب کرنا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنے اجتہاد سے کفریہ کام کرنے کو واجب قرار دے دیا ہے۔

۳۔ اس عبارت میں بالقصد سود لے کر غریبوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے اور

marfat.com

یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان صریح لعن اللہ علیٰ اکل الربا وموکلہ (سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت ہے۔) سے متصادم ہے۔

۴۔ مودودی صاحب نے کہا ہے کہ جن لوگوں کو سود کی یہ رقم کھلائی جائیگی ان کی حالت قریب قریب وہی ہے جس میں حرام کھانا انسان کے لیے جائز ہوجاتا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ خیال واقعات اور حقائق کے بالکل برعکس ہے۔ پاکستان میں اَلحمدُ لِلّٰہ ابھی تک بدحالی اور قحط سالی کا ایسا دور نہیں آیا (اور نہ خدا وہ دن لائے) جس میں ملک کے عوام اضطرار کی صورت میں مُردار اور خنزیر جیسی حرام اشیاء کھانے پر مجبور ہوجائیں۔ اگر آپ پاکستان کی غریب آبادی کا سروے (SURVEY) کریں تو آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو اضطرار کی حالت میں مُردار یا خنزیر کھانے پر آمادہ ہو حتیٰ کہ اس کو سود جیسی حرام رقم کا مستحق سمجھ لیا جائے

۵۔ اگر بالفرض کوئی ایسا مضطر اور مجبور شخص ہو بھی تو اس کے لیے حرام کھانا گناہ نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص بنک سے سود لے رہا ہو وہ تو مضطر اور مجبور نہیں ہے اسے کسی بنیاد پر یہ جواز حاصل ہوگیا کہ وہ سود جیسی حرام قطعی رقم کو حاصل کرے۔

۶۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ حرام خود نہیں کھاتا غریب کو کھلائے گا تو میں یہ کہتا ہوں کہ جس شخص کا بنک میں کھاتہ ہے (ACCOUNT) کیا وہ بھی ایسا مضطر ہے کہ کسی غریب کو وہ مال حلال سے صدقہ نہ کر سکے آخر جب وہ کسی غریب کو بکرے اور گائے کا حلال گوشت کھلانے کی وسعت رکھتا ہے تو وہ اُسے مُردار اور خنزیر کا گوشت کیوں کھلاتا ہے اور جب مالِ طیّب سے کسی غریب کی امداد کر سکتا ہے تو سود جیسی حرام رقم لے کر کیوں کسی غریب کے پیٹ کو حرام غذا سے پُر کرتا ہے۔

marfat.com

یہ کہنا کہ سود کی رقم اصل میں غریب کی جیب سے ہی جاتی ہے محض ایک بے بنیاد قیاس ہے اس پر کیا دلیل ہے کہ جس غریب کو سود کا مال کھلایا جارہا ہے سود کی یہ رقم اسی کی جیب سے گئی تھی یہ رقم سرمایہ دارانہ استحصال کی وجہ سے کسی بھی غریب اور متوسط طبقہ کے فرد کی ہو سکتی ہے اور اس بات کا کوئی یقین نہیں ہے کہ جس غربب کو سود کی یہ رقم دی جارہی ہے اسی کی جیب سے یہ رقم نکلی تھی بلکہ اس کے برعکس اس بات کا یقین ہے کہ یہ بینک کی رقم ہے جو کسی بھی استحصال کے ذریعہ اس بینک کو حاصل ہوئی اور جب یہ غیر کی رقم ہے تو غریب شخص پر کس طرح حلال ہوگئی کیا مودودی صاحب کے نزدیک غربت اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک غریب شخص کو علانیہ حرام کھلانے کا فتویٰ دے دیا جائے اور اگر بالفرض پاکستان کے غرباء کی واقعی یہی حالت ہے جس میں حرام کھانا جائز ہوجاتا ہے تو فقط سود پر کیوں اقتصار کیا جاتا ہے۔ صاف کھل کر کیوں نہیں کہا جاتا کہ مُردار اور خنزیر بھی تمہارے لیے جائز ہے بلکہ چوری اور ڈاکہ ڈالنا بھی تمہارے حق میں حلال و طیّب ہے

۸۔ پھر میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اس بے بنیاد قیاس میں اتنی طاقت ہے کہ قرآن کی نص قطعی احلّ اللہ البیع وحرم الربٰوا (اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کر دیا) اور حدیث صحیح لعن اللہ اٰکل الربوا وموکلہ، سود کھانے والا اور کھلانے والا دونوں لعنتی ہیں سے متصادم ہوسکے بلکہ اس پر غالب آسکے اگر مودودی صاحب اپنے اجتہاد کو قرآن اور حدیث کے صریح احکام سے بالا نہیں سمجھتے تو ان کو چاہیئے کہ اپنے اس غلط اجتہاد سے فوراً رجوع کرلیں اور اس عبارت کو اپنی کتاب سود سے نکال دیں۔[1]

---

[1] یہ مقالہ ۱۹۷۶ء میں لکھا گیا تھا اس وقت مودودی صاحب بقید حیات تھے۔

marfat.com

ہم نے دلائل کے ساتھ مودودی صاحب کی اس عبارت پر تعمیری تنقید کی ہے اور چونکہ موصوف خود آزادی رائے کے اظہار کے قائل ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے لے کر تمام صلحاء امت کے بعض افعال اور اقوال کو برملا غلط کہتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ کسی بزرگ کے غلط کام کو غلط کہنے سے اس کی بزرگی میں فرق نہیں آتا اس لیے ہم بھی سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب ہماری اس تنقید کا برا نہیں مانیں گے اور نہ ہی موصوف کے عقیدت مندوں کو اس تنقید پر برا منانا چاہیئے کیونکہ جب وہ شرح صدر اور اطمینان قلب سے بغیر تیوری پر شکن ڈالے انبیاء سے لے کر صحابہ اور صلحاء امت سب کے حق میں مودودی کی نکالی ہوئی غلطیاں سکون قلب سے سن لیتے ہیں تو ان کو اسی اسپرٹ (SPIRIT) سے مودودی صاحب پر تنقید بھی سننی چاہیئے آخر مودودی صاحب. انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور عام صلحاء امت سے بلند و بالا مرتبہ تو نہیں رکھتے اور اگر اس وضاحت کے باوجود کوئی شخص ہماری اس تنقید پر برا منائے تو ہمیں یہ سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ اس کی مودودی صاحب سے عقیدت غلو سے بھی آگے بڑھ کر پرستش کی حد میں داخل ہو چکی ہے۔ العیاذ باللہ۔

سود پر غضب الٰہی

قرآن پاک میں ارشاد ہے :-

یاایها الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مومنین ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (البقرۃ : ۲۷۸، ۲۷۹)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

یہ ایسی سخت اور شدید وعید ہے جو کسی بے دین مشرک ہی کو دی جا سکتی ہے قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی سودی کاروبار پر سخت قسم کی وعید کا اظہار کیا گیا ہے۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :-

marfat.com

عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، سود کھلانے والوں، سودی معاملات لکھنے والوں اور سود پر گواہی دینے والوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ تمام لوگ گناہوں میں برابر کے شریک ہیں۔

اور امام ابو عبداللہ محمد ابن یزید بن ماجہ القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربا سبعون جزءًا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ

(سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سودی کاروبار کرنا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے ستر درجہ زیادہ بدتر گناہ ہے۔

سودی کاروبار پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اس قدر سخت وعیدوں کا ذکر کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ ملک میں کرنسی کی گردش رک جاتی ہے اور سود کی لعنت کی وجہ سے تمام ملک کی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ ملک کے عوام معمولی سے سود کے لالچ میں اپنی ضروریات روک کر جو بچت بنک میں حفاظت کی خاطر رکھواتے ہیں بینک اسی روپیہ کو صنعت کاروں اور تاجروں کو زیادہ شرح سود پر قرض دیتا ہے اور پھر یہ تاجر اور صنعت کار اس سود کو اپنی مصنوعات اور تجارتی اشیاء کی قیمتوں میں شامل کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں گرانی بڑھتی ہے اور عوام اپنے ہی سرمایہ سے بنائی ہوئی اشیاء کو مہنگے داموں سے خرید کر افلاس کے گہرے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح لاشعوری طور پر عوام اپنی رگ جان سے خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا خون نکال کر سرمایہ داری کو پروان چڑھاتے ہیں اور یوں سرمایہ داری کا نظام فروغ پاتا ہے۔ ایک طبقہ امیر تر اور دوسرا

marfat.com

طبقہ غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ غربت کا یہ مواد پک کر ایک پھوڑے کی شکل لفتیا کر لیتا ہے تو اس سے اشتراکیت پھوٹ پڑتی ہے۔

چنانچہ اس کی تائید میں امام ابن ماجہ کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما احد اکثر من الربوا الا کان عاقبۃ امرہ الی قلۃ

سنن ابن ماجہ ص ۱۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کی کثرت کا بالآخر انجام سرمایہ کی قلت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

یہ تو انفرادی اور شخصی طور پر سود کی تباہ کاری ہے آیئے اب قومی اور اجتماعی طور پر سود کی تباہ کاریوں کو ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اس وقت ہمارا ملک سات ارب ڈالر کا مقروض ہے اور ملک کے بجٹ کا کافی حصہ غیر ملکی سود کی رقم ادا کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اور اصل رقم سود در سود کی شکل میں بڑھتی رہتی ہے اور بھٹو کی حکومت نے جب اپنی کرنسی کی قیمت آدھی سے بھی زیادہ کم کر دی تو اصل رقم اور اس کا سود اپنے آپ دگنے سے بھی زیادہ ہو گیا پھر حکومت کو اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے عوام اور صارفین پر ٹیکسوں کی بھرمار کرنی پڑی ہے۔ جس کا نتیجہ اشیاء صرف کی قیمتوں میں دن بدن گرانی اور مہنگائی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور ملک کے عوام کی قوت خرید کم سے کم تر ہوتی چلی گئی، جس کا انجام سوائے سرمایہ کی قلت اور غربت میں اضافہ کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔

اس سلسلہ میں امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلا لاینزعہ حتی

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم حیلے بہانے سے سود لینا شروع کر دو گے اور زراعت میں متفرق ہو کر جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دو گے تو اللہ تعالےٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا

marfat.com

بترجعوا الیٰ دینکم۔ (سنن ابو داؤد ص ۴۹۰)

جس سے نجات کی اس کے سوا اور کوئی شکل نہیں ہوگی کہ تم اس نظام کی طرف لوٹ آؤ جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

غور فرمائیے جب حیلہ جوئی سے سود لینے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذلت کی وعید سنائی ہے تو جب ہم علی الاعلان سود کا لین دین کریں گے تو پھر کیوں نہ قہر خداوندی اور ذلت و رسوائی کے مستحق ہوں گے۔ غور کیجئے کہ آج جو مسلمان قوم تمام دنیا میں خوار و زبوں حال ہو رہی ہے اور صنعت و حرفت، اقتصادیات اور اپنی سرحدوں کے تحفظ اور سائنسی ترقی میں تمام اقوام سے پیچھے ہے اور بڑی طاقتوں کے رحم و کرم پر سسک سسک کر جی رہی ہے اور تمام دنیا میں سب سے پیچھے ہے کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں ہے کہ ہم اعلانیہ سودی کاروبار کرتے ہیں۔ اور اس طرح گویا ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف حکماً اعلان جنگ کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے سود کی شرعی حیثیت، اس کی تعریف، اس کی اقسام اور بینکنگ کا مروجہ نظام بیان کیا ہے اب ہم اختصاراً ان توجیہات کا جائزہ لیتے ہیں جن کو عقلی اعتبار سے سود کے جواز کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس ضمن میں ہم نجی ضروریات کے قرضوں اور کاروباری قرضوں دونوں پر بحث کریں گے۔

نجی ضروریات کے قرضے

کہا جاتا ہے کہ جب ایک شخص کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کو قرض دیتا ہے تو اولاً تو وہ اپنی رقم کو اس خطرہ میں ڈالتا ہے کہ ممکن ہے مقروض اس کو قرض واپس کر سکے یا نہ کر سکے۔ ثانیاً جب قرض دینے والا مقروض کو اپنی رقم سے فائدہ اٹھانے کا موقع بہم پہنچاتا ہے تو کیوں نہ قرض خواہ کو بھی اس رقم سے سود کی شکل میں فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ ثالثاً جب بعض اشیاء کو کرایہ پر دیا جاتا ہے تو کیوں نہ کرنسی کو بھی اس مد میں شامل کر لیا جائے۔ رابعاً جب قرض دینے والا اپنی ضرورتوں کو روک کر مقروض کو اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ مہیا کر کے ایثار و قربانی سے

marfat.com

کام لینا ہے تو کیوں نہ مقروض بھی اسی جذبہ سے کام لے کر اس کو سود کی شکل میں رقم فراہم کرے۔

اس سوال کے جواب میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ نجی قرضوں پر سود لینا قیام پاکستان سے پہلے مہاجنی سود میں مروج تھا اور اب پاکستان میں نجی ضروریات کے قرضوں پر سود کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں مل سکتی ہے۔ عام طور پر جن قرضوں پر سود لیا جاتا ہے وہ کاروباری نوعیت کے قرض ہوتے ہیں۔

دوسرے مرحلہ میں ہم کو نجی ضروریات کا بھی جائزہ لینا ہوگا ایک شخص مکان بنانے کے لیے قرض حاصل کرتا ہے سوال یہ ہے کہ جب اس کی استعداد حیثیت اور آمدنی مکان بنانے کے قابل نہیں ہے تو وہ مکان بنا کر کیوں قرض کے جنجال میں پھنستا ہے اس کو اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلا کر کرایہ کے مکان میں رہ کر گزارہ کرنا چاہیئے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ شادی بیاہ کی فضول رسومات کے لیے قرض حاصل کیا جائے یہ بھی ایک غلط اور ناروا ضرورت ہے۔ غریب اور نادار شخص کو اپنے جیسے لوگوں ہی میں سادگی سے شادی کرنی چاہیئے اور فضول رسومات میں روپیہ خرچ کرنے کے لئے قرض کی مصیبت نہیں مول لینی چاہیئے۔ قرض ایک ایسی تکلیف دہ چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا دس میں قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے چنانچہ امام ابو الفرج عبدالرحمان بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ فرماتے ہیں کہ حضور نے دعا مانگی :-

اللھم انی اعوذ بك من غلبۃ الدین — اے اللہ میں قرض کے غلبہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۵۵۰)

اس کے بعد اب رہ جاتے ہیں وہ قرض جو کسی بے روزگار یا تنگدست شخص کو اپنی معاش کے سلسلہ میں یا کسی بیمار کو اپنے علاج کے واسطے یا کسی طالب علم کو اپنی تعلیمی ضروریات کے لیے درپیش ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے قرضے یقیناً جائز قرضوں کی مد میں آتے ہیں اور ہم مسلم معاشرہ (۲۷ ا ۵ ۵) سے یہ توقع رکھتے ہیں

marfat.com

کہ وہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں، ہمسایوں اور عام جاننے والوں کو ایسی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قرضہ حسنہ فراہم کریں گے۔

اس کے باوجود بھی کوئی شخص اس قسم کے قرضوں پر سود لینے کے لیے مذکورہ بالا دلائل فراہم کرے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ :-

یہ صحیح ہے کہ قرض خواہ، مقروض کو قرض دے کر اپنی رقم کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ ماہ بماہ یا سال بہ سال سود وصول کرنے کے باوجود بھی یہ خطرہ باقی رہتا ہے کہ مقروض میں اتنی سکت ہی نہ رہے کہ وہ آئندہ اصل رقم کی واپسی تو کجا مقررہ سود بھی ادا کر سکے۔ اس لیے اس کا صحیح اسلامی حل یہ ہے کہ قرض دینے والا جتنی رقم کسی کو قرض دیتا ہے اتنی مالیت کی کوئی چیز مقروض سے لے اور رہن رکھ لے۔ رہا یہ سوال کہ مقروض کو جب قرض خواہ کی رقم سے فائدہ پہنچتا ہے تو قرض خواہ کو بھی سود کی شکل میں فائدہ پہنچنا چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ فائدہ تو ضرور پہنچنا چاہیئے لیکن اگر قرض دینے والا واقعی مسلمان ہے تو اس کو اس دنیاوی حرام فائدہ کے بجائے اجر آخرت کی توقع رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے ایک مسلمان اپنے بھائی پر نہ ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے، اور جب تک ایک مسلمان اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی مشکل دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مشکلات دور کر دے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کے عیب کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کو چھپائے گا۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، صہ ۴۲۲)

جس شخص کے سامنے یہ حدیث ہو اور وہ کسی ضرورت مند مسلمان کو اس حدیث کے پیشِ نظر قرض دے کر اس کی دنیاوی ضرورت پوری کر دے تو نہ صرف یہ کہ وہ اجرِ آخرت کا مستحق ہوگا اور اس بھائی کے سبب اس کی آخرت کی مشکلات حل

marfat.com

ہوں گی بلکہ فرمان رسول کے مطابق اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کی ضرورتوں کو پورا فرمائے گا۔ اور اگر کوئی شخص دنیاوی مفاد میں مستغرق ہو کر آخرت کو بالکل خیرباد کہہ چکا ہے۔ تب بھی اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ تمدنی معاشرت ہے جس میں ہر شخص دوسرے شخص سے مل جل کر رہتا ہے اور جس طرح آج وہ کسی ضرورت مند کو قرض دے رہا ہے۔ کل اس کو بھی کسی شخص سے قرض لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے رہا یہ سوال کہ قرض پر کرایہ وصول کیا جائے تو یہ بالکل لغو ہے جن چیزوں کا کرایہ لیا جاتا ہے (مثلاً سائیکل، فرنیچر اور کراکری وغیرہ) وہ کرایہ دار کے استعمال میں رہتی ہے۔ ٹوٹتی پھوٹتی رہتی ہیں اور بتدریج استعمال کرنے سے ان کی عمر کم ہوتی رہتی ہے۔ مالک ان اشیاء کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کی مرمّت پر اپنا وقت، محنت اور پیسہ خرچ کرتا ہے۔ اس لیے مالک کا یہ جائز حق ہے کہ وہ چیزوں کے استعمال پر کرایہ وصول کرے۔ لیکن جو روپیہ قرض دیا جاتا ہے وہ جوں کا توں قرض خواہ کو واپس مل جاتا ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ قرض کو کرایہ پر قیاس کیا جائے۔

باقی رہا ایثار اور قربانی کا سوال تو جب قرض خواہ نے اصل رقم سے زائد سود کی شکل میں وصول کر لی تو ایثار اور قربانی کہاں رہی۔ ایثار اور قربانی تو اس صورت میں بھی کہ وہ ضرورت مند شخص کو محض صدقہ یا ہدیہ کے طور پر رقم فراہم کرتا۔ آخر یہ موجودہ نسل انہیں اسلاف کی تو وارث ہے جو اپنے بچوں کو بھوکا سلا کر اور چراغ بجھا کر اپنے اور اپنے بچوں کے حصہ کا کھانا مہمانوں کو کھلایا کرتے تھے یہ حضرت ابوطلحہ تھے۔ (البخاری و مسلم بحوالہ روح المعانی جلد ۲۸ ص ۵۳) اور وہ جن کے گھر میں کبھی بکرے کی سری آجاتی تو وہ اپنے پڑوسی کے گھر بھیج دیتے کہ پتہ نہیں انہوں نے کب سے گوشت نہ کھایا ہو اور وہ پڑوسی بھی اسی جذبہ کے تحت اپنے پڑوسی کے گھر وہ سری بھیج دیتا۔ حتیٰ کہ سات گھروں میں گردش کرنے کے بعد وہ سری پھر اسی پہلے گھر میں پہنچ جاتی۔ (حاکم بیہقی بحوالہ روح المعانی جلد ۲۸ ص ۵۳) یہ وہ لوگ تھے جن کے ایثار کو سراہتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ویؤثرون

marfat.com

علیٰ انفسہم ولوکان بھم خصاصۃ۔ الحشر: ۹ "وہ لوگ جو اپنی اشد ضرورت پہ بھی دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔" آخر وہ بھی تو ہمارے ہی اسلاف تھے جو پیاس سے جاں بلب ہونے کی حالت میں بھی پانی کا پیالہ اپنے زخمی اور پیاسے ساتھی کی طرف بڑھا دیتے تھے۔

آج اگر ہم اپنے اسلاف کی ان روایات کو زندہ نہیں کر سکتے تو کم از کم قرض پر سود دے کر کسی محتاج، مجبور اور مصیبت زدہ شخص کا مزید استحصال تو نہ کریں۔

کاروباری قرض

کاروباری قرضوں میں سود کی ایک شکل وہ ہے جو بینک روپیہ جمع کرانے والوں سے رقم لے کر فکسڈ ڈپازٹ (FIXED DEPOZIT) کی شکل میں ان کو چھ سے سات فی صد تک سالانہ سود اور جن کا کرنٹ اکاؤنٹ ہوتا ہے (CURRENT ACCOANT) ان کو کچھ نہیں دیتا سود کی دوسری شکل وہ ہے جو بینک اس جمع شدہ سرمایہ سے تاجروں، اہل صنعت کاروں اور مزارعین کو چودہ فیصد سے لیکر سود در سود کی صورت میں اس سے زائد شرح تک سود لیتا ہے اور ساڑھے چار سال میں سود اصل رقم کے برابر ہو جاتا ہے۔

کاروباری قرضوں پر سود لینے کے جواز میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کو کاروبار کے لیے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور اپنے پیسے سے اس کے لیے نفع اندوزی کا موقع فراہم کرتا ہے تو آخر اس شخص کو بھی اس نفع میں سے کچھ حصہ ملنا چاہیے اور سرمایہ فراہم کرنے والے شخص کو جو اس کی رقم پر ایک معین نفع دیا جاتا ہے اسی کو سود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مودودی صاحب اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

فائدہ اٹھانے کا موقع دینا اگر کسی صورت میں کوئی مالی قیمت رکھتا ہے تو صرف وہ صورت ہے جب کہ روپیہ لینے والا اسے کسی کاروبار میں لگا رہا ہے اس صورت میں روپیہ دینے والا یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ مجھے اس فائدہ میں سے حصہ ملنا چاہیے جو میرے روپے سے دوسرا شخص اٹھا رہا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ سرمایہ بجائے

marfat.com

خود کوئی منافع پیدا کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ وہ منافع صرف اس صورت میں پیدا کرتا ہے جب انسانی محنت و ذہانت اس پر کام کرے۔ انسانی محنت و ذہانت اس کے ساتھ لگتے ہی منافع پیدا کرنا نہیں شروع کر دیتی بلکہ اس کے نفع آور ہونے میں ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ مزید برآں اس کا نفع آور ہونا یقینی نہیں ہے۔ اس میں نقصان اور دیوالیہ کا بھی امکان ہے اور نفع آور ہونے کی صورت میں بھی یہ پیشگی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کس وقت کتنا نفع پیدا کرے گی۔ اب یہ بات کس طرح معقول ہو سکتی ہے کہ روپیہ دینے والے کا منافع اسی وقت سے شروع ہو جائے جب کہ انسانی محنت و ذہانت نے اس روپے کو ابھی ہاتھ ہی لگایا ہو اور اس کے منافع اور شرح کی مقدار بھی معین ہو جبکہ سرمایہ کے ساتھ انسانی محنت کے ملنے سے نفع پیدا ہونا نہ تو یقینی ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس سے فی الواقع کتنا نفع پیدا ہو گا

معقولیت کے ساتھ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنا پس انداز کیا ہوا روپیہ کسی نفع آور کام میں لگانا چاہتا ہو اسے محنت کرنے والوں کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرنا چاہیئے اور نفع نقصان میں ایک طے شدہ تناسب کے مطابق حصہ دار بن جانا چاہیئے۔ نفع کمانے کا آخر یہ کونسا معقول طریقہ ہے کہ میں ایک شخص کا شریک بننے کی بجائے اسے سو روپیہ قرض دوں اور اس سے کہوں کہ چونکہ تو اس رقم سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس لیے تجھ پر میرا یہ حق ہے کہ مجھے مثلاً ایک روپیہ ماہوار اس وقت تک دیتا رہے جب تک میرے یہ روپے تیرے کاروبار میں استعمال ہو رہے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ جب تک اس سرمایہ کو استعمال کر کے اس کی محنت نے نفع پیدا کرنا شروع نہ کیا ہو اس وقت تک آخر وہ کونسا منافع موجود ہے جس میں سے حصہ مانگنے کا مجھے حق پہنچتا ہو؟ اگر وہ شخص کاروبار میں فائدے کے بجائے نقصان اٹھائے تو میں کس عقل و انصاف کی رو سے یہ ماہوار منافع اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہوں اور اگر اس کا منافع ایک روپیہ ماہوار سے کم

marfat.com

رہے تو مجھے ایک روپیہ ماہوار لینے کا کیا حق ہے؟ اور اگر اس کا کل منافع ایک ہی روپیہ ہو تو کونسا انصاف یہ جائز رکھتا ہے کہ جس شخص نے مہینہ بھر تک اپنا وقت، محنت، قابلیت اور ذاتی سرمایہ سب کچھ صرف کیا وہ تو کچھ نہ پائے اور میں جو صرف سو روپیہ اس کو دے کر الگ ہو گیا تھا اس کا سارا منافع لے اڑوں؟ ایک بیل بھی اگر تیلی کے لیے دن بھر کولھو چلاتا ہے تو کم از کم اس سے چارہ مانگنے کا حق تو ضرور رکھتا ہے مگر یہ سودی قرض ایک کاروباری آدمی کو وہ بیل بنا دیتا ہے جسے کولھو تو دن بھر میرے لیے چلانا چاہیئے اور چارہ کہیں اور سے کھانا چاہیئے۔

(سود اشاعت ہشتم جون ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰)

مودودی صاحب نے کاروباری سود کے قرضوں کی رد میں جو یہ طویل تقریر کی ہے یہ ایک گونہ معقول تو ضرور ہے لیکن عصر حاضر کے کاروباری قرضوں پر یہ تقریر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ اس تقریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ سرمایہ فراہم کر کے اس سرمایہ پر سود وصول کرنے والا (یعنی بینک) ظالم اور سود دینے والا (یعنی تاجر اور صنعت کار) مظلوم ہے۔ آج کل بینک کاروبار کرنے والے لوگوں کو کاروبار کے لیے سرمایہ دیتا ہے اور سود وصول کرتا ہے اور کاروباری ادارے اس کو سود ادا کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی فریق بھی مظلوم نہیں ہے اور فی الواقع یہ دونوں ہی ظالم ہیں اور اگر کوئی مظلوم ہے تو وہ عوام اور صارفین ہیں جو سود کی لعنت کی وجہ سے بینک اور کاروباری اداروں دونوں کے استحصال کا شکار ہوتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ بینک تاجروں اور صنعت کاروں کو چودہ فی صد سالانہ اور سود در سود کی شکل میں اس سے زائد سود پر قرض دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بینک کا اس میں سراسر فائدہ ہے کیونکہ عوام جو اپنی بچت کی رقم جمع کراتے ہیں ان کو وہ چھ فی صد سود دیتا ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ میں سود نہیں دیتے بعض نیک لوگ جو حفاظت کے خیال سے رقم جمع کراتے ہیں از خود سود نہیں لیتے بہرحال عوام کے اس روپیہ کو بینک تاجروں اور صنعت کاروں کو قرض دے کر بغیر کسی محنت یا کاروبار کے چودہ فی صد یا اس سے

marfat.com

زائد سود حاصل کر لیتا ہے۔ باقی رہے تاجر اور صنعت کار تو ان کو بھی کوئی گھاٹا نہیں کیونکہ چودہ فی صد سود وہ بینک کو ادا کرتے ہیں اس رقم کو وہ اپنی مصنوعات اور مال تجارت کی قیمت میں شامل کر کے اس کو تجارتی اور صنعتی منڈیوں میں لے آتے ہیں پھر سود کا یہ وبال کس پر پڑتا ہے۔ ظاہر ہے یہ عوام اور صارفین کی جیبوں پر پڑتا ہے۔ عوام مہنگائی کے بوجھ تلے پستے چلے جاتے ہیں اور سرمایہ دار بنک سے سود کی بنیاد پر قرض لے کر ایک کارخانہ سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا لگاتا چلا جاتا ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ بینک سرمایہ دار کو رقم بطور قرض دیتا ہے یہ وہی رقم ہوتی ہے جس کا عام اور متوسط لوگ اپنی آمدنی سے پس انداز کر کے بینک میں جمع کراتے ہیں اور اپنی ہی دی ہوئی رقم سے مہنگے داموں مصنوعات اور مال تجارت خریدتے ہیں اس طرح بینک اور سرمایہ دار دونوں ہی عوام اور صارفین پر ظلم کرتے ہیں یہ دونوں فریق ہی ظالم ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مظلوم نہیں ہے۔

سود کا ایک اور حیلہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر بلا سود قرض دینے کا رواج ہو جائے تو مثلاً ایک شخص کسی کو دس سال کے لیے ایک ہزار روپیہ اس کی نجی ضرورت میں قرض دیتا ہے اور چونکہ افراط زر کی وجہ سے دن بدن کرنسی کی قیمت گھٹ رہی ہے لہٰذا دس سال بعد اس ایک ہزار روپیہ کی قیمت صرف سو روپیہ رہ جائے گی۔ اس لیے قرض دینے والے کو سود لینے کا حق ملنا چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس مشکل کا حل سود نہیں ہے بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ایک ہزار روپیہ کی کرنسی کے بجائے ایک ہزار روپیہ کی کوئی جنس مثلاً سونا چاندی یا غلہ قرض دے اور دس سال بعد جتنا سونا چاندی یا غلہ قرض دیا تھا اتنا ہی واپس لے لے اس صورت میں قرض خواہ کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ اور وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہے گا اور اگر وہ شخص کسی نجی ضرورت کے لیے قرض نہیں لے رہا بلکہ کوئی کاروبار کرنے یا کسی صنعتی

marfat.com

منصوبہ کی تکمیل کے لیے قرض لیتا ہے تو قرض خواہ اس رقم پر حرام سود لینے کے بجائے اس کے کاروبار میں شریک ہو کر جائز نفع کیوں نہ حاصل کرے۔ یعنی جب رقم سے کوئی فائدہ حاصل کرتا ہی ہے تو بجائے سود کی شکل کے منافع کی شکل میں فائدہ کیوں نہ حاصل کرے۔ دوسرے لفظوں میں جب گوشت کھانا ہی ہے تو گائے یا بکرے کے حلال گوشت کی جگہ وہ مردار اور خنزیر کا حرام گوشت کیوں کھاتا ہے۔

جواز سود کا دوسرا حیلہ

سود کے مجوزین ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ اقتصادیات میں ترقی جبھی ممکن ہو سکتی ہے جب لوگ اپنی فاضل آمدن کو جمع کریں بلکہ کفایت شعاری اختیار کریں اور اپنی ضرورتوں کو روک کر اور اپنی خواہشات پر قابو پا کر رقم پس انداز کریں اور بینک میں جمع کرائیں اور ظاہر ہے بینک میں اپنی رقوم جمع کرانے کا محرک سود ہی ہو سکتا ہے اور اگر سود کا لالچ نہ دیا جائے تو کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو روک کر بینک میں رقم جمع کرائے جبکہ اس کو اس ضبط نفس اور ایثار اور قربانی کا کوئی صلہ نہ ملے مولانا مودودی صاحب اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

اولین غلط فہمی یہ ہے کہ معاشی زندگی کے لیے افراد کی کفایت شعاری اور زر اندوزی کو ایک ضروری اور مفید چیز سمجھا جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے درحقیقت ساری معاشی ترقی و خوشحالی منحصر ہے اس پر کہ جماعت بحیثیت مجموعی جتنا کچھ سامان زیست پیدا کرتی جائے وہ جلدی جلدی فروخت ہوتا چلا جائے تاکہ پیداوار اور اس کی کھپت کا چکر توازن کے ساتھ اور تیز رفتاری کے ساتھ چلتا رہے یہ بات صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جبکہ لوگ بالعموم اس امر کے عادی ہوں کہ معاشی سعی و عمل کے دوران میں جتنی کچھ دولت ان کے حصہ میں آئے اسے صرف کرتے رہیں اور اس قدر فراخ دل ہوں کہ اگر ان کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ دولت آگئی ہو تو اسے جماعت کے کم نصیب افراد کی طرف

marfat.com

منتقل کر دیا کریں تاکہ وہ بھی بفراغت اپنے لیے ضروریات زندگی خرید سکیں۔ مگر تم اس کے برعکس لوگوں کو یہ سکھاتے ہو کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت پہنچی ہو وہ بھی کنجوسی برت کر (جسے تم ضبط نفس اور زہد اور قربانی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہو) اپنی ضروریات کا ایک اچھا خاصا حصہ پورا کرنے سے باز رہے اور اس طرح ہر شخص زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی کوشش کرے لیکن در حقیقت اس کا نقصان یہ ہوگا کہ جو مال اس وقت بازار میں موجود ہے اس کا ایک بڑا حصہ یوں ہی پڑا رہ جائے گا کیونکہ جن لوگوں کے اندر قوت خرید پہلے ہی کم تھی وہ تو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سامال خرید نہ سکے اور جو بقدر ضرورت خرید سکتے تھے انہوں نے باوجود پیداوار کے اچھا خاصا حصہ نہ خریدا۔ الخ۔ (سود اشاعت ہشتم جون ۵ ، ۱۹۷ء ، ۹۴)

ہمارے خیال میں مودودی صاحب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کفایت شعاری بہرحال ایک مفید اور ضروری چیز ہے رقم کا پس انداز کرنا مستقبل کی ضروریات کے لیے کارآمد ہے۔ البتہ جواب کے اس حصہ سے ہم متفق ہیں کہ اپنی فاضل آمدنی سے ضرورت مند افراد کو ان کی ضرورت کے مطابق دینا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رقم کو سرے سے پس انداز نہ کیا جائے اور صرف منڈیوں کو مصنوعات سے خالی کرنے کے لیے آدمی خرید پر خرید کرتا چلا جائے کیونکہ اس سے اسراف اور تبذیر کا دروازہ کھلتا ہے جو بہرحال غیر مستحسن ہے بلکہ شرعاً ناجائز ہے باقی رہا یہ سوال کہ لوگ جب منڈیوں سے بلا ضرورت مال نہیں خریدیں گے تو اس مال کی کھپت کہاں ہوگی اور کارخانے ٹھپ ہو جائیں گے اور مزدوروں کے لیے روزگار کا دروازہ بند ہو جائے گا تو یہ ایک غیر تعمیری سوچ ہے ہم کو بلاشبہ کفایت شعاری کرنا چاہیے اور زائد از ضرورت خریداری سے احتراز کرنا چاہیے۔ رہا یہ سوال کہ پھر ہماری منڈیوں کی مصنوعات کا کیا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر ملکی منڈیوں میں خصوصاً مسلم

marfat.com

ممالک میں ہماری مصنوعات کی زبردست مانگ موجود ہے۔ ہمیں اپنی خریداری کم کر کے تاجروں اور صنعت کاروں کو یہ موقع فراہم کرنا چاہیئے کہ وہ ملکی مصنوعات کو برآمد کر کے پاکستان کے لیے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کریں۔

اب رہا یہ سوال کہ لوگ کفایت شعاری اور اپنی بچت کو کیا کریں بینک میں جمع کر کے سود لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کریں بلکہ سود کا کلیتہً خاتمہ کر کے اپنی اس فاضل بچت کو بینک میں فکسڈ ڈیپازٹ کی شکل میں جمع کرائیں اور مضاربت کے اصول پر بینک کے ساتھ معاملہ کریں تاکہ ان کی کفایت شعاری اور بچت کارآمد ہو جس سے صنعت و حرفت اور تجارت میں فروغ حاصل ہو اور ہم زیادہ سے زیادہ زراعتی اور صنعتی پیداوار حاصل کر کے اس قابل ہو جائیں کہ ملکی ضرورت پوری کرنے کے بعد اپنے ملک کا غلہ اور مصنوعات بیرون ممالک میں برآمد کرنے کے قابل ہو سکیں اور ملک کے لیے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کر کے ملکی معیشت کو زیادہ سے زیادہ استحکام بخشیں۔

اس صورت حال کو درست کرنے کے لیے اسلامی اصول شرکت اور مضاربت کو اپنانا چاہیئے جس کی پوری تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ شرکت اور مضاربت کے اصولوں کو اپنانے کے بعد دولت کی یہ غیر منصفانہ تقسیم ختم ہو جائے گی۔ بینک میں اپنی بچتیں جمع کرانے والوں کو چھ یا سات فی صد معین نفع پر نہیں ٹرخایا جاسکے گا بلکہ بینک جو بھی کاروبار کرے گا اس کے نفع کا مثلاً ½ حصہ بینک میں پیسہ جمع کرانے والے کو ملے گا اور کاروباری اداروں کو بینک جو روپیہ فراہم کرے گا وہ بطور شرکت کے ہوگا بنک اس کے نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہوگا اور اس صورت میں بنک کو صرف ۱۴ فیصد نہیں ملے گا بلکہ جس قدر نفع بھی ہوگا وہ اس کو لگائی ہوئی رقم کے حساب سے ملے گا۔ بینک جس قدر نفع کمائے گا اس کا وہ تنہا مالک نہیں ہوگا بلکہ بینک اور بینک میں فکسڈ ڈپازٹ کی شکل میں جمع کرانے والے تمام افراد کے درمیان ان کی رقم کے تناسب سے وہ نفع برابر برابر تقسیم کر دیا جائیگا۔

marfat.com

اس طرح دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوسکے گی اور ملک کے تمام افراد زراعت صنعت اور تجارت میں بالواسطہ شریک ہوجائیں گے اور ہر شخص کو اس کی رقم کے حساب سے نفع ملتا رہے گا

کیا غیر سودی اقتصادی نظام ممکن ہے

مدتوں سے سود کی لعنت میں گرفتار رہنے سے یہ حرام عنصر ہر شخص کے منہ کو اس طرح لگ چکا ہے کہ آج کے پڑھے لکھے لوگ اور اقتصادیات سے شغف رکھنے والے حضرات اس تردد کا شکار ہوچکے ہیں کہ سود کے بغیر اقتصادی نظام کس طرح چلے گا۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ جس نسل کے آباؤ اجداد نے دنیا میں سب سے پہلے احل اللہ البیع وحرم الربوٰ "اللہ تعالے نے تجارت حلال کی ہے اور سود کو حرام کردیا" کا فلک شگاف نعرہ لگایا جس نسل کے وارثوں نے سب سے پہلے دُنیا میں سودی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس کے اسلاف ــــــــ دُنیا کے تین براعظموں میں پھیلی ہوئی سلطنت کے اقتصادی نظام کو صدیوں تک بغیر سود کے چلاتے رہے آج اسی قوم کے فرزند سود کو اقتصادیات کا جزو لاینفک سمجھ رہے ہیں۔

اسلام ایک صاف اور سیدھا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اگر قرض دینا ہے تو سیدھی طرح قرض دو اور جتنی رقم دی ہے اتنی ہی وصول کرو اور اگر نفع کمانا ہے تو باقاعدہ کاروبار کرو اور نفع و نقصان دونوں کی ذمہ داری قبول کرو یہ اس قدر روشن اور سچا اصُول ہے کہ اس کی صداقت کو ذی فہم شخص رد نہیں کرسکتا۔ ہمارے معاشرہ میں سود سے پاک اقتصادی نظام کس طرح نافذ کیا جاسکتا ہے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے شرکت اور مضاربت کی تعریفات، شرائط اور احکام پر غور کرلیں اس کے بعد اس امر پر غور کیا جائے گا کہ موجودہ بینکنگ سسٹم میں اس کو کس طرح جاری کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی ہدایات کی روشنی میں بینکنگ کے نظام کو مضاربت کے اصول پر چلایا جاسکتا ہے۔ بینک میں رقم جمع کرانے والے رب المال اور بینک کا ادارہ مضارب کی حیثیت میں ہوگا اور بینک اپنے

marfat.com

حاصل شدہ سرمایہ سے مضاربت اور شرکت دونوں طرح کاروبار کر سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم شرکت کی تعریف اور اس کے احکام بیان کریں اور اس کے بعد مضاربت کے۔

شرکت

شرکت کی کئی اقسام ہیں ہم شرکت کی جس قسم سے بحث کر رہے ہیں اس کو احناف، شوافع اور حنابلہ شرکت عنان سے اور مالکیہ شرکت مفاوضہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک شرکت مفاوضہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دو شخصوں کا ایک کاروبار میں ہر لحاظ سے مساوی حیثیت سے شریک ہونا اور شرکت عنان کا خلاصہ یہ ہے۔ دو یا دو سے زیادہ اشخاص کا کسی کاروبار میں شرکت کرنا۔ عام ازیں کہ ان کی شخصی حیثیت اور سرمایہ مساوی ہو یا نہ ہو۔

شرکت عنان کے ثبوت میں فقہاء اسلام نے مندرجہ ذیل دلائل فراہم کیے ہیں۔

شیخ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المتوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔

الشرکة جائزة لانه صلی اللّٰه علیه وسلم بعث والناس یتعاملون بها فقررهم علیه۔ (ھدایه جلد ۲ ص ۶۴۲)

شراکت کے ساتھ کاروبار کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی (یعنی آپ نے اعلان نبوت فرمایا) اس وقت لوگ شراکت کے ساتھ کاروبار کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس کاروبار کو مقرر رکھا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب قال للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم کنت شریکی فی الجاهلیة فکنت خیر شریك کنت لا تداری ولا تماری۔ (سنن ابن ماجه ص ۱۶۵)

حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ میرے ساتھ قبل از اسلام شراکت کا کاروبار کیا کرتے تھے آپ بہترین شریک تھے آپ نے مجھے نہ کبھی علیحدہ کیا اور نہ مجھ سے جھگڑا کیا۔

امام کمال الدین بن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے سائب

marfat.com

کی اسی روایت کا ذکر فرماتے ہیں :۔

عن السائب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شارکہ قبل الاسلام فی التجارۃ فلما کان یوم الفتح جاء فقال علیہ الصلوۃ والسلام مرحبا باخی وشریکی کان لا یداری ولا یماری یا سائب قد کنت تعمل اعمالا فی الجاهلیۃ لا تقبل منک وهی الیوم تقبل منک (فتح القدیر جلد ۵ ص۳ مصری)

سائب بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ قبل از اسلام شراکت کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا میرے بھائی اور میرے شریک کو خوش آمدید ہو جو میرے ساتھ تجارت میں نہ جھگڑا کرتے تھے اور نہ کاروبار سے روکتے تھے۔ اے سائب تم زمانہ جاہلیت میں جو عمل کرتے تھے وہ نامقبول تھے اور اب تمہارے اعمال مقبول ہوں گے۔

اور محمد بن محمد شوکانی الظاہری المتوفی ۱۲۵۰ھ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الحدیث اخرجہ ایضا النسائی وصححہ واللفظ لابی داؤد وابن ماجۃ ان السائب المخزومی کان شریک النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل البعثۃ فجاء یوم الفتح فقال مرحبا باخی وشریکی لا تداری ولا تماری وفی لفظ ان السائب قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعلوا یثنون علیّ ویذکرونی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم بہ فقلت صدقت بابی وامی الشریک

اس حدیث کو نسائی نے بھی اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس طرح روایت کیا ہے کہ سائب فتح مکہ کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے بھائی اور شریک کو مرحبا ہو جو تجارت میں میرے ساتھ نہ جھگڑا کرتے تھے نہ کاروبار سے روکتے تھے
اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سائب کہتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ میرا ذکر کر کے مجھے سراہنے لگے حضور نے فرمایا میں سائب کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے

marfat.com

لاتداری ولا تماری عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ نے سچ فرمایا آپ میرے بہترین شراکت کار تھے آپ نہ مجھے کاروبار سے منع کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ۵ صہ ۲۹۸، ۲۹۷)

شوکانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :۔

واستدل بهذا الحديث على جواز الشركة فى الدراهم والدنانير وهو اجماع. (نيل الاوطار جلد ۵ صہ ۲۹۵)

اس حدیث سے شرکت کے ساتھ کاروبار پر استدلال کیا گیا ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمن بن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ فرماتے ہیں :۔

عن ابى هريرة رفعه قال ان الله تعالى يقول انا ثالث الشريكين ما لم يخن احدهما صاحبه فانه اذا خانه خرجت من بينهما.

(السنن ابوداؤد صہ ۱۰۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دو شریکوں میں کا تیسرا ہوں جبتک ان میں سے کوئی شخص دوسرے سے خیانت نہ کرے پس جب کوئی شخص خیانت کرے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

شراکت کے ثبوت میں تفصیلی بحث ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کی فقہی تعریف اور احکام ذکر کرتے ہیں۔ عالمگیری میں شراکت کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔

اما شركة العنان فهى ان يشترك اثنان فى نوع من التجارات بر او طعام او يشتركان فى عموم التجارات ولا يذكران الكفالة خاصة كذا فى فتح القدير وصورتها ان يشترك اثنان فى نوع خاص من التجارة او يشتركان فى عموم التجارة ولا يذكران الكفالة

شراکت کی تعریف یہ ہے کہ دو شخص کسی خاص جنس مثلاً گندم یا جو کی تجارت میں یا کسی عام کاروبار میں شریک ہوں اور ان شرکاء میں سے ایک فریق کے معاملہ میں دوسرا ذمہ دار نہ ہوگا۔ فتح القدیر میں اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص کسی خاص یا عام کاروبار میں شریک ہوں اور ایک دوسرے کے معاملہ کا ذمہ دار نہ ہو۔

marfat.com

والمفاوضۃ فیہا تضمنت الوکالۃ دون الکفالۃ حتیٰ تجوز ھذا الشرکۃ بین الرجال والنساء والبالغ والصبی الماذون والحر والعبد الماذون فی التجارۃ والمسلم والکافر کذا فی فتاویٰ قاضی خان

اور نہ ہی مغالطہ ہو البتہ ایک فریق دوسرے کی طرف سے بطور وکالت کے کاروبار کر سکتا ہے اور یہ شراکت مرد اور عورت بالغ اور سمجھدار بچے، آزاد اور اجازت یافتہ غلام مسلمان اور کافر سب کے درمیان جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ صہ ۳۱۹)

کاروبار میں نفع اور نقصان کے بارے میں علامہ برہان الدین الفرغانی المتوفی ۵۹۳ھ ایک حدیث مرفوع کا ذکر فرماتے ہیں:۔

الربح علی ما شرط والوضیعۃ علیٰ قدر المالین۔

نفع شرکاء کی شرائط کے مطابق تقسیم ہو گا اور نقصان سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرنا ہو گا۔

(ھدایہ جلد ۲ صہ ۶۲۹)

نفع اور نقصان کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

لو کان المال منہما فی شرکۃ العنان والعمل علیٰ احدہما ان شرط الربح علیٰ قدر راس اموالہما جاز ویکون ربحہٗ لہٗ والوضیعۃ علیہ وان شرط الربح للعامل اکثر من راس مالہ جاز علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربۃ۔

اگر کاروبار میں روپیہ دونوں فریقوں کا ہو اور کام صرف ایک فریق کرے اور اصل مال کی نسبت سے نفع آپس میں تقسیم کر لیا جائے اور نقصان کے دونوں فریق ذمہ دار ہوں تو یہ جائز ہے اگر کام کرنے والا اصل رقم کی نسبت سے زیادہ نفع کا طالب ہو تو یہ بھی جائز ہے اور کام کرنے والا جو زائد رقم لے گا وہ بطور مضاربت ہو گی۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صہ ۳۲۰)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراکت اس کاروبار کو کہتے ہیں کہ جس میں دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایہ کی مقدار سے شریک ہوں اور

marfat.com

نفع اور نقصان میں اپنی اپنی لگائی ہوئی اصل رقموں کے ساتھ شریک ہوں گے اس کاروبار میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو فریق روپیہ لگانے کے ساتھ نفس کاروبار میں بھی باقاعدہ کام کرے۔ اس کا نفع زیادہ ہوگا جو اس کو بطریق مضاربت حاصل ہوگا۔

اس وقت پاکستان میں جو بڑے بڑے کاروباری ادارے کام کر رہے ہیں مثلاً نیشنل شپنگ کارپوریشن، داؤد، کوہ نور، اور آدم جی وغیرہ ان کا کاروبار شراکت کے اسی اسلامی اصول کے مطابق ہے کیونکہ مثلاً داؤد دس لاکھ روپیہ سے ایک مل قائم کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو اس مل میں پانچ لاکھ روپیہ اس کا ہوتا ہے اور پانچ لاکھ کے حصص (SHARES) عوام میں فروخت کر دیئے جاتے ہیں اور سال گزرنے پر اخراجات منہا کرنے کے بعد جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کا ایک متعین حصہ داؤد لیتا ہے اور باقی نفع حصہ داروں (SHARE HOLDERS) کے درمیان ان کے حصص (SHARES) کی مناسبت سے شراکت کے اصول کے مطابق (DIVIDE) تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اصول شراکت پر مکمل گفتگو کرنے کے بعد اب ہم آپ کے سامنے مضاربت کے موضوع پر گفتگو کریں گے اور اس کے بعد آپ کو بتلائیں گے کہ موجودہ بینکنگ کے نظام میں مضاربت کو کس طرح رائج کیا جا سکتا ہے۔

مضاربت مضاربت کے لغوی معنی ہیں دوسرے کے مال سے تجارت کرنا۔ اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

عقلی طور پر مضاربت کے ثبوت میں یہ کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کے پاس سرمایہ ہوتا ہے مگر وہ کاروبار کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بعض لوگ کاروبار کی اہلیت اور قابلیت رکھتے ہیں مگر ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا تو ان کا باہم مل کر اس طور پر کاروبار کرنا کہ سرمایہ ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی اور نفع کو وہ پہلے سے طے کردہ شرائط کے مطابق تقسیم کر لیں تو یہ تمدنی زندگی

marfat.com

کے مقتضیٰ کے عین مطابق ہے۔

مضاربت کے شرعی ثبوت پر شمس الائمہ محمد بن احمد اللہ حسنی المتوفی ۴۸۳ ھ نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ۔ المزمل: ۲۰

اور دوسرے وہ لوگ جو زمین میں بصورت مضاربت کاروبار کرتے ہیں اور اس کاروبار میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں۔

(المبسوط جلد ۲۲ صـ ۱۹)

اور امام برہان الدین الفرغانی المتوفی ۵۹۳ ھ مضاربت پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس یباشرونہ فقررھم علیہ وتعاملت بہ الصحابۃ۔ (ھدایہ ج ۳ صـ ۲۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگ مضاربت کرتے تھے اور حضور نے ان کے اس کاروبار کو قائم رکھا اور صحابہ کرام نے بھی مضاربت کو اختیار فرمایا۔

اور علامہ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ ھ مضاربت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

القراض کان فی الجاهلیۃ وکانت قریش اهل تجارۃ لا معاش لهم من غیرها ومنهم الشیخ الکبیر الذی لا یطیق السفر والمرأۃ والصغیر والیتیم وذوا الشغل والمریض وکانوا یعطون المال مضاربۃ لمن یتجربہ بجزء مسمی من الربح فاقر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذالك فی الاسلام وعمل بہ المسلمون عما متیقناً لا خلاف علیہ ولو وجد فیہ خلاف ما التفت الیہ لانہ نقل کافۃ بعد کافۃ

قبل از اسلام قریش بصورت مضاربت کاروبار کرتے تھے اور ان کے گزران کے لیے اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا۔ ان میں ایسے بوڑھے جو سفر کرنے کے قابل نہ ہوں، عورتیں، بچے، یتیم مصروف لوگ اور بیمار بھی شامل تھے وہ اپنا مال کسی شخص کو تجارت کرنے کے لیے اصول مضاربت پر دیتے اور اس کے لیے نفع میں سے ایک رقم مقرر کر لیتے اور یہ کاروبار ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہا اور مسلمان اس میں بلا کسی اختلاف کے یہ کاروبار کرتے رہے اس کے جواز کے خلاف کوئی روایت نہیں ملی

marfat.com

الی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذالک وقد خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قراض بمال خدیجۃ رضی اللہ عنہا۔
(محلی لابن حزم جلد ۸ صـ۲۴۷)

اور اگر بالفرض ملی بھی تو مردود ہوگی۔ کیونکہ دور رسالت سے قرن بعد قرن یہ کاروبار مسلمانوں میں جاری رہا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت خدیجہ کے مال سے بصورت مضاربت کاروبار کیا ہے۔

امام ابوداؤد السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عن عروۃ یعنی ابن ابی الجعد البارقی قال اعطاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دینارا یشتری بہ اضحیۃ اوشاۃ فاشتری شاتین فباع احدھما بدینار فاتاہ بشاۃ ودینار فدعا لہ بالبرکۃ فی بیعہ۔
سنن ابوداؤد صـ۴۸

عروہ بن ابی الجعد بارقی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار عطا کیا اور فرمایا کہ اس سے قربانی کا ایک جانور یا بکری خرید لو انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خرید لیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی اور حضور کی خدمت میں ایک دینار اور ایک بکری پیش کر دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی اس بیع میں برکت کی دعا دی۔

اور شمس الائمہ سرخسی متوفی ۴۲۳ھ مضاربت کے ثبوت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عن القاسم بن محمد قال کان لنا مال فی ید عائشۃ رضی اللہ عنہا وکانت تدفعہ مضاربۃ فبارک اللہ لنا فیہ سعیہا وکان عمر رضی اللہ عنہ یدفع مال الیتیم مضاربۃ علی ماروی محمد رحمہ اللہ وبداء بہ الکتاب عن حمید بن عبد اللہ بن عبید اللہ انصاری عن ابیہ عن جدہ ان عمر رضی اللہ عنہ اعطاہ مال یتیم مضاربۃ (مبسوط جلد ۲۲ صـ۱۸)

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ہمارا مال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو حضرت عائشہ کی اس مضاربت میں برکت عطا فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یتیم کے مال کو مضاربت پر دیا چنانچہ امام محمد نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یتیم کا مال مضاربت پر دیتے تھے۔

marfat.com

اور امام دار الہجرت امام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ ہجری مضاربت کے ثبوت میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مالك عن زيد بن اسلم عن ابيه انه قال خرج عبد الله وعبيد الله ابنا عمر بن الخطاب في جيش الى العراق فلما قفلا مرا على ابي موسى الاشعري وهو امير البصرة فرحب بهما وسهل ثم قال لو اقدر لكما على امر انفعكما به لفعلت ثم قال بلى ههنا مال من مال الله اريد ان ابعث به الى امير المؤمنين فاسلفكماه فتبتاعان به متاعا من متاع العراق ثم تبيعانه بالمدينة فتؤديان راس المال الى امير المؤمنين فيكون لكما الربح فقالا وددنا ففعل وكتب الى عمر بن الخطاب ان ياخذ منهما المال فلما قدما باعا فاربحا فلما دفعا ذلك الى عمر بن الخطاب قال اكل الجيش اسلفه مثل ما اسلفكما قالا لا فقال عمر بن الخطاب ابنا امير المؤمنين فاسلفكما اديا المال وربحه فاما عبد الله فسكت واما عبيد الله فقال ما ينبغي لك يا امير المؤمنين هذا لو نقص المال او هلك لضمناه فقال

اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ و عبید اللہ عراق کی طرف بھیجے جانے والے لشکر میں گئے واپسی پر ان کی ملاقات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے حضرت ابوموسیٰ نے ان کو اھلاً وسھلاً ومرحبا کہا پھر فرمایا کہ اگر میں تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا پھر فرمانے لگے کیوں نہیں میرے پاس بیت المال کو بھیجنے کے لیے مال ہے جس کو میں نے امیر المومنین کے پاس بھیجنا ہے یہ مال میں تم کو قرض دیتا ہوں تم عراق سے کچھ سامان خرید کر مدینہ لے جاؤ اور وہاں اس کو فروخت کرنا اور اصل مال امیر المومنین کو دے دینا اور نفع تم خود رکھ لینا۔ حضرت عمر کے دونوں صاحبزادوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور ایسا ہی کیا اس کے ساتھ ہی حضرت ابوموسیٰ اشعری نے امیر المومنین حضرت عمر کے نام ایک مکتوب بھیجا کہ بیت المال کی اتنی رقم ان سے وصول کر لی جائے۔ حضرت عبداللہ و عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے مدینہ میں مال فروخت کر کے نفع کمایا اور اصل رقم حضرت عمر کو پیش کر دی حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ کیا ابوموسیٰ نے

marfat.com

عمر ادیا لا نسکت عبد اللّٰہ دراجعہ عبید اللّٰہ فقال رجل من جلساء عمر یا امیر المؤمنین لو جعلتہ قراضاً فقال عمر قد جعلتہ قراضاً فقال فاخذ عمر راس المال ونصف ربحہ ولخذ عبد اللّٰہ وعبید اللّٰہ نصف ربح المال (موطا امام مالک ص ۶۱۶، ۶۱۷)

اور لشکریوں کو بھی بیت المال سے تمہاری طرح رقم قرض دی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں حضرت عمر نے فرمایا ابو موسیٰ نے تمہارے ساتھ یہ رعایت صرف امیر المومنین کے فرزند ہونے کی حیثیت سے برتی ہے اب تم اصل مال اور نفع دونوں بیت المال میں جمع کرادو۔ حضرت عبد اللہ تو خاموش رہے لیکن حضرت عبید اللہ نے عرض کیا یہ مناسب نہیں کیونکہ اگر ہم کو نقصان ہوتا یا سارا مال خسارہ میں جاتا تو آپ ہم سے پوری رقم وصول کر لیتے اس لئے آپ کو صرف اصل رقم لینے کا حق ہے حضرت عمر نے پھر اصل مال اور نفع واپس کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبد اللہ نے پھر اپنی دلیل دہرائی اس پر اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین اس مال کو آپ مضاربت کیوں نہیں کر دیتے۔ حضرت عمر نے اس رائے کو پسند فرما کر قبول فرمایا اور اصل مال اور آدھا نفع بیت المال کے لیے رکھا اور باقی نصف نفع دونوں بھائیوں نے بطور مضاربت کے لے لیا۔

قرآن کریم، احادیث، آثار صحابہ اور تعامل مسلمین سے مضاربت کا شرعی ثبوت ظاہر ہو چکا ہے اب ہم آپ کے سامنے مضاربت کی فقہی تعریف اس کے احکام اور اقسام بیان کرتے ہیں۔

مضاربت کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے!

هی عبارۃ عن عقد علی الشرکۃ فی الربح بمال من احد الجانبین والعمل من الجانب الاخر بان یقول رب المال خذ ھذا المال مضاربۃ علی ان ما رزق اللّٰہ او اطعم اللّٰہ تعالیٰ عنہ من ربح فھو بیننا علی کذا من نصف اور ربع او ثلث او غیر ذالک من الاجزاء

مضاربت میں دو فریق آپس میں یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ شرکت سے کاروبار کریں گے ایک فریق کا سرمایہ ہوگا اور دوسرے کی محنت بایں طور کہ صاحب مال کہے کہ یہ مال لو اور اس پر اللہ تعالیٰ جو منافع دے وہ ہمارے درمیان آدھے، چوتھائی یا تہائی کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

marfat.com

المعلوم منه ويقول المضارب اخذت او رضيت او قبلت.

اور مضارب کہے کہ میں نے لے لیا۔ یا میں اس پر راضی ہوا یا میں نے قبول کیا۔

(عالم گیری جلد ۴ صہ ۲۸۵ ملخصاً)

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مضاربت میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق اس سرمایہ سے کاروبار کرتا ہے اور باہم یہ معاہدہ طے کیا جاتا ہے کہ نفع کو فریقین میں کسی متعین نسبت کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

مضاربت میں عقلاً تین صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک شخص کا سرمایہ ہو اور متعدد کام کریں یا متعدد افراد کا سرمایہ ہو اور متعدد افراد کام کریں یا متعدد افراد مل کر سرمایہ فراہم کر لیں اور ایک فرد یا ادارہ کاروبار کرے بینک میں بھی صورت متصور ہو سکتی ہے۔

مضاربت کے احکام مضاربت میں کاروبار کے لیے ایک متعین عرصہ کی مدت کے لیے معاہدہ کرنا چاہیئے یہ مدت ایک سال بھی ہو سکتی ہے اور دس سال بھی جب ایک مدت ختم ہو جائے تو پہلا معاہدہ ختم ہو جائے گا اور اس وقت فریقین طے شدہ شرائط کے مطابق نفع تقسیم کر لیں گے اور رب المال کی اصل رقم اس کو لوٹا دی جائے گی۔ الا یہ کہ وہ آئندہ کے لیے پھر ایک معین مدت کے لیے کاروبار کا معاہدہ کرلے۔

امام برہان الدین فرغانی متوفی ۵۹۲ھ ان احکام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ان وقت المضاربة وقتا بعینه یبطل العقد بمضیه لانه توکیل فیتوقت بما وقته والتوقیت مفید.

(ھدایہ جلد ۳ صہ ۲۶۱)

جب مضاربت میں ایک مدت کا تعین کر لیا جائے تو مدت پوری ہونے کے بعد معاہدہ ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ وکالت ہے اور وقت کے ساتھ مقید ہو سکتی ہے اور مدت کا متعین کر لینا مفید ہے۔

نفع اور نقصان اگر مضاربت کے کاروبار میں نقصان ہو تو یہ نقصان صرف

marfat.com

صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور مضارب کے لیے یہ نقصان کافی ہے کہ اس نے کاروبار کرنے میں اپنا وقت محنت، ذہانت اور قابلیت صرف کی اور اس کو اس کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ تاہم کرنا یوں چاہیئے کہ جب کاروبار میں نقصان ہو تو اس کو اصل رقم کی بجائے نفع سے مجرا کرنا چاہیئے۔ اگر نقصان نفع سے بڑھ جائے تو وہ بہر حال اصل مال سے وضع ہو گا۔

اس سلسلہ میں امام برہان الدین فرغانی فرماتے ہیں:۔

وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون راس المال لان الربح تابع وصرف الهالك الى ما هو التبع اولى كما يصرف الهلاك الى العفو فى الزكوٰة فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لانه امين۔ (ھدایہ جلد ۲ صـ ۲۶۶)	مال مضاربت میں جو نقصان واقع ہو اس کو نفع سے وضع کرنا چاہیئے کیونکہ نفع تابع ہے اور نقصان کو تابع کی طرف راجع کرنا اولیٰ ہے جس طرح اگر زکوٰۃ دینے والے کے مال میں نقصان ہو تو اس نقصان ما فوق النصاب سے وضع کیا جاتا ہے نہ کہ اصل نصاب سے اگر نقصان نفع سے بڑھ جائے وہ اصل مال سے وضع ہو گا اور مضارب اس نقصان کا ذمہ دار نہیں ہو گا کیونکہ

مضارب امین ہوتا ہے اور امین پر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

اور علامہ علاؤالدین الحصکفی ۱۰۸۸ فرماتے ہیں:۔

ولا تصح كفالة المضارب لرب المال اى بالثمن لما مر ولان الثمن امانة عندهما فالضمان تغيير للحكم الشرعى (در مختار على هامش رد المحتار جلد ۴ صـ ۳۶۵)	مضارب کا صاحب مال کو اصل مال کی ضمانت دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ مال مضارب اور وکیل کے پاس امانت ہوتا ہے اور امانت میں کسی کو ضامن کرنا شرعی حکم کو بدلنا ہے۔

مضاربت کی قسمیں

مضاربت کی فقہائے نے تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ لیکن بینکنگ کے نظام میں جن اقسام کی ضرورت پیش آسکتی ہے وہ صرف دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ ہم صرف انہیں کا یہاں ذکر کر رہے ہے۔

marfat.com

امام برہان الدین فرغانی فرماتے ہیں

والاصل ان ما یفعلہ المضارب ثلثۃ انواع نوع یملکہ بمطلق المضاربۃ وھو ما یکون من باب المضاربۃ وتوابعھا وھو ما ذکرنا ومن جملتہ التوکیل بالبیع والشراء للحاجۃ الیہ والارتھان والرھن لانہ ایفاء واستیفاء والاجارۃ والاستیجار والایداع والابضاع والمسافرۃ علی ما ذکرناہ من قبل ونوع لا یملکہ بمطلق العقد ویملکہ اذا قیل لہ اعمل برایک وھو ما یحتمل ان یلحق بہ فیلحق عند وجہ وجود الدلالۃ وذالک مثل رفع المال مضاربۃ او شرکۃ الی غیرہ وخلط مال المضاربۃ بمالہ او بمال غیرہ لان رب المال رضی بشرکتہ لا بشرکۃ غیرہ وھو امر عارض لا یتوقف علیہ التجارۃ فلا یدخل تحت مطلق العقد ولکن جھتہ فی التثمیر فمن ھذا الوجہ یوافقہ فیدخل فیہ عند وجود الدلالۃ وقولہ اعمل برایک دلالۃ علی ذالک۔

(ہدایہ، جلد ۳ ص ۲۶۸، ۲۶۷)

قاعدہ یہ ہے کہ مضارب کے کاروبار کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یہ کہ صاحب مال اور مضارب کے درمیان مطلقاً عقد ہو اس صورت میں مضارب کو خرید و فروخت کرنے کا اور مال رہن رکھنے کا رکھوانے کا، اور کرایہ پر کسی چیز کے دینے یا لینے یا کسی چیز کو بنانے (PRODUCTION) کا اور سرمایہ اکٹھا کرنے کا اور اس سلسلہ میں سفر وغیرہ کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے دوسری قسم یہ ہے کہ جس میں صاحب مال اس کو مکمل اختیار تفویض کر دے اور کہے کہ اپنی صواب دید سے کاروبار کرو اور اس قسم میں پہلی قسم کے لیے تصرفات بھی مضارب کو حاصل ہوتے ہیں علاوہ ازیں اس کو یہ اختیار بھی ہوتا ہے کہ وہ اس مال کو کسی اور شخص کو مضاربت پر دے اب یہ مضاربت در مضاربت ہو گی یا مضارب اصل سرمایہ کو کسی اور ادارہ کے ساتھ شرکت کے کاروبار میں لگا دے اور اپنے مال کو دوسری پارٹی کے مال کے ساتھ ملا دے کیونکہ صاحب مال اس شراکت پر راضی ہو چکا ہے اور یہ ایک عارضی امر ہوتا ہے جس پر تجارت موقوف نہیں ہے اسی وجہ سے مضارب کو یہ اختیار مطلقاً عقد مضاربت سے حاصل نہیں ہوتا لیکن مضارب کا یہ اختیار چونکہ تجارت میں ثمر آور ہوتا ہے اس

marfat.com

وجہ سے صاحب مال مضارب کے اس تصرف اور اختیار کو قبول کر لیتا ہے اور صاحب مال کا مضارب سے یہ کہنا کہ اپنی صواب دید سے کاروبار کرو ان تمام تصرفات اور اختیارات کے حصول کو شامل ہوتا ہے۔

شرکت اور مضاربت کا خلاصہ

شرکت (COMPANY) میں کئی افراد مل کر کاروبار کرتے ہیں اور ان کے سرمایہ کی نوعیت مساوی اور مختلف دونوں طرح کی ہو سکتی ہے سال کے اختتام پر اخراجات وضع کرنے کے بعد نفع (PROFIT) تمام شرکاء میں ان کے حصص (SHARES) کے تناسب سے پہلے سے طے کردہ متعین نسبت کے ساتھ تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اگر نقصان (LOSS) ہو تو اول تو اس کو نفع سے وضع کیا جا سکے گا اور اگر نقصان اس سے بڑھ جائے تو اس کو اصل رقم سے وضع کیا جا سکے گا۔ اور نقصان میں تمام حصہ دار برابر کے شریک ہوں گے۔ اس کی نظیر ہمارے ملک کے بڑے بڑے کاروباری ادارے مثلاً نیشنل شپنگ کارپوریشن، داؤد، آدم جی اور کوہ نور وغیرہ ہیں۔

مضاربت میں ایک فریق سرمایہ بہم پہنچاتا ہے اور دوسرا فریق کاروبار کرتا ہے۔ مضاربت میں اگر نفع ہو تو وہ پہلے سے طے شدہ شرائط کے مطابق مضارب اور اصحاب مال کے درمیان تقسیم ہو گا اور اگر نقصان ہو تو اس کے ذمہ دار صرف سرمایہ لگانے والے ہوں گے۔ مضارب کے لیے یہ نقصان کافی ہے کہ اس کو وقت محنت اور قابلیت خرچ کرنے کے باوجود کوئی صلہ نہیں ملا۔ مضاربت میں مدت کاروبار شروع کرنے سے پہلے متعین کر لینا چاہیئے۔ یہ مدت مثلاً ایک سال سے لے کر دس سال تک بھی ہو سکتی ہے۔ نفع ہر سال کے اختتام پر تقسیم کیا جائے گا اور مدت مضاربت ختم ہونے کے بعد صاحب مال کا کھاتہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر وہ چاہے تو اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ مضاربت کی قسم ثانی کاروبار کے لیے سہل اور آسان ہے اس میں سرمایہ لگانے والے مضارب سے مدت کے معاہدہ کے ساتھ اس کو اجازت دیں گے وہ جس طرح چاہے کاروبار کرے وہ اس سرمایہ کو کسی اور کو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے اور کسی کمپنی کے ساتھ مل کر شرکت کا کاروبار بھی کر سکتا ہے۔

کیا فی الواقع بینک کی ضرورت ہے

بینک کے ذریعہ ملک کے تمام بکھرے ہوئے افراد کا سرمایہ ایک جگہ جمع ہوجاتا ہے جو لوگ اپنی رقم کی حفاظت کا انتظام نہیں کر سکتے بینک کے ذریعہ ان کی رقم محفوظ ہو سکتی ہے اور جب وہ چاہیں مل جاتی ہے اگر بینک کا وجود نہ ہو اور مشترک قومی سرمایہ ایک جگہ جمع نہ ہو اور لوگ اپنے اپنے طور پر چھوٹے چھوٹے کاروبار شرکت اور مضاربت کے طور پر کریں تو ملک میں کسی بڑی صنعت کا قیام نہیں ہو سکتا اور بین الاقوامی تجارت قریب قریب ناممکن ہو جائے گی۔

موجودہ زمانہ کی تمدنی اور کاروباری زندگی میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں رقم کی منتقلی کی اشد ضرورت ہوتی ہے اگر ایک آدمی خود یہ رقم لے کر جاتا ہے تو قدم قدم پر جیب کترں کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اگر منی آرڈر (MONEY ORDER) کے ذریعہ رقم ارسال کرے تو اس پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے۔ بینک اس سے بیس پچیس گنا کم کمیشن پر رقم ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیتا ہے اسی طرح سے ایک معقول کمیشن پر ایک ملک سے دوسرے ملک میں رقم کے انتقال میں بینک کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں (BANK LOCKER) کے ذریعہ قیمتی اشیاء کی حفاظت ہوتی ہے تاجروں کے باہمی لین دین میں ہنڈی (BILL OF EXCHANGE) بھنانے میں بینک سہولت فراہم کرتا ہے (اس کے شرعی جواز کی بحث آگے آرہی ہے) اور ایک معقول کمیشن پر سفری چیک اور گشتی نوٹ جاری کرتا ہے۔ کمپنیوں کے حصص کی فروخت کا انتظام کرتا ہے اور بہت سی وکیلانہ خدمات انجام دیتا ہے اور یہ سب جائز کام ہیں علاوہ ازیں (FORIEGN EXCHANGE) یعنی غیر ممالک سے اشیاء کی درآمد بینک کے ذریعہ بہت آسانی سے ہو جاتی ہے اس کی اصلاحی صورت کا بیان آگے آرہا ہے۔ غرض یہ کہ ایک عام آدمی سے لے کر ایک صنعتی اور تجارتی ادارے تک سب کو بینک سہولت بہم پہنچاتا ہے اور ان کی ضروریات کے لیے بینک کا وجود ناگزیر ہے۔

marfat.com

مضاربت کے اصول پر بنکنگ کا نظام

جب ہم اصول مضاربت پر بینکنگ کا نظام چلائیں گے

تو بینک میں دو قسم کے کھاتے ہوں گے ایک چلت کھاتہ (CURRENT ACCOUNT) بنک میں یہ رقم لوگ اپنی بچت کو محفوظ رکھنے کے لیے بطور امانت رکھواتے ہیں اس پر بینک چاہے تو ان سے اس حفاظت کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ بینک کو بعض دفعہ حکومت کے تعمیری اقدامات کی تکمیل کے لیے رقم دینی پڑتی ہے جس رقم سے کاروبار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے کوئی نفع متوقع ہوتا ہے اس طرح بعض دفعہ کاروباری ساکھ کی بنیاد پر لوگوں کی بعض نجی ضروریات پر قرض دینا ہوتا ہے اور قرض کی رقم بھی ثمرآور نہیں ہوتی اس قسم کے قرضوں کو بینک کرنٹ اکاؤنٹ کے جمع شدہ سرمایہ سے حسب گنجائش قرض دے سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کرنٹ اکاؤنٹ پر وہ نہ کوئی سود دیتا ہے اور نہ ہے ان قرضوں پر کوئی سود وصول کرے گا۔ البتہ حساب کتاب محفوظ کرنے اور اس کے دیگر اخراجات پر وہ دونوں فریقوں سے ایک مناسب معاوضہ وصول کر سکتا ہے اور اس کی قرآن کریم اجازت دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔ البقرۃ: ۲۸۲

اے ایمان والو جب تم مقررہ مدت تک کسی قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ وہ لین دین کو صحیح صحیح لکھے۔

اور اس کے بعد فرمایا :-

ولا یضار کاتب ولا شہید۔ البقرۃ ۲۸۲ اور نہ لکھنے والے کو ضرر دیا جائے اور نہ گواہ کو

علامہ السید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ ضرر کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

لا یعطی الکاتب حقہ من الجعل او یحمل الشاہد مؤنۃ المجئ من بلد (روح المعانی جلد ۳ صہ ۶۱)

کاتب کو لکھنے کی اجرت نہ دی جائے یا گواہ کو کسی دوسرے شہر سے بلانے کے باوجود اس کو کرایہ نہ دیا جائے۔

جب ضرر کا معنی کاتب کو اجرت نہ دینا ہوئے اور یہ از روئے قرآن منع ہے تو

marfat.com

کاروباری معاملہ میں حساب کتاب رکھنے پر بینک کا معاوضہ لینا جائز ہوا۔

دوسرا کھاتہ ہوگا فکسڈ ڈپازٹ (FIXED DEPOSITS) جس میں رقم جمع کرانے والا بینک سے ایک معین مدت مثلاً ایک سال کے لیے کاروبار کا معاہدہ کرے گا کہ ایک سال سے پہلے وہ رقم نہیں نکلوا سکے گا اور اس کی رقم حصص (SHARES) کہلاتے گی اور رب المال کو (SHARE HOLDER) کہا جائیگا اور حصص کی صورت میں جو بینک کے پاس رقم جمع ہوگی بینک، اس سے کاروبار کرے گا جس کی مندرجہ ذیل صورت ہو سکتی ہیں :۔

۱۔ اندرون ملک تجارت (BUSINESS) کرے۔

۲۔ بیرون ملک درآمد برآمد (IMPORT EXPORT) کرے۔

۳۔ صنعتی پیداوار (INDUSTRIAL PRODACTION) کے لیے کارخانے قائم کرے۔

۴۔ عمارات (BUILDING) بنا کر ان کو کرایہ پر دے۔

۵۔ دوسری کمپنیوں کے حصص خریدے اور ان سے شراکت کا کاروبار کرے۔

۶۔ تیل صاف کرنے کے کارخانے (REFINERY) لگائے۔

۷۔ عمارات تیار کر کے فروخت کرے (HOUSING SCHEME)

اور اس قسم کے دوسرے آمدنی کے ذرائع کو اپنا کر بنک کاروبار کرے اور ایک سال بعد اخراجات وضع کر کے نفع تقسیم کرے۔ فرض کیجئے بنک اور حصہ دار کے درمیان ایک سال کے لیے نصف نصف کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اور ایک سال کے بعد بنک کو ۴۰ فیصد نفع ہوتا ہے (یاد رہے کہ آج کل بعض کاروباری لوگ دس روپیہ کی چیز پر ۶۰ روپیہ تک نفع لیتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ سوئٹزر لینڈ سے لبر یکس (LIBREX) گیس السر کی دوا گیارہ روپے کی چلتی ہے اور یہاں وہ ۶۷ روپے میں بمشکل دستیاب ہوتی ہے) تو جس شخص نے سو روپیہ جمع کرائے تھے اس کو سال کے بعد بیس روپے نفع ملے گا اور بیس روپیہ بینک

marfat.com

رکھے گا۔ اب حصہ دار کی مرضی ہو گی کہ وہ آئندہ سال کے لیے اپنا شیئر برقرار رکھے یا اپنا شیئر واپس لے لے۔ یہ صاف اور سیدھا کاروبار کا طریقہ ہے اور اس طریقہ سے رقم جمع کرانے والوں کو چھ فی صد حساب کے حرام سود سے انشاء اللہ زیادہ نفع ہو گا اور وہ خالص حلال و طیب ہو گا۔

اعتماد کی ضمانت ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ موجودہ نظام بینکاری اعتماد پر قائم ہے۔ بینک اپنی امانتوں کا بیشتر حصہ کاروبار میں لگاتا ہے یا قرض دے دیتا ہے۔ عام معاشی حالت کیسی ہی ہو اور قرض لینے والے کا جو بھی حال ہو بینک ہر حال میں اپنا اصل زر مع سود کے وصول کر لیتا ہے۔ اس لیے بینک کے کھاتہ داروں کو پورا یقین ہوتا ہے کہ ان کا سرمایہ محفوظ رہے گا اور میعادی امانت داروں کو مقررہ شرح کے مطابق سود بھی ملے گا یہ وہ اعتماد ہے جس کی بناء پر بینکوں میں جمع شدہ رقوم میں بالعموم اضافہ ہوتا رہتا ہے اگر یہ اعتماد کسی وجہ سے متزلزل ہو جائے تو نظام بینکاری بری طرح متاثر ہوتا ہے جس کے نتائج ملکی معیشت کے لیے بھی نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔

سود کی جگہ شرکت اور مضاربت کے اصول پر اگر (BANKING SYSTEM) بینکاری کا نظام چلایا جائے تو یہ عین نظام مصطفےٰ کے مطابق ہو گا اور عوام کے استحصال اور سود کی پیدا کردہ بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی لیکن اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اتنے عرصہ تک سودی نظام کے رواج سے اچانک اس نظام میں تبدیلی سے لوگوں کے ذہن میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں کہ شرکت اور مضاربت پر عمل کرنے سے بینک نقصان اٹھا سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جو رقوم بینکوں میں جمع کرائی ہیں وہ ڈوب جائیں۔

نئے نظام کی کامیابی کے لیے ضروری ہو گا کہ کھاتہ داروں کا اعتماد بینکوں پر ہر صورت میں قائم رہے کیا اس اعتماد کو برقرار رکھنے کے لیے ضمانت کا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً حکومت یا انشورنس کمپنی اس بات کی ضمانت دے کہ اگر غیر سودی

بینک کے کاروبار مضاربت سے کھاتہ دار کی اصل رقم ضائع ہوگئی یا اس کو نقصان ہوا تو حکومت یا انشورنش کمپنی اس کی رقم ڈوب جانے کی صورت میں وہ اس کا اصل رقم کا بدل مہیا کرے گی اور نقصان کی صورت میں اس کی تلافی کرے گی۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کھاتہ داروں کو اعتماد میں لینے کے لیے کسی قسم کے تحفظ کی نہ شرعاً کوئی ضرورت ہے اور نہ عقلاً۔ شرعاً تو اس لیے کہ جب انسان شرکت اور مضاربت کے طور پر کسی کاروبار میں روپیہ لگاتا ہے تو شرعاً وہ نفع اور نقصان دونوں کا ذمہ دار ہوتا ہے اور عقلاً اس لئے کہ جب دو فریق کاروبار کر رہے ہیں اور تیسرے فریق کا اس کاروبار میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی ان کے باہمی حاصل شدہ نفع میں اس کا کوئی حصہ ہے تو آخر کس بناء پر اس تیسرے فریق کو ان کے نقصان کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور جب تیسرا فریق ان کے نفع میں شریک نہیں ہے تو اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ ان کے نقصان کی تلافی کرتا پھرے۔

علاوہ ازیں فقہاء اسلام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جب دو فریق کاروبار کر رہے ہوں اور تیسرا فریق کسی ایک سے کہے تم کاروبار کرو اگر نقصان ہوگیا یا میرے سے اصل رقم ضائع ہوگئی تو میں ضامن ہوں گا تو اس قسم کی ضمانت صحیح نہیں ہے۔

فقہاء احناف کے طبقہ ثالثہ میں سے امام فخر الدین حسن بن منصور الاورجندی الفرغانی الحنفی المعروف بقاضی خان المتوفی ۵۹۲ھ جن کو احناف مجتہد فی المسائل قرار دیتے ہیں۔ (رد المحتار جلد ۱ صہ ۷۰) وہ تحریر فرماتے ہیں۔

رجل قال للآخر بایع فلانا علی ان ما اصابك من خسران فیه فهو علی او قال رجل للرجال ان هلك عبدك هذا فانا ضامن به فلا نعم هذا	ایک شخص ایک فریق سے کہے کہ تم فلاں فریق سے کاروبار کرو اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں یا ایک شخص دوسرے شخص سے کہے اگر تمہارا یہ غلام ہلاک ہوگیا تو اس کا میں ضامن

marfat.com

الکفالۃ (فتاوی قاضی خان علی الہندیہ جلد ۳ صـ ۶۲)

ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے۔

اور امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔

وذکر القاضی بایع فلانا علی ان ما اصابک من خسران فعلی او قال الرجل ان هلک عندک هذا فانا ضامن لم تصح (فتاوی بزازیہ علی الهندیہ جلد ۶ صـ ۱۵)

قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کسی شخص سے کہے کہ تم فلاں شخص سے کاروبار کرو اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں یا کسی شخص سے کہا اگر تمہارا یہ مال ضائع ہوگیا تو میں ضامن ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ حامد آفندی مفتی دمشق حنفی متوفی ۹۸۵ھ تحریر فرماتے ہیں:-

سئل فیما اذا اشتری زید مقدارا معلوما من البصل من عمرو ثم خسر فیہ ویرید الرجوع علی عمرو البائع زاعما انہ ضمن لہ ذالک فهل یکون ضمان الخسران باطلا الجواب نعم لانہ اما ضامن لما یخسرہ کما قال بعضهم نظرا الی قولہ علی لانہ الوجوب فلا یجوز کما قال لرجل بایع فی السوق فما خسرت فعلی زیلعی من من الکفایۃ وفی شرح التنویر للعلائی لانہ اما ضمان الخسران او توکیل بمجہول وذالک باطل لہ وهذا ملخص ما فی الزیلعی وغیرہ مسئلہ

سوال :- زید نے عمرو سے ایک معین مقدار پیاز خریدی اور اس میں نقصان ہوا تو کیا وہ نقصان کی تلافی عمرو سے کر سکتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ عمرو اس نقصان کا ضامن ہے یا یہ ضمانت باطل ہے (جواب) ہاں یہ ضمانت باطل ہے اور یہ اسی طرح ناجائز ہے جیسا کہ کوئی شخص بازار میں کسی سے کہے کہ تم خریداری کرو جو نقصان ہوگا اس کا میں ضامن ہوں (بحوالہ زیلعی) اور علامہ علائی نے شرح تنویر میں فرمایا کہ یا تو یہ ضمانت خسران ہے یا توکیل بالمجہول ہے اور دونوں باطل ہیں اور زیلعی وغیرہ کتب فقہ میں خانیہ کے

marfat.com

بایع فی السوق صرح بہا فی الخانیۃ بقولہ رجل قال لآخر بایع فلانا علی ان ما اصابك من خسران فہو علی لا تصح الکفالۃ۔

حوالہ سے ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا تم فلاں سے کاروبار کرو اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے۔

(تنقیح الفتاوی الحامدیہ جلد ا صد ۲۶۶)

اور علامہ خیر الدین الرملی الحنفی المتوفی ۱۰۸۱ھ تحریر فرماتے ہیں۔

سئل فی دلال قال لآخر اشتر ھذا بکذا وان خسر فعلی فاشتراہ فخسر ھل تصح ویلزمہ الخسران ام لا (اجاب) لا تصح ولا یلزمہ الخسران فقد صرح فی البزازیہ بانہ قال بایع فلانا علی انما اصابك من خسران فعلی لم یصح وقد ذکرہ فی البحر فی شرح قولہ وما غصبك فلان فعلی نا قلا عنہ ومثلہ فی کثیر من الکتب (فتاوی خیریہ علی الحامدیہ ج صد ۲۶۲)

سوال: ایک دلال نے کسی شخص سے کہا یہ چیز اتنے میں خرید لو اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں اس نے خرید لی اور نقصان ہوا تو کیا دلال اس نقصان کا ضامن ہوگا (جواب) یہ ضمانت صحیح نہیں اور اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا کیونکہ بزازیہ میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم فلاں سے کاروبار کرو اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے اور بحرالرائق نے بھی یہ مسئلہ ذکر کیا ہے اور اس کی مثالیں بہت سی کتابوں میں ہیں۔

اور فتاوی عالمگیری مدون شدہ ۱۰۸۲ھ میں ہے۔

رجل قال لآخر بایع فلانا علی ان ما اصابك من خسران فعلی او قال ان ھلك عبدك ھذا فانا ضامن بہ فلا تصح ھذا الکفالۃ۔

(فتاوی عالمگیری جلد ۳ صد ۲۰۲ تا ۲۰۱)

ایک شخص نے کسی کاروباری فریق سے کہا کہ تم فلاں سے کاروبار کرو اگر تم کو نقصان ہوا تو میں ذمہ دار ہوں یا کہا اگر تمہارا یہ غلام ہلاک ہوا تو میں ذمہ دار ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے۔

فائدہ: اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) نے اپنی سلطنت کے تمام

marfat.com

اطراف واکناف سے پچاس جید اور فاضل حنفی علماء کو جمع کیا۔ جنھوں نے آٹھ سال کی مدت میں کثیر محنت شاقہ سے ایک سو نبیس فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے اس فتاوی کو مرتب کیا اس فتاوی کی تالیف پر ۲ لاکھ عالمگیری سکے خرچ ہوئے اور یہ عہد عالمگیری کا آئین قرار پایا۔ فتاوی کی ترتیب اور تدوین کا کام چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر حصہ کی تدوین کا قائد ایک ایک قاضی مقرر کیا گیا اور اس کی معاونت کے لیے دس دس فاضل اور جید علماء مقرر کیے گئے۔ ایک ربع کے قائد محمد حسین جونپوری متوفی ۱۰۸۱ھ تھے اور ایک ربع کے قائد محمد اکرام لاہوری متوفی ۱۰۹۴ھ تھے ایک ربع کے قائد سید جلال الدین محمد مچھلی شہری تھے اور ایک ربع کے قائد شیخ وجید گوپاموی متوفی ۱۰۹۷ھ تھے۔ ان تمام علماء کی ٹیم کے صدر شیخ نظام الدین برہان پوری متوفی ۱۰۹۲ھ تھے سلطان اورنگ زیب عالمگیر خود بھی اس کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ شیخ نظام الدین ان کو بعض حصص پڑھ کر سناتے اور وہ اس پر بسا اوقات اصلاح اور تنقید کیا کرتے تھے۔ یہ کتاب ۱۰۷۴ھ میں شروع اور ۱۰۸۲ھ میں مکمل ہوئی۔ اس فتاوی کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی یہ فتاوی متعدد بار، ہند، مصر، افغانستان اور بیروت سے چھپ چکا ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فارسی زبان میں اس کا ترجمہ چلپی عبداللہ رومی نے کیا۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ احتشام الدین مراد آبادی اور امیر علی نے کیا اور ۱۸۵۰ء میں بیلی نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اس کا نام (A, DIGEST OF MOHAMMEDEN HANEEFEA ISLAMIA LAES IN INDIAE) رکھا۔ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں مسلمانوں کے شرعی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے مدتوں تک فتاوی عالمگیری پر عمل ہوتا رہا ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۱۴۹، ۱۴۵)

اور علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ بیع جینہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

لا شئ علی الآمر لانہ اما ضمان الخسران او توکیل بمجہول وذالک باطل	کاروبار کا حکم دینے والے پر کوئی ضمانت نہیں ہے کیونکہ یہ یا تو نقصان کی ضمانت ہے یا

marfat.com

(درمختار شرح تنویر الابصار علی ہامش الرد المحتار جلد ۴ صہ ۳۸۷) مجہول کی وکالت ہے دونوں باطل ہیں۔

اور علامہ علی ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں

ای نظرا الی قولہ علی فانہا للوجوب فلا یجوز کما اذا قال لرجل فما خسرت فھو علی (در) ۔ (ردالمحتار جلد ۴ صہ ۳۸۷) آمر کے قول مجھ پر ذمہ ہے کی طرف نظر کرتے ہوئے کیونکہ یہ کلمہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے پس یہ جائز نہیں ہے جس طرح کوئی شخص کسی کو کہے بازار میں بیع کر دو اگر تم کو نقصان ہوا تو میں ذمہ دار ہوں یہ بھی ناجائز ہے (بحوالہ درر غرر)

اور شیخ زین الدین ابن نجیم المتوفی ۱۲۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں :۔

لو قال بایع فلانا علی ما اصابک من خسران فعلی لم یصح (البحر الرائق جلد ۶ صہ ۲۲۲) اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص سے کاروبار کرو اگر تم کو نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے۔

اور خاتم المحققین سید محمد امین المعروف بابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں :۔

لو قال بایع فلانا علی ان اصابک من خسران فعلی لم یصح قال الخیر الرملی اقول وھو صریح من من قال استاجر طاحونۃ فلان وما اصابک من خسران فعلی لم یصح وھی واقعۃ التقوی (ردالمحتار جلد ۴ صہ ۳۶۷) اگر کسی شخص نے ایک فریق سے کہا کہ فلاں سے کاروبار کرو اگر تم کو نقصان ہوا تو میں ذمہ دار ہوں تو صحیح نہیں۔ علامہ رملی نے فرمایا اس جزیہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ کسی شخص نے کہا فلاں شخص سے چکی کرائے پر لو اگر تم کو نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں تو یہ ضمانت صحیح نہیں ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

فضلائے کرام کی ان تمام تصریحات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جب دو فریق کاروبار کر رہے ہوں تو تیسرے فریق کے لئے خواہ وہ حکومت ہو یا انشورنس کمپنی ان کے

marfat.com

کاروبار میں اصل مال کی ہلاکت یا نقصان کی ضمانت دینا از روئے شرع جائز نہیں لہذا حکومت کا کھاتہ داروں کو نقصان یا اصل مال کی ضمانت دینا نہ عقلاً صحیح ہے نہ شرعاً صحیح ہے۔

نیز یہ اعتماد کی ضمانت حقائق، واقعات اور مشاہدات کے بھی بالکل برعکس ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ گورنمنٹ کے مقرر کردہ ادارے STOCK EXCHANGE MARKET INDUSTRIAL AND TRADE COMPANIES سٹاک ایکسچینج مارکیٹ اور مختلف صنعتی اور تجارتی کمپنیوں کے حصص SHARES فروخت کیے جاتے ہیں جبکہ یہ صنعتی لوارے مثلاً NATIONAL SHIPPING CORPORATION) نیشنل شپنگ کارپوریشن، داؤد، آدم جی، کوہ نور وغیرہا کمپنیاں بھی شراکت کے اصول پر کام کرتی ہیں اور اگرچہ ان میں سے بعض کمپنیوں کو اکثر و بیشتر نفع ہوتا ہے اور نقصان کے احتمال کے باوجود یہ حصص (SHARES) بھاری تعداد میں فروخت ہوتے ہیں اور اس خریداری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور لوگوں کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ بیس روپیہ کے شیئر کو پچیس پچیس روپیہ میں بھی خرید لیتے ہیں۔ ان حقائق واقعات اور مشاہدات کو سامنے رکھتے ہوئے اس تردد کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب بینک مضاربت کے اصول پر کاروبار کرے گا تو لوگ فکسڈ ڈپازٹ (FIXED DEPOSIT) کی شکل میں اس کے حصہ دار (SHARE HOLDER) نہیں بنیں گے اور عام تجربہ کو سامنے رکھتے ہوئے ظن غالب یہی ہے کہ بینک کو بھی دیگر کمپنیوں کی طرح اس کاروبار میں بہت زیادہ نفع ہوگا اور اگر بالفرض کبھی نقصان بھی ہوا تو اولاً تو اس نقصان کو نفع سے پورا کرنا چاہیے اور اگر کسی صورت میں یہ نقصان کھاتہ داروں پر پڑ ہی جائے تو ان کو یہ نقصان اسی جذبہ (SPIRIT) سے برداشت کر لینا چاہیے جس طرح مختلف کمپنیوں کے شیئرز میں وہ بعض دفعہ نقصان برداشت کر لیتے ہیں۔

بینک کے ذریعہ درآمدات کی اصلاح

بینک کے ذریعہ ایک اہم

marfat.com

خدمت جو حاصل کی جاتی ہے وہ بیرونی ممالک سے اشیاء کی درآمد ہے ایک تاجر نے اگر مثلاً ایک لاکھ روپیہ کا مال منگوانا ہے تو وہ بینک میں /۰۰۰۰ ۴ہم چالیس ہزار روپیہ جمع کر کے (L.C) کھول لیتا ہے اب بینک کام شروع کر دیتا ہے اور دوسرے ملک سے مال خرید کر پوری قیمت کی ادائیگی اس ملک کے بینک کو کر دیتا ہے اور جس دن سے وہ رقم ادا کرتا ہے (یعنی ساٹھ ہزار روپیہ) تو اس دن سے مال چھڑانے تک اس رقم پر سود لاگو کر دیتا ہے اس سود کو ختم کر دیا جائے اور اس کی بجائے بینک ایک معقول اور معتدبہ رقم اپنے تمام اخراجات اور حق خدمت کے طور پر بطور کمیشن وصول کرے اس صورت میں سود کی لعنت سے بھی نجات ملے گی۔ نہ بینک کو کوئی نقصان ہوگا اور نہ تاجروں کو باہر سے مال منگوانے کی سہولت میں کوئی فرق آئے گا۔

ہنڈی بھنوانے کی اصلاح

آج کل ہنڈی BILL OF EXCHANGE بھنانے کا طریقہ کار اس طرح ہے۔ زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے لیے زید نے عمرو کو ایک دستاویز ہنڈی کی شکل میں فراہم کر دی۔ عمرو نے بنک الف میں یہ ہنڈی پیش کی تاکہ اس کی بناء پر بینک سے رقم قرض لے اور بینک یہ رقم مدت گزرنے کے بعد زید سے یا زید کے وکیل بینک سے وصول کرے بینک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں بلکہ اصل میں سے کچھ حصہ اپنے حق کے طور پر وضع کر لیتا ہے گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول کرنے کے لیے کٹوتی منظور کرنی پڑتی ہے۔

ہنڈی کا طریقہ شرعی اصطلاح میں حوالہ کی تعریف میں آتا ہے لیکن طریقہ مروجہ کو شریعت کے مطابق کرنے کے لیے اس میں کچھ تغیر کرنا ہوگا۔ زید جب عمرو سے تین ماہ بعد ادائیگی کے وعدہ پر مال خریدتا ہے اور اس کو ایک دستاویز فراہم کرتا ہے جس کو دکھا کر عمرو وقت سے پہلے بھی بینک سے رقم لے سکتا ہے اس صورت میں زید محیل بینک محتال اور عمرو محتال علیہ قرار پایا۔ اس کے جواز کی اصل یہ حدیث ہے

marfat.com

من احیل علی ملئی فلیتبع (طبرانی) (جو شخص کسی مالدار پر اپنا قرض حوالہ کر دے اس کو مان لینا چاہیئے) اب یہاں اس طرح اصلاح ہونی چاہیئے کہ زید اس دستاویز پر کسی معین بینک کے نام پر یہ ہدایت کر دے کہ میں اپنا قرض تمہارے حوالے کرتا ہوں اور میری جگہ یہ قرض تم کو عمرو ادا کرے گا اور جب بینک نے اس دستاویز کو منظور کر لیا تو حوالہ مکمل ہو گیا۔

امام برہان الدین فرغانی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں :۔

وتصح الحوالۃ برضا المحیل والمحتال والمحتال علیہ (ھدایہ ج ۳ ص ۱۲۹)

جب محیل، محتال اور محتال علیہ معاہدہ پر راضی ہو جائیں تو حوالہ صحیح ہو جائے گا۔

اب محتال علیہ مثلاً عمرو (قرض خواہ) کو اختیار ہے کہ وہ اپنی رقم میں سے جس قدر چاہے رقم ساقط کر دے اور محتال (بینک) سے وقت سے پہلے رقم وصول کرے مثلاً اگر محتال علیہ نے تین ماہ بعد بینک سے ایک ہزار روپیہ وصول کرنا ہے۔ اب وہ چاہے تو تین ماہ بعد بنک سے پوری رقم وصول کرے اور چاہے تو اس رقم میں سے پچاس روپیہ ساقط کر دے اور مقررہ میعاد سے پہلے رقم وصول کرے کیونکہ وہ خود اپنا حق ساقط کر رہا ہے اور اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے :۔

ضعوا وتعجلوا (شرح السیر الکبیر للسرخسی جلد ۳ ص ۲۲۵)

قرض خواہ قرض کی رقم کچھ کم کر دے اور مقروض سے جلد رقم وصول کرے۔

اس حدیث شریف سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں :۔

عن کعب انہ تقاضی ابن ابی حدرد کان لہ علیہ فی المسجد فارتفعت اصواتہما حتی سمعہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو فی بیتہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد سے قرض لینا تھا انہوں نے مسجد نبوی میں اپنے قرض کا تقاضا کیا حتی کہ حضور نے ان کی آوازوں کو اپنے حجرہ میں سُن لیا۔ آپ نے

marfat.com

فخرج الیھا حتی کشف سجف حجرتہ فنادی یاکعب قال لبیک یارسول اللہ قال ضع من دینك ھذا داومأ الیہ الشطر قال لقد فعلت یارسول اللہ قال قم فاقضہ۔

(صحیح بخاری جلد۱ ص ۶۵)

حجرہ کا پردہ ہٹایا اور حضرت کعب کو آواز دی انہوں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ آپ نے فرمایا اپنے قرض کو کچھ کم کرو اور اشارہ سے فرمایا کہ آدھا کم کردو۔ انہوں نے آدھا کم کردیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی حدرد سے فرمایا اٹھو اب ان کا قرض ادا کردو۔

ان دو حدیثوں اور حوالہ کی فقہی صورت کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ ھنڈی بھنانے کے لئے قرض خواہ بینک سے قبل از وقت رقم وصول کرنے کے لیئے اپنے قرض میں کٹوتی کر سکتا ہے۔

بیع الکالئی بالکالئی

بعض علماء کو یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ ہنڈی بھنانے کا یہ طریقہ بیع الکالئی بالکالئی کی زد میں آتا ہے ۔اس لیئے ہم اس مقام پر بیع الکالئی بالکالئی کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ حدیث مذکور یہ ہے۔

حافظ ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اور حافظ ابو بکر احمد الحسین علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یباع کالئی بکالئی۔

مصنف عبدالرزاق ج۸ ص۹۰، السنن الکبری ج۵ ص۲۹۰

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی بیع قرض کے عوض کرنے سے منع فرما دیا ہے۔

ان محدثین کے علاوہ یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف اسحق بن راہویہ، مصنف بزار، حاکم، دار قطنی اور طبرانی نے بھی اپنی اپنی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے اور ہر سند کے بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے تاہم امام ابن ہمام فرماتے ہیں:۔

والحدیث لا تنزل عن الحسن بلا شك یہ حدیث بہر حال حسن ہے

marfat.com

اور حدیث کا معنی بیان فرماتے ہیں :۔

قال ابو عبیدة هوالنسیئة بالنسیئة — کالئ بالکالئ کا معنی قرض کی بیع قرض کے عوض ہے

(فتح القدیر جلد ۵ صـ ۲۸۶ طبع دوم)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو سے ایک ہزار روپیہ قرض لیا اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں اس ایک ہزار کے عوض جو مجھ پر قرض ہے تم کو ایک تھان کپڑے کا ایک ماہ بعد ادا کر دوں گا تو یہ ادھار کی بیع ادھار کے عوض ہے اور بیع الکالئ بالکالئ ہے لیکن ہنڈی (BILL OF EXEHANYE) بھنانا اس تعریف کی زد میں ہرگز نہیں آتا۔

نقد اور ادھار قیمتوں میں فرق

سود کے معاملہ میں ایک یہ سوال بھی زیر بحث لایا جاتا ہے کہ بیع میں نقد اور ادھار کی صورت میں علیحدہ علیحدہ قیمتیں مقرر کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے اس بیع کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ زید کوئی چیز ادھار فروخت کرتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ وہ دوسرے نقد فروخت کرنے والوں کے مقابلہ میں گراں فروش ہے۔

۲۔ زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو روپیہ اور ادھار ایک سو بیس روپیہ ہے

۳۔ زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپیہ ہے دس روپیہ ماہانہ کی بارہ قسطوں میں فروخت کرتا ہے۔

۴۔ زید قسطوں پر مال فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے تو اسے بیس فیصد رعایت دی جا سکتی ہے۔

ان چار صورتوں میں پہلی تیسری اور چوتھی صورت جائز ہے البتہ دوسری صورت جس میں زید علانیہ کہتا ہے کہ اس چیز کی نقد قیمت سو روپیہ اور ادھار ایک سو بیس روپیہ ہے خواہ وہ ادھار روپیہ بالاقساط وصول کیا جائے یا یکمشت نقد اور ادھار قیمتوں میں فرق کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے[1]

---

[1] نقد اور ادھار قیمتوں میں فرق کو مقالات کے پہلے ایڈیشن میں میں نے جائز لکھا تھا لیکن بعد میں مجھ پر دلائل سے واضح ہوا کہ یہ ناجائز ہے اس لیے میں نے یہ ترمیم کر دی ہے۔ غلام رسول سعیدی غفرلہ

marfat.com

عن ابی ہریرۃ قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ [1]

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیعوں کو ایک بیع میں کرنے سے منع فرمادیا ہے

امام ترمذی بیعتین فی بیعۃ کی ایک صورت بیان فرماتے ہیں۔

وقد فسر بعض اھل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین [2]

بعض اہل علم نے بیعتین فی بیعۃ کی تفسیر کی ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں۔

شوکانی اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیھا الدلالۃ علی المنع من البیع اذا وقع علی ھذہ الصورۃ وھی ان یقول نقدا بکذا ونسیئۃ بکذا لا اذا قال من اول الامر نسیئۃ بکذا فقط وکان اکثر من سعر یومہ [3]

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ جب بیع اس صورت پر واقع ہو کہ بایع کہے کہ یہ چیز نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی تو یہ بیع ناجائز ہے البتہ اگر وہ ابتداً کہے یہ چیز ادھار اتنے کی ہے حالانکہ اس کی قیمت اس دن کی قیمت سے بہت زیادہ لگائی ہو تو یہ جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں بڑی صراحت کے ساتھ اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

رجل باع علی انہ بالنقد کذا وبالنسیئۃ بکذا اوعلی انہ الی شھر بکذا او الی شھرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصۃ [4]

ایک شخص نے اس طور پر بیع کی کہ یہ چیز نقد اتنے کی ہے اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی ہے اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی ہے تو یہ ناجائز ہے اسی طرح خلاصہ میں ہے۔

بعض عبارات اس کے خلاف کی موہم ہیں یہاں ہم ان کا مطلب بیان کر دیتے ہیں۔

مثلاً امام ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ بیان فرماتے ہیں۔

فان کون الثمن علی تقدیر النقد الفا وعلی تقدیر النسیئۃ الفین لیس فی معنی الربا [5]

نقد کی صورت میں قیمت کا ہزار ہونا اور ادھار کی صورت میں دو ہزار سود کے معنی میں نہیں ہے۔

علامہ ابن ہمام نے اس عبارت میں یہ بتلایا ہے کہ یہ سود نہیں ہے یہ نہیں کہا کہ یہ بیع جائز ہے اس کے عدم جواز کی وجہ بیع فی بیعتین ہے اسی طرح ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ فرماتے ہیں۔

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ۔ جامع ترمذی ص ۱۹۷ [2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ۔ جامع ترمذی ص ۱۹۷، ۱۹۸ [3] محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۷۲ [4] ملا نظام الدین۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۳۶ [5] امام کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ۔ فتح القدیر ج ۶ ص ۸۱۔

فسروا البیعتین فی بیعة علی وجهین احدھا ان یقول بعتك ھذا الثوب بعشرۃ نقدا او بعشرین نسیئة الی شھر فھو فاسد عند اکثر اھل العلم لانہ لا یدری ایھما جعل الثمن وثانیھا ان یقول بعتك ھذا العبد بعشرۃ دنانیر علی ان تبیعنی جاریتك بکذا فھذا خالہ لانہ بیع وشرط۔[1]

بیعتین فی بیعة کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ بایع یوں کہے کہ میں یہ کپڑا تم کو نقد دس روپیہ کا بیچتا ہوں یا ایک ماہ کے ادھار پر بیس روپیہ کا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے کیونکہ اس صورت میں معین نہیں ہوا کہ اس نے کس قیمت کو ثمن قرار دیا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کہے میں تم کو یہ غلام دس روپیہ میں بیچتا ہوں کہ تم بھی اپنی کنیز مجھ کو اتنے میں بیچ دو اور یہ بیع بھی فاسد ہے کیونکہ یہ بیع اور شرط ہے

بیعتین فی بیعة کی یہاں دو صورتیں بیان کی ہیں لیکن جس صورت کو عالم گیری نے ناجائز قرار دیا ہے اس سے یہاں تعرض نہیں کیا گیا۔

قوت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا فرض

ایک سوال یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے گرانی ہوتی ہے یہ افراط بعض اوقات قومی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراط زر میں لوگوں کی قوت خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی صورت میں حکومت کے لیے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوت خرید میں کمی واقع ہونے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کر دے دوسرے الفاظ میں ان کے سکہ کے قدر کی ضامن ہو۔ یاد رہے کہ کبھی کبھی مندرجہ بالا عوامل کی بناء پر تفریط زر کی کیفیت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ بالکل برعکس ہوتا ہے۔

قوت خرید میں کمی بیشی کے تعین کے لیے مختلف اشیاء کی قیمتوں کا نمائندہ اشاریہ استعمال کیا جا سکتا ہے کیا اس اشاریئے کو مستقبل کی ادائیگیوں کے معاہدے

---

[1] ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ۔ مرقاۃ المفاتیح ج ۶ ص ۸۱۔

marfat.com

کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ گویا اس طرح مستقبل کی ادائیگیوں کے لیے سکہ کی ثمنیت بعینہٖ نہیں رہے گی بلکہ اضافی ہو جائے گی۔ جس کا انحصار سال بہ سال بدلتی ہوئی مجموعی قیمتوں کے اوسط پہ ہوگا اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپیہ دیئے جس سے اس وقت چار من غلہ آتا تھا اور ایک سال بعد چار من غلہ کی قیمت ایک سو بیس روپیہ ہو تو اس کو بجائے سو روپیہ کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں لیکن اگر یہ قیمت اسّی روپیہ رہ جائے تو اس کو اسّی روپیہ دیئے جائیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ملکی پالیسی اور بیرونی اثرات کی وجہ سے جو سکہ کی قیمت (MARKEET VALUE) پر اثر پڑتا ہے اس کی تلافی کی حکومت ذمہ دار نہیں ورنہ اس کے ردعمل میں سینکڑوں الجھاوے لاحق ہوں گے اور ملک میں اقتصادی بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ اشاریہ کے طریق کار کی جو مثال دی گئی ہے وہ شرعاً صحیح نہیں ہے مثلاً زید نے تین سال کے لیے عمرو کو ایک سو روپیہ قرض دیا اور اس وقت اس سے چار من غلہ آتا ہے اور تین سال بعد افراط زر کی وجہ سے چار من غلہ کی قیمت ۱۲۰ روپیہ ہو اور وہ عمرو سے سو کی بجائے ایک سو بیس روپیہ وصول کرے تو یہ صریحاً ربوٰ النسیۃ ہے جو حرام قطعی ہے اور اگر تفریط زر (جو تقریباً محال عادی ہے) کی وجہ سے چار من غلہ اسّی روپیہ کا رہ جائے تو قرض خواہ کو اس کی مرضی کے خلاف میں روپیہ کم لینے پر شرعاً مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں قرض دینے کی صورت میں زید کی رقم کا تحفظ کس طرح ہو اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ زید سو روپیہ کی چیز عمرو کو ایک سو بیس روپیہ میں تین سال کے ادھار پر فروخت کر دے پھر بعد میں عمرو اسی چیز کو زید یا کسی اور شخص کے ہاتھ نقد سو روپیہ میں فروخت کر کے اپنا کام چلائے اور تین سال بعد زید کو ایک سو بیس روپیہ واپس کر دے لیکن اس صورت میں اولاً تو یہ اشکال ہے کہ یہ بیع عینہ ہے اور سود خوری کا حیلہ ہے جس کی حدیث شریف میں شدید مذمت کی گئی ہے اور فقہائے اس کو مکروہ قرار دیا ہے دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں بھی یہ یقین کیسے کیا جا سکتا ہے کہ تین سال بعد وہ سو روپیہ ایک سو بیس کا ہوگا وہ ایک سو پچاس

marfat.com

کا بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے ہم افراط زر کی قدر کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔ تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں افراط زر کی رعایت تو کسی قدر ملحوظ ہے لیکن تفریط زر کی کوئی رعایت نہیں کی گئی۔

ہمارے خیال میں اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ چونکہ بین الاقوامی زر مبادلہ اور ملکی اور بیرونی مالیت کا مدار سونا ہے اور سونا ہی صرف ایک ایسی جنس ہے جو مشترک ثمن کا مقام رکھتی ہے اور افراط زر ہو یا تفریط زر سونے کی قیمت ——— اس سے اثر انداز نہیں ہوتی۔ فرض کیجئے آج سونا پانچ سو روپیہ تولہ ہے اب عمر نے زید سے پانچ سو روپیہ تین سال کے لیے قرض مانگا تو زید اس کو پانچ سو روپیہ نہ دے بلکہ اس کی بجائے ایک تولہ سونا قرض دیدے اور کہے میں نے تم سے تین سال بعد ایک تولہ سونا واپس لے لینا ہے۔ اب تین سال بعد ایک تولہ سونے کی قیمت افراط زر کی وجہ سے آٹھ سو روپے ہو جائے یا تفریط زر کی وجہ سے ۳۰۰ روپے رہ جائے زید نے جو اس کو ایک تولہ سونا دیا تھا وہ اس کو اس کی اصل قیمت (MARKEAT VALUE) کے ساتھ واپس مل جائے گا۔ یہ صورت بالکل سیدھی ہے اور صاف ہے اور قرض خواہ اور مقروض دونوں میں سے کسی کی مالیت کم و بیش نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے۔

عہد رسالت اور دور صحابہ میں سونے چاندی کے سکہ ہوتے تھے۔ سونے کا سکہ دینار اور چاندی کا سکہ درہم کہلاتا تھا بعد کے دور میں اشرفیوں اور ڈھلے ہوئے روپوں کا رواج ہوا اشرفی سونے کی اور ڈھلا ہوا روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور جب قرض خواہ مقروض کو دینار و درہم یا اشرفی اور روپیہ قرض دیتا تھا تو خواہ دس سال بعد بھی اس کو رقم واپس ملتی ! ——— اس کی رقم جوں کی توں رہتی اور اس رقم کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اب جب سے نوٹوں کا رواج ہوا ہے تو افراط زر کی وجہ سے قرض خواہ کی دی ہوئی رقم کا تحفظ نہیں رہتا اور اگر ایک شخص آج کسی کو دس سال کے لیے ایک ہزار روپے قرض دیتا ہے تو افراط زر کی وجہ سے دس سال بعد

marfat.com

دہ ہزار روپیہ صرف سو روپے کا رہ جاتا ہے اس نقصان سے بچنے کے لیے لوگوں نے قرض پر دی ہوئی اپنی رقم پر سود لینا شروع کر دیا اور اس طرح سود کی وہ لعنت تمام کاروباری معاملات میں مکمل طور پر رچ گئی جس کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے اسلام نے "احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا" کا فلک شگاف نعرہ لگایا تھا۔ سود کی اس لعنت سے چھٹکارا پانے کے لیے بہترین صورت یہی ہے کہ قرض خواہ کو قرض دیتے وقت نوٹ کی بجائے سونے کو معیار قرار دیا جائے اور اسی کا قرض کی شکل میں لین دین کیا جائے (نہ کہ بیع کی شکل میں) یا پھر ملکی سطح پر کرنسی کے پورے نظام میں تبدیلی لا کر سونے چاندی کے سکے رائج کیے جائیں تاکہ سرے سے یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

ایک سوال یہ ہے کہ ہمارے کاروباری اور صنعت کار افراد بعض قرضے لیتے ہیں جن کا مصرف غیر ملکی مصنوعات (مشینیں وغیرہ) کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکے کی شکل میں دیئے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ لیکن قرض کی اس مقدار کا معیار پاکستانی سکہ نہیں بلکہ غیر ملکی سکہ (ڈالر) ہوتا ہے جس سے پاکستان منسلک ہے۔ اس معیار پر فریقین پہلے سے متفق ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح واجب الادا رقم غیر یقینی ہو جاتی ہے کیونکہ سکہ کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوایا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر تھی کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا۔ لیکن بعد میں پاکستانی سکے کی قیمت گرا دی گئی "نتیجتاً" دو لاکھ ڈالر کی قیمت بیس لاکھ روپیہ ہو گئی اس طرح دس لاکھ روپیہ کا مقروض خود بخود بیس لاکھ روپے کا مقروض بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر اگر ایک ڈالر تین روپیہ کے مساوی ہو جائے اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مقروض صرف چھ لاکھ کا دین دار رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا رقم کا فریقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا البتہ دونوں اس نوعیت کے سودے پر متفق ہوتے ہیں جو بظاہر غرر ہے لیکن جس کے بغیر

marfat.com

پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں جو قرض کی نوعیت بیان کی گئی ہے اس میں غرر ہے اور افراط زر کی صورت میں ربا النسیئۃ بھی ہوا اور یہ دونوں شرعاً ناجائز ہیں۔ اس مشکل کا صحیح حل یہی ہے جبکہ ہمارے ملک میں بینکوں کے ذریعہ روپے ڈالر سے اور ڈالر روپوں سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں تو مثلاً جو کاروباری یا صنعتی کمپنی بینک سے پانچ سال کے لیے دس لاکھ روپیہ قرض لینا چاہتی ہے تو بینک اس کو دس لاکھ روپیہ قرض نہ دے بلکہ اس کے بجائے دو لاکھ ڈالر قرض دے اب پانچ سال بعد حکومت کے کرنسی کی قیمت گرا دینے سے جس سے ڈالر کی قیمت بڑھ جائے یا حکومت کرنسی کی قیمت بڑھا دے جس سے ڈالر کی قیمت کم ہو جائے ہر صورت میں اس صنعتی کاروباری کمپنی نے پانچ سال بعد بنک کو دو لاکھ ڈالر ادا کرنے ہیں خواہ ان کی ملکی قیمت بیس لاکھ ہو یا چھ لاکھ بینک نے جو کچھ صنعتی کمپنی کو دیا تھا پانچ سال بعد بعینہٖ وہی وصول کر لیا اس صورت میں نہ غرر لازم آئے گا نہ ربا النسیئۃ۔

بینک کے قرضوں پر ٹنڈر کی سکیم

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بینک لمبے عرصے کے لیے پیداداری قرضوں پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں اس کی مثال یہ ہو گی کہ بینک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے بینک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے جیسے

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لیے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لیے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لیے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لیے دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

marfat.com

بینک ٹھیکہ کا تخمینہ (TENDER) طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررہ مدت گزرنے کے بعد اور سرمائے کا زیادہ سے زیادہ فی صد دینے کی پیش کش کرے گا تو اسے یہ رقم دے دی جائے گی اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجویز (SCHEME) شرعی لحاظ سے صاف ربا النسیئہ کی تعریف میں آتا ہے جو حرام قطعی ہے اس کا حل ہم پہلے بھی ذکر چکے ہیں کہ بینک دس کروڑ روپیہ کی رقم کو بجائے قرض پر سود زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کیلئے ٹینڈر طلب کرنے کی بجائے کوئی صنعت (INDUSTRY) قائم کرے مختلف صنعتی کمپنیوں (INDASTRIAL COMPNY) کے حصص (SHARES) خریدے اور دوسرے تمام جائز نفع آور ذرائع میں سرمایہ لگائے۔

غیر نفع آور سکیموں کیلئے قرض دینا

ایک سوال یہ ہے کہ بینکوں سے سود ختم کرکے نفع اور نقصان کی بنا پر چلانا اس حالت میں قابل عمل ہے جب اس سے رقم لینے والا اسے کاروبار میں لگاتا ہو یا نفع اور نقصان کی تقسیم کا عملی امکان موجود ہو وہ قرضے جو صرفی ضروریات کے لیے دیئے جائیں یا غریب اور کم مایہ لوگوں کی کاروباری یا زرعی ضروریات کیلئے دیئے جائیں ان پر نفع نقصان کی شرط تو ممکن نہیں ہے یا نامناسب ہے، اسی طرح بعض اوقات حکومت لمبے عرصے کے لیے غیر نفع آور سکیموں پر سرمایہ لگانے کے لیے بینکوں سے قرض لیتی ہے۔ یہ قرض عارضی بھی ہو سکتے ہیں اور طویل المیعاد بھی ایسی صورت میں بینک کی رقم کا ایک حصہ نفع سے محروم ہو جائے گا جو بجائے خود خسارہ کا سودا ہے نیز لمبی مدت کے قرضوں میں سود نہ لینے کی تقدیر پر افراط زر کی صورت میں بینک کی اصل رقم محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اس مشکل کا شرعی حل کیا ہو سکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ عارضی قرضے بینک ان قرضوں سے دیتا ہے جو کرنٹ اکاونٹ کے طور پر بچت کی رقمیں عارضی

marfat.com

طور پر بینک میں رکھوائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان رقموں پر بینک رقم جمع کرانیوالوں کو نہ سود ادا کرے گا اور نہ ہی ان عارضی قرضوں پر سود وصول کرے گا۔ البتہ حساب وکتاب پر جو بینک کا خرچ آئے گا اس کا حق محنت بطور معاوضہ کے وہ فریقین سے وصول کر سکتا ہے۔

طویل المیعاد قرضوں میں سود نہ لینے کی شکل میں روز افزوں افراط زر کی وجہ سے یقیناً بینک کی اصل رقم محفوظ نہیں رہ سکے گی اس کا صحیح حل یہی ہے کہ بینک قرض نوٹوں کی شکل میں دینے کی بجائے سونے یا ڈالر کی شکل میں دے اس صورت میں جس قدر مدت کے لیے بھی قرض لیا گیا بینک کو اپنی اصل رقم واپس مل جائے گی اور اس کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ بینک نے اتنی مدت کے لیے اپنی رقم قرض دی اور اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا اگر وہ اس رقم سے کوئی کاروبار کرتا تو یقیناً اس کو نفع ہوتا اس کے جواب میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس قسم کے قرض حکومت کو (STATE BANK) بیت المال سے لینے چاہئیں، اور اگر بالفرض کسی اور بینک سے بھی لیے گئے تو ظاہر ہے اس قسم کے قرض حکومت قوم اور ملت کے اجتماعی مفاد کے لیے حاصل کرے گی اور جس طرح اجتماعی مفاد کی خاطر ہر کاروباری ادارہ حکومت کو مختلف قسم کے ٹیکس ادا کر کے ایثار کرتا ہے بلکہ یہ ایثار ہر شخص کو انفرادی حیثیت سے بھی برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ بعض ٹیکس اشیاء صرف کی قیمتوں میں شامل کر دیے جاتے ہیں اس طرح ہر شخص قوم اور ملت کے اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی جیب سے پیسے خرچ کر کے ایثار کرتا ہے تو بینک کو اگر کچھ خرچ کیے بغیر ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر کوئی ایثار کرنا پڑے تو اس کو اس خدمت میں ضرور شریک ہو کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔

طویل المیعاد قرضے اگر کاروباری ادارے حاصل کریں تو ان کو یہ رقم بطور قرض کے ہرگز نہیں دینا چاہیے بلکہ شرکت اور مضاربت کے اصول پر باقاعدہ

marfat.com

کاروبار میں شریک ہو کر رقم مہیا کرنی چاہیئے۔

کاشت کار حضرات بعض اوقات اپنی زرعی ضرورتوں کے لیے عارضی طور پر قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اول تو ان کو بھی شرکت اور مضاربت کے اصول پر رقم مہیا کی جاسکتی ہے اور بینک ان کے زرعی کاروبار میں رب المال یا شریک کار کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔

اس کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک کاشت کار یا چھوٹے پیمانہ پر کاروبار کرنے والا بینک سے ایک سال کیلئے دس ہزار روپیہ قرض مانگتا ہے تو بینک اس کو ہدایت کرے کہ وہ بارہ ہزار روپیہ بینک سے قرض لے اور اس میں سے دو ہزار بینک میں پانچ سال کے لیے اپنے نام سے جمع کرا دے ایک سال بعد بینک کا دس ہزار روپیہ واپس کر دے اور پانچ سال بعد بینک سے اپنے دو ہزار روپے واپس لے لے۔ اس طرح باہمی معاونت کے طور پر اگر بینک اس کو اپنے یک مشت دس ہزار روپیہ سے ایک سال کے لیے کاروباری فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہے تو وہ بھی اپنے دو ہزار روپیہ کی رقم سے بینک کو پانچ سال تک کاروباری نفع اٹھانے کا موقع دے رہا ہے۔ اس طرح بغیر سود کے لین دین کے دونوں فریق ایک دوسرے سے برابر کی سطح پر تعاون کر سکیں گے۔

قومی ضروریات کیلئے حکومت کے ملکی قرضے

جس وقت ہم ملک میں نظام مصطفےٰ رائج کریں گے (STATE BANK) سٹیٹ بینک کی حیثیت بیت المال کی ہوگی اور حکومت کے مقرر کردہ کارندے ہر صاحب نصاب شخص سے پوری جانچ پڑتال کے بعد زکوٰۃ وصول کریں گے جس کو بیت المال میں جمع کرایا جائے گا ملک کی تمام بارانی زرعی پیداوار کا دسواں اور غیر بارانی زرعی پیداوار کا بیسواں

marfat.com

حصہ بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ اس صورت میں اول تو بیت المال اس قدر مالا مال ہوگا کہ حکومت کو اپنی کسی سکیم (SCHEME) کو پورا کرنے کے لیے انشاء اللہ قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر ضرورت پڑی بھی تو دوسرے بینک اور بڑے بڑے سرمایہ دار ایثار اور قربانی کی اسلامی اسپرٹ سے دل کھول کر حکومت کو انشاء اللہ بلا سود قرض ادا کریں گے جس کی کچھ وضاحت اس سے پہلے پیراگراف میں کی جا چکی ہے۔

قومی ضروریات کے لیے بیرونی قرضے

حکومت کو بعض مرتبہ ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے صنعتی منصوبہ (INDUSTRIAL PROJECT) یا زرعی منصوبہ (AGRICULTURAL PLAN) اور دفاعی منصوبہ (DEFENCE SCHEME) کے لیے بڑے پیمانے پر قرض کی ضرورت ہوتی ہے ان صورتوں میں بیرونی ملکوں سے قرض حاصل کیا جاتا ہے اور وہ بلا سود قرض نہیں دیتے۔ ہمارے خیال میں یہ بھی کوئی ایسا لاینحل مسئلہ نہیں ہے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ پاکستان کے غیر مسلم دوست ممالک نے پاکستان کو بلا سود قرض دیا ہے اس لیے قومی ترقی کے منصوبوں کو مکمل کرنے کے لیے ان ممالک سے اور بالخصوص مسلم ممالک سے قرض بلا سود حاصل کیا جا سکتا ہے اور اگر بالفرض پاکستان کو غیر ممالک سے بلا سود قرض حاصل نہ ہو تو حکومت نے مشینری اور متعلقہ سامان، دفاعی ہتھیار وغیرہ جو چیزیں خریدنی ہیں بجائے اس کے کہ ان کو سودی قرض پر خریدے انہیں چیزوں کو ان ممالک سے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا جائے اور انہیں بتا دیا جائے کہ ہمارا مذہب سود کی اجازت نہیں دیتا ہم تم کو سود تو نہیں دے سکتے البتہ ان کی قیمت زیادہ ادا کر سکتے ہیں۔ بجائے سود کے تم مہنگے داموں پر ہمیں یہ چیزیں فروخت کر دو سود لینے سے جو تمہارا منشاء زیادہ پیسے وصول کرنا تھا وہ بھی پورا ہو جائے گا اور ہم سود کی لعنت سے بھی بچ جائیں گے۔

اگر ہم تہ دل سے یہ تہیہ کر لیں کہ ہم سود ترک کرنا چاہتے ہیں تو انفرادی اور

marfat.com

اجتماعی ہر مرحلہ پر جو مشکل بھی پیش آئے گی اللہ تعالیٰ کی نصرت خود بخود اس کا حل نکالتی رہے گی۔ کیونکہ یہی قانون قدرت ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ العنکبوت: ۶۹ جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ خود دکھا دیتے ہیں۔" تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ہم نے خلوص اور للّٰہیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا چاہا نصرت خداوندی نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ آئیے ہم انفرادی اور قومی ہر سطح پر سود کی اس دلدل سے نکلنے کے لیے قدم اٹھائیں۔ پھر ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کی موسلا دھار بارش ہم پر برسے گی اور دنیا حیرت سے انگشت بدنداں ہو گی۔

آئیے قدم بڑھائیے تو سہی! اس وقت پاکستان دو کھرب روپے کا مقروض ہے اور قومی آمدنی کا پچیس فی صد سود کی ادائیگی پر خرچ ہوتا ہے جب کہ اصل قرض جوں کا توں ہے۔ (جنگ کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء) کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہو جاتا کہ سود کی لعنت کی وجہ سے کس تیزی سے ہم اقتصادی تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

---

marfat.com

اسلام اور تسخیر کائنات

انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت عطا فرمائی۔ اس کو اپنا نائب بنایا اور وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ سے اس کی فضیلت کو ظاہر فرمایا۔ اور منصبِ خلافت کا مقتضی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کا تابع ہو کر تمام روئے زمین پر حکومت کرے۔ اور تمام کائنات کو اپنا مسخر کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روح اور مادے سے پیدا کیا۔ اس لیے تسخیر کائنات بھی ان دونوں کی طرف راجع ہے یعنی مادی طور پر اشیاء کے عادی اور ظاہر اسباب کو تلاش کر کے کائنات کو مسخر کیا جائے۔ یا روح کی قوتوں کو اجاگر کر کے بغیر ظاہری اور عادی اسباب کے اس عالم آب و گل کے حقائق کو مسخر کیا جائے۔ مثلاً بینائی کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا، خواہ وہ اُسے مادی طریقے سے حاصل کرے یا روحانی طریقوں سے، موجودہ سائنس نے بینائی کے ظاہری اور مادی اسباب تلاش کر کے اندھوں کو بصارت بخش دی۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بغیر ظاہری اور مادی اسباب کے اندھوں کو بینا کر دیا وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ (آل عمران) اسی طرح لوہے کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا۔ خواہ مادی طریقوں سے اس کو اپنے کام میں لائے یا روحانی طریقوں سے۔ چنانچہ عام لوگ آگ کے ذریعے لوہے کو پگھلا کر اپنے کام میں لاتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں بغیر آگ کے لوہا نرم ہو جاتا تھا وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم

marfat.com

من بأسِكمُ الانبیاء ۸۰۔ والنا لہ الحدید۔ سبا ۱۰ ... اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پانی رکھا ہے اور اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے انسان کی رُوح اور اس کے بدن کو طریقے تعلیم فرما دیئے۔ چنانچہ عام انسان مادی اوزاروں کے ذریعے زمین کھود کر اس سے پانی حاصل کر لیتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر اسباب عادیہ کے پتھر پر عصا مار کر اس سے پانی حاصل کر لیا ا فاضرب بعصاك الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عیناً (البقرۃ ۶۰)

روحانی تسخیر کی مادی تسخیر پر فوقیت

روحانی طریقہ سے انسان نے اس کائنات کو اس قدر کثرت سے فتح کیا کہ مادی اسباب اس کی تسخیر کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور آج تک عقل انسانی ان حقائق کے مادی اسباب کا سراغ پانے سے قاصر ہے جن پر روحانیت نے فتح پائی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لاٹھی میں اژدہے کی حیات کو نافذ کرنا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی زبان سمجھنا اور ان سے گفتگو کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قدیم و جدید مُردوں میں حیات کو جاری کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کے ٹکڑوں اور لکڑی کے ستونوں پتھروں اور درختوں میں حیات نافذ کر کے ان سے گفتگو فرمانا اور چاند سورج پر تصرف فرمانا۔ اسی طرح حضرت عمر کا دریائے نیل کو احکام جاری کرنا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کا زمانہ کو تابع کر لینا، یہ امور روحانی تسخیر کے وہ کرشمے ہیں جنہوں نے مادی اسباب کی پہنچ کو حیرت زدہ کر دیا۔

چاند کی مادی تسخیر ممکن ہے

گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ عظیم الشان کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے بس اور اختیار میں کر دی ہے۔ وسخر لکم ما فی السموٰتِ والارض جمیعا منہ) خواہ وہ اس کو مادی قوتوں سے مسخر کرے۔ یا روحانی قوتوں سے اور زمین سے چاند کے ماوراء بلکہ آسمانوں کے پار جانا بھی روحانی قوتوں سے ثابت

marfat.com

ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ہنوز آسمانوں میں زندہ ہیں جو چاند سے ہزاروں سال مسافت کے بُعد پر موجود ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر معراج پر آسمانوں سے گزر کر لامکاں کی بھی سیر کر کے واپس آگئے۔ اس کے مقابلے میں چاند جو ایک حقیر مسافت پر واقع ہے اس پر مادی اسباب سے جا کر واپس آجانا کسی طرح حیرت واستبعاد کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کریم میں اس پر تائید موجود ہے دیکھئے مولا عزوجل فرماتا ہے

سنریھم آیتنا فی الآفاق وفی انفسھم۔ حٰمٓ السجدہ : ۵۳	ہم عنقریب اپنی نشانیوں کو انہیں آفاق اور ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

ان المراد بآیات الآفاق الآیات الفلکیہ والکواکبیۃ وآیات اللیل والنھار وآیات الاضواء والاظلال والظلمات وآیات	اس آیت کریمہ میں آفاق سے مراد افلاک، کواکب، لیل ونہار، روشنی، سایہ اندھیرے،
عالم العناصر الاربعۃ فان قیل ھٰذا الوجہ ضعیف لان قولہ تعالیٰ سنریھم یقتضی انہ تعالیٰ ما اطلعھم علی تلک الآیات الی الآن وسیطلعھم علیھا بعد ذالک والآیات الموجودۃ فی العالم الاعلیٰ والاسفل قد کان اطلعھم علیھا قبل ذالک قلنا ان القوم وان کانوا قد رأوا	اور عناصر اربعہ وغیرہ ہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ سنریھم کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حقائق کو ہمیں ابھی تک نہیں دکھایا، اور آئندہ دکھائے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان تمام حقائق پر پہلے ہی مطلع کر چکا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہ حقائق پہلے بھی دکھا چکا

marfat.com

هٰذہ الاشیاء الا ان العجائب التی اودعہا اللہ تعالیٰ فی ھذہ الاشیاء مما لا نہایۃ لہا نہو تعالیٰ یطلعہم علی تلک العجائب زمانا فزمانا۔ (تفسیر کبیر ج صہ ۳۶ ملخصا)

ہے۔ لیکن ان حقائق کے اسرار غیر متنا ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم کو وقتاً فوقتاً دکھاتا رہے گا۔

امام فخرالدین رازی نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر کی ہے اس کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ افلاک اور کواکب کے اسرار اور عجائب قیامت تک لوگوں پر زمانا فزمانا منکشف ہوتے رہیں گے اور اسی لحاظ سے چاند کی حالیہ تسخیر قرآن کریم کی اس آیت کی زبردست تصدیق کرتی ہے، کیونکہ چاند کے بارے میں جو اب تجربات و مشاہدات سے انکشافات ہوئے ہیں اور اس کے اسرار پر اطلاع ہوئی ہے، وہ پہلے حاصل نہ تھی، اور آئندہ جیسے جیسے چاند کی طرف سفر کی وجہ سے عجائب و غرائب کی اطلاع ہوگی، وہ اس آیت کی مزید تصدیق کا سبب قرار پائے گی۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیشِ نظر مادی اسباب سے چاند تک پہنچ کر واپس آجانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ جس کو امکان اور استحالہ کے درمیان گردش دی جائے۔ لیکن چونکہ یہ واقعہ آج کل بحث و نظر کا موضوع بن گیا ہے اور بعض لوگوں نے اس وقوعہ کو قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف سمجھ کر اس واقعہ کا انکار کر دیا اور بعض لوگوں نے تسخیر قمر کے ماننے والوں پر تجدید ایمانی و تجدید نکاح کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ اس لیے ہم نے ضرورت سمجھی کہ اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی جائے۔

منکرین تسخیر کائنات کے شبہات

منکرین کے شبہات کا خلاصہ یہ ہے کہ چاند پہلے آسمان پر ہے، اور آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ لہٰذا پانچ سو سال سے پہلے چاند پر

marfat.com

پہنچنا ممکن نہیں خصوصاً کفار کے حق میں کیونکہ ان کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں، جو کبھی نہیں کھولے جائیں گے۔ اور اس دلیل کی اصل بناء پر چاند کا آسمان میں مرکوز ہونا ہے جس پر منکرین بعض مفسرین کے اقوال اور قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں ہم انشاء العزیز اپنے موقع پر پیش کر کے ان پر تفصیلی کلام پیش کریں گے۔

چاند خلا میں ہے

چاند آسمان میں مرکوز نہیں ہے اور قرآن و حدیث میں ایسی کوئی نص قطعی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ چاند پہلے آسمان پر مرکوز ہے اس کے برخلاف احادیث سے یہ ثابت ہے کہ تمام سیارے زمین آسمان کے درمیان خلاء میں معلق ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے، امام سیوطی فرماتے ہیں۔

اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن زید رضی اللہ عنہ فی قولہ کل فی فلک الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر، وفی قولہ یسبحون قال یجرون۔

(تفسیر درمنثور جلد ۴ ص۳۱۶)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید رضی اللہ عنہ، سے روایت کیا انہوں نے **کل فی فلک** کی تفسیر میں فرمایا کہ فلک آسمان اور زمین کے درمیان مدار ہے، جس میں شمس و قمر اور دوسرے سیارے گردش کرتے ہیں۔

واخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن حسان بن عطیۃ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرۃ فی فلک بین السماء والارض۔

تفسیر درمنثور جلد ۴ ص۳۱۶

ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا شمس قمر اور سیارگان آسمان اور زمین کے درمیان اپنے محور میں مسخر ہیں۔

قال عبد اللہ ابن عمر ان الشمس والقمر وجوھھما الی السمٰوٰت

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کا چہرہ آسمانوں

marfat.com

وضوء الشمس والقمر فيهن جميعًا واقفيتهما الى الارض ويروی هذا ابن عباس ایضًا (خازن جلد۴ ص۳۱۳، جمل جلد۴ ص۴۱۲ مدارک علی ہامش الخازن جلد۴ ص۳۱۳ تفسیر در منثور جلد۶ ص۲۶۸)

کی طرف ہے، اور ان کی روشنی تمام آسمانوں میں پہنچ رہی ہے اور ان کی پشت زمین کی طرف ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر، ابن عباس اور ابن زید کی یہ موقوف احادیث حکمًا مرفوع ہیں اور یہ اس مقصد پر نص ناطق ہیں کہ چاند آسمان میں مرکوز نہیں، بلکہ زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے۔ احادیث کے بعد اب ہم ناظرین کی خدمت میں اس موضوع پر اقوال مفسرین پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں :-

والجمهور على ان الفلك موج مكفوف تحت السماء تجری فيه الشمس والقمر والنجوم۔ (مدارک علی ہامش الخازن جلد۳ ص۲۵۹)

جمہور مسلمین کا مسلک یہ ہے کہ فلک آسمانوں کے نیچے ایک خلاء ہے جس میں سورج چاند اور دیگر ستارے گردش کر رہے ہیں

۲ علامہ خازن اور امام رازی فرماتے ہیں :-

الفلك موج مكفوف دون السماء تجری فيه الشمس والقمر والنجوم لباب التاویل جلد۳ ص۲۵۹ وتفسیر کبیر ج۶ ص۱۰۳

فلک آسمانوں کے نیچے خلاء کا نام ہے۔ جس میں سورج چاند اور دیگر ستارے گردش کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی مفسرین کرام کی نصوص موجود ہیں، جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا۔ جبکہ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو گیا، چاند آسمان کے نیچے خلاء میں معلق ہے، تو اس کے بعد اب ہم منکرین کے شبہات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

marfat.com

اقوال مفسرین کی توجیہ

ہم گذشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ جمہور مسلمین کا مسلک یہ ہے کہ چاند خلاء میں معلق ہے، البتہ بعض مفسرین نے چاند کے آسمان دنیا میں مرکوز ہونے کا قول کیا ہے لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان بعض مفسرین کے اقوال کا ماخذ کیا ہے۔ اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان اقوال کی بنیاد ارباب ہیئت کے مذہب پر ہے اور علم ہیئت کی کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ چاند پہلے آسمان میں اور سورج چوتھے آسمان میں مرکوز ہے اور بعض مفسرین نے تفسیر میں ان اقوال کو درج کر دیا اور یہ بیان کر دیا کہ اگر واقع میں تحقیق بھی یہی ہو تو یہ قرآن کریم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کی کسی نص صریح نے کواکب کے مقام سے تعرض نہیں کیا۔ لہذا آسمانوں میں کواکب کا ترتیب وار مرکوز ہونا اصحاب ہیئت کے اقوال کے سوا کچھ نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں :۔

اعلم ان القرآن ھھنا تدل علی وجود سبع السمٰوت وقال اصحاب الھیئۃ اقربھا الینا کرۃ القمر و فوقھا کرۃ عطارد ثم کرۃ الزھرۃ ثم کرۃ الشمس ثم کرۃ المریخ ثم کرۃ المشتری ثم کرۃ الزحل	اے مخاطب جان لے کہ قرآن سات آسمانوں پر دلالت کرتا ہے اور اصحاب ہیئت نے کہا سب سے قریب وہ آسمان ہے جس میں چاند ہے پھر وہ جس میں عطارد ہے۔ پھر وہ جس میں زہرہ ہے پھر وہ جس میں شمس ہے۔ پھر وہ جس میں مریخ ہے پھر وہ جس میں مشتری ہے۔ پھر وہ جس میں زحل ہے۔

(تفسیر کبیر جلد اص ۲۲۲ و ج ۲ ص ۵۶)

بہر حال امام رازی کی اس تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا، کہ جن مفسرین نے چاند اور دوسرے سیاروں کے مرکوز فی السماء کا قول کیا ہے، وہ ان کا مذہب نہیں بلکہ علماء ہیئت کا مذہب ہے اور علماء ہیئت خود اس پر متفق نہیں۔

marfat.com

بعض نے کہا کہ اس پر اتفاق ہے کہ قمر سماء دنیا میں ہے اور سورج کے چوتھے آسمان میں ہونے میں اختلاف ہے اور بعض نے کہا کہ سورج پر اتفاق ہے کہ وہ چوتھے آسمان میں ہے۔

چاند کے خلاء میں ہونے پر ایک اور دلیل

امام رازی نے فرمایا کہ قرآن کریم سے سات آسمان ثابت ہیں اور اصحاب ہیئت نے نو آسمان ثابت کیے اور آٹھویں آسمان کے وجود پر یہ دلیل قائم کی کہ کواکب سبع سیارہ کے علاوہ ثوابت کے لیے بھی حرکت بطیۂ ثابت ہے اور جس طرح سیارات سبعہ کی حرکت آسمان کی حرکت کے سبب سے ہے۔ بایں طور کہ ہر سیارہ اپنے آسمان میں مرکوز ہے، اور آسمان کی حرکت سے وہ سیارہ حرکت کرتا ہے۔ تو لامحالہ ان ثوابت کی حرکت کے لیے بھی ایک آسمان حامل کو ماننا پڑے گا جس میں مرکوز ہو کر یہ حرکت کر رہے ہیں پس سات آسمانوں کے علاوہ آٹھویں آسمان کا وجود بھی ثابت ہو گیا، امام رازی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وھذہ الدلالۃ ضعیفۃ من وجوہ اولھا لم لا یجوز ان یقال الکواکب تتحرک بانفسھا من غیر ان تکون مرکوزۃ فی جسم آخر وھذا الاحتمال لا تفسد (تفسیر کبیر ص ۲۳۶ ج ۱)

فلاسفہ کی یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ کواکب بنفسہا حرکت کریں، بغیر اس امر کے کہ وہ کسی اور جسم میں مرکوز ہوں اور یہ احتمال فاسد نہیں ہو سکتا۔

اور میں تائید ربانی سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ جب ثوابت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خلاء میں بدون مرکوز فی السماء کے حرکت کریں تو کواکب سبعہ سیارہ کے لیے کیوں جائز نہیں کہ وہ بھی بغیر مرکوز فی السماء کے بنفسہا حرکت کریں پس جس دلیل سے ثوابت کے لیے آسمان کے بغیر حرکت کرنا ثابت ہو گا، ایسی دلیل سے کواکب سبعہ کا بھی بغیر مرکوز فی السماء کے خلاء میں حرکت کرنا ثابت ہو گیا

marfat.com

اور اصحاب ہیئت کا سیاروں کے لیے مرکوز فی السماء کا قول بالکلیہ مردود ہوگیا۔

فَلِلّٰہِ الحمد علیٰ ذالک

آیات قرآنی کی توضیح

آیئے اس کے بعد قرآن کریم کی اُن آیات کی طرف رجوع کریں جن سے منکرین نے یہ سمجھا ہے کہ چاند آسمان میں مرکوز ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں ہے۔

تبارك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجاً وقمراً منیرا۔ الفرقان: ۶۱	بڑا برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور ان میں چراغ (سورج) رکھا اور چمکتا چاند۔
الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقا وجعل القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجاً نوح: ۱۵-۱۶	کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایا۔

منکرین نے ان آیات کے تحت کہا (قاعدہ) معلوم ہوا کہ چاند آسمان میں ہے" اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ یہ آیتیں ہرگز اس مفہوم پر نص نہیں ہیں کہ چاند آسمان میں ہو کیونکہ جائز ہے کہ یہاں پر سماء سے مراد مطلقاً بلندی ہو۔ نہ کہ معہود اور متعارف سماء (یعنی آسمان) جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وانزل من السماء ماء (اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا) اور ایک جگہ فرمایا ورزقکم فی السماء اور اس کے تحت مفسرین کرام نے فرمایا کہ سماء سے مراد آسمان نہیں ہے کیونکہ لغت عرب میں ہر بلند چیز کو سماء کہتے ہیں (کل ما علاك فهو سماء) پس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلندی سے پانی اتارا۔ دیکھیے امام رازی فرماتے ہیں:-

ان السماء انما سمیت سما لسموها فکل ما سماك فهو سماء فاذا نزل من السحاب فقل نزل من السماء (المطالب، جلد ۱ صفحہ ۲۱)	سماء سمو سے مشتق ہے اور سمو کے معنی بلندی ہیں۔ آسمان کو سماء اس کے بلند ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ پس ہر چیز جو تجھ سے بلند ہے وہ سماء ہے

marfat.com

لہذا جب بارش بادل سے نازل ہوئی تو یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ سماء سے نازل ہوئی۔
دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انزل من السماء ماءً (اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا) لیکن چونکہ مشاہدات سے ثابت ہو چکا ہے کہ پانی بادلوں سے آتا ہے تو مفسرین نے یہاں سماء کو آسمان کی بجائے مطلقاً بلندی کے معنی میں لے کر بادل پر محمول کیا۔ اس طرح ہم کہتے ہیں کہ جب احادیث جمہور مفسرین کے اقوال اور مشاہدات سے ثابت ہو چکا ہے کہ چاند خلاء میں ہے، تو ہم بھی یہاں سماء کو مطلق بلندی کے معنی میں لے کر خلاء پر محمول کرتے ہیں اور اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں (اللہ تعالیٰ نے خلاء کے سات مراتب پیدا فرمائے اور چاند اور سورج کو ان مراتب میں سے اپنے اپنے مرتبہ میں رکھا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ ثانیاً گذارش ہے کہ اگر سماء کو آسمان کے معنی پر بھی محمول کیا جائے تو بھی کچھ ضرر نہیں، کیونکہ جعل القمر فیھن نورا میں فیھن قمر کے لیے ظرف نہیں، بلکہ نور کے لیے ظرف ہے یعنی آیت کا مطلب یہ نہیں کہ چاند آسمانوں میں ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چاند تمام آسمانوں میں ہو بھی کیسے سکتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاند کا نور تمام آسمانوں میں ہے۔ چنانچہ جائز ہے کہ چاند تو زمین اور آسمانوں کے درمیان خلاء میں معلق ہے اور اس کا نور تمام آسمانوں کو منور کر رہا ہے۔ دیکھئے علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

اخرج ابن المنذر عن عکرمۃ فی قولہ وجعل القمر فیھن نورا قال انہ یضیئ نور القمر فیھن کلھن کما لو کان سبع زجاجۃ اسفل منھا شھاب اضاءت کلھن کذالک نور القمر فی السمٰوٰت کلھن لصفائھن۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۱۶۸)

ابن منذر نے عکرمہ سے روایت کی انہوں نے (جعل القمر فیھن نورا) کی تفسیر میں فرمایا کہ جس طرح سات شیشوں کے نیچے ستارہ ہو تو وہ ساتوں شیشوں کو روشن کرتا ہے اسی طرح نور قمر بھی سات آسمانوں کو ان کے شفاف ہونے کی وجہ سے روشن کرتا ہے۔

marfat.com

اس مثال سے بھی اس امر پر تائید حاصل ہوگئی ہے کہ چاند آسمانوں کے نیچے خلاء میں واقع ہے۔

وعن عطاء فی قولہ وجعل القمر فیھن نورا قال یضیئ لاھل السموٰت کما یضیئ لاھل الارض (در منثور ص۲۶۹ ج۶)

اور عطاء سے اس آیت کی تفسیر مروی ہے کہ چاند آسمانوں کو اسی طرح روشن کرتا ہے جس طرح زمین کو روشن کرتا ہے۔

اور واضح امر ہے کہ چاند آسمان میں مرکوز نہیں ہے۔ پس یہ مثال اسی وقت درست قرار پائے گی جبکہ یہ مانا جائے کہ چاند خلاء میں معلق ہے اس کا رخ آسمانوں کی طرف اور پشت زمین کی طرف ہے اور وہ دونوں میں اپنی روشنی پہنچا رہا ہے جس طرح حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد سے ثابت ہو چکا ہے "ثالثاً" گذارش یہ ہے کہ جعل القمر فیھن میں اگر آسمان کو قمر کے لیے ظرف بنایا جائے، پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ آسمان دنیا زمین وما فیھا کو محیط ہے اور باقی آسمان دنیا کو محیط ہیں پس جبکہ چاند زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہوا۔ پھر بھی وہ آسمان کے گھیرے اور احاطہ کے اندر ہی رہا، اور احاطہ آسمان سے باہر نہیں ہوا۔ لہٰذا بغیر کسی تکلیف کے جعل فیھا اور جعل فیھن دونوں کا معنی درست ہو گیا۔ کیونکہ جب زمین اور آسمان کے درمیان چاند معلق ہوا تو وہ جس طرح پہلے آسمان کے احاطہ میں ہے، اسی طرح ساتوں آسمانوں کے احاطہ میں ہے۔ لہٰذا یہ بھی صحیح ہے کہ وہ سماء دنیا کے اندر ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ساتوں آسمانوں کے اندر ہے پس آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت چاند کے خلاء میں معلق ہونے کے منافی نہیں ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

آسمان پر رسائی | چاند پر انسان کی رسائی کے بارے میں منکرین کی دلیل کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ چاند آسمان دنیا میں مرکوز ہے اور بحمداللہ تعالیٰ ہم نے روشن دلائل سے واضح کر دیا کہ چاند خلاء میں معلق ہے۔ نہ یہ کہ آسمان میں مرکوز ہے۔ اس کے بعد یہ امر باقی رہ جاتا ہے کہ چلو چاند آسمان پر نہ سہی۔ لیکن آسمان

marfat.com

پر انسان کی پہنچ ممکن ہے یا نہیں، بالخصوص مغربی سائنس دان جو اسلام پر یقین نہیں رکھتے، وہ آسمان پر جا سکتے ہیں یا نہیں منکرین کا زعم یہ ہے کہ کفار آسمان پر نہیں جا سکتے اور انہوں نے اس مدعی پر قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، جن کو ہم عنقریب پیش کریں گے۔

مومن کے لیے آسمان پر جانا ممکن ہے چنانچہ اصول کی کتابوں میں مصرح ہے کہ اگر کوئی شخص آسمان پر جانے کی قسم کھالے تو اس کی قسم منعقد ہو جائیگی کیونکہ آسمان پر جانا ممکنات سے ہے باقی رہے کفار تو ان کے بارے میں قرآن نے تعرض نہیں فرمایا کہ وہ اپنی اس زندگی میں اسباب مادیہ سے آسمان میں جا سکتے ہیں یا نہیں، اور جس کو قرآن کریم نے صراحت سے بیان نہیں فرمایا۔ ہم اسے اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں اور اپنی طرف سے منصوص کو مقید نہیں کرتے، رہے منکرین تو انہوں نے دو آیتوں سے کفار کے لیے آسمان پر پہنچنا محال قرار دیا جن میں سے پہلی آیت یہ ہے۔

ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء
الاعراف: ۴۰۔

بے شک جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

اس آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے، کہ کفار اس زندگی میں مادی اسباب کے ساتھ آسمان پر نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مرنے کے بعد کفار کی ارواح آسمان میں نہیں جا سکیں گی۔ یا ان کی دعائیں اور نیک اعمال آسمانوں کے اوپر نہیں جا سکیں گے۔ یا ان پر آسمان سے رحمتیں نازل نہیں ہوں گی۔ دیکھیے تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۰۸، بیضاوی ج ۱ ص ۲۹۲ جلالین علی ہامش، خازن ج ۲ ص ۸۷، مدارک علی ہامش الخازن ج ۲ ص ۸۷

دوسری آیت جس سے منکرین نے کفار کی آسمان پر رسائی کا انکار کیا وہ یہ ہے

وجعلناھا رجوما للشیاطین
الملک ۵

اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کو مارنے کا ذریعہ بنایا۔

marfat.com

اس آیت کریمہ کی رو سے جنات کا داخلہ آسمانوں میں بند ہے یہاں انسانوں کا ذکر بھی نہیں، دیکھئے۔ جلالین علی ہامش الجمل صہ ۳۷۶ جہ ۴، جمل صہ ۳۷۶ جہ ۴، خازن صہ ۲۹ جہ ۴، مدارک علی ہامش الخازن صہ ۲۹۰ جہ ۴، تفسیر کبیر صہ ۱۴۳ جلد ۸۔

کیا چاند پر رسائی کوئی قابل فخر کارنامہ ہے

سطور بالا میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے، اس کا مفاد فقط اتنا ہے، مادی اسباب سے چاند تک جانا محالات میں سے نہیں ہے اور یہ واقعہ قرآن کریم کے ہرگز منافی نہیں، بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنیہ کا مصدق اور مؤید ہے اور اس مضمون کا مقصد چاند پر جانے والوں کی تحسین اور ان کی حوصلہ افزائی نہیں۔ ہے۔ ہمارے نزدیک داد و تحسین کے مستحق صرف وہ کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جن کاموں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کی جائے وہ لائق صد تحسین ہیں۔ امریکہ کے صدر نکسن نے بھی یہی کہا تھا، کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ مستقبل کے لوگ ہم کو اس نام سے یاد کریں کہ ہم نے سب سے پہلے انسان کو چاند پر اتارا، بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ ہم کو امن اور سلامتی کے خادم کی حیثیت سے یاد کرے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ چاند پر جانے والوں کی نظر میں بھی یہ کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں۔ ہے۔

کیونکہ برسہا برس کی کوشش اور کروڑوں کھرب روپیہ کے اسراف کے بعد انسان چاند پر پہنچا۔ لیکن اس سے انسانیت کو کیا ملا۔ اگر یہی روپیہ دنیا کے تمام انسانوں پر تقسیم کیا جاتا تو ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر شخص کو پندرہ ہزار روپیہ مل جاتا، چلو دنیا کے ہر شخص کو نہ سہی صرف امریکہ کے مفلس اور غریبوں پر یہ روپیہ خرچ کیا جاتا، تو انسانیت کی ایک عظیم خدمت ہوتی اس لیے ہمارے نزدیک یہ واقعہ کسی طرح لائق تحسین نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کسی طرح اسلام کے منافی بھی نہیں۔ ہے۔

marfat.com

نظامِ مُصطفےٰ کی اِصطلاح

۹ مارچ ۱۹۷۷ء سے پانچ جولائی ۱۹۷۷ء تک کراچی سے لے کر خیبر تک پورے پاکستان میں نظامِ مصطفےٰ کے نام سے تحریک چلائی گئی۔ وفاق پاکستان کے وکیل مسٹر اے کے بروہی نے سپریم کورٹ میں بہانگ دہل یہ بیان کیا کہ اس تحریک کی مثال پورے برصغیر میں نہیں ملتی اور سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا اور اس کے حق میں فیصلہ دیا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل محمد ضیاءالحق نے بھی اپنی پہلی نشری تقریر میں نظامِ مصطفےٰ کے نام سے چلائی جانے والی اس تحریک کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا۔ آج یہ نعرہ پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کی تمناؤں کا مرکز اور ان کے دلوں کی دھڑکن بن چکا ہے اور پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمان اور عیسائی سب کا نصب العین ایک اور صرف ایک حقیقت ہے اور وہ ہے نظامِ مصطفےٰ اسی طرح پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں اس نعرہ کو بطور آئیڈیل قبول کرچکی ہیں۔ حتیٰ کہ پیپلز پارٹی نے بھی سوشلزم کے نعرہ کو چھوڑ کر نظامِ مصطفےٰ کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ وہی منزل ہے جن کو پانے کے لیے حالیہ تحریک میں سینکڑوں مسلمانوں نے اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں اور ہزارہا کارکنوں نے اپنے آپ کو جیلوں کے حوالے کردیا۔ یہاں تک کہ جیلوں کی دیواریں تنگ ہوگئیں۔ آنسو گیس کے شیل ختم ہوگئے۔ لاٹھی چارج کرنے والوں کے بازو شل ہوگئے اور فائرنگ کرنیوالوں نے حوصلہ ہار دیا۔ لیکن نظامِ مُصطفےٰ کے متوالوں کے جوش و خروش اور ایثار و قربانی کے جذبہ میں کوئی فرق نہ آیا۔

ہمیں اس وقت سخت حیرت ہوئی جب ہم نے ۷ نومبر کے نوائے وقت میں یہ خبر پڑھی کہ "مسٹر بروہی نے لندن میں نیویارک روانہ ہونے سے قبل اسلامک

maktabah.org

کونسل برائے یورپ کے تحت منعقدہ ایک جلسہ میں نظام مصطفیٰ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ اصطلاح غلط طور پر استعمال کی جارہی ہے۔ صحیح اصطلاح نظام الٰہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں محمدی نہیں" (روزنامہ نوائے وقت ۷، نومبر ۱۹۷۰ء)

مقام صد حیرت ہے کہ جو صاحب اس مقدمہ کی پیروی کے دوران بار بار نظام مصطفیٰ کا حوالہ دے کر اپنے بیان میں زور پیدا کرتے رہے۔ وہ فیصلہ کے بعد لندن پہنچتے ہی اپنے موقف سے کس قدر ہٹ گئے اور انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان کے اس بیان سے کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری ہوگی۔ نظام الٰہی کسی معین و مشخص نظام کا نام نہیں ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء اور رسل علیہم السلام آئے وہ سب نظام الٰہی لے کر آئے۔ نظام الٰہی ان تمام ادیان میں قدر مشترک ہے اور جو چیز ان ادیان میں مابہ الامتیاز ہے اور جس کی وجہ سے ایک دین دوسرے دین سے ممتاز ہوتا ہے وہ اس دین کے وہ جزوی احکام ہوتے ہیں۔ جنہیں ان کا پیغمبر نافذ کرتا ہے اسی وجہ سے دین موسیٰ، دین عیسیٰ علیہما السلام اور دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ جب ہم صرف نظام الٰہی کا ذکر کریں گے تو یہ عنوان یہودیوں اور عیسائیوں کے نظام سے متمیز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے زعم میں نظام الٰہی کے پیروکار ہیں۔ دنیا کے دوسرے نظاموں سے ہمارا نظام اگر ممتاز اور متمیز ہوسکتا ہے تو صرف نظام مصطفیٰ کی تعبیر سے ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ۔ النساء: ۵۹ ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں اطیعوا کا مستقل طور پر دو بار ذکر کیا گیا ہے اور عطف سے کام نہیں لیا گیا اور اس میں یہی بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول، صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی اطاعت مستقل ہے بلکہ اس منزل سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ النساء: ۸۰ ۔ جس نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرلی) اس آیت میں یہ ظاہر فرمادیا کہ اطاعت مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مستلزم ہے اس کے برعکس یہ نہیں کہ اطاعت

maktabah.org

خداوندی اطاعت مصطفےٰ کو مستلزم ہو. کیونکہ اطاعت الٰہی تو دوسرے ادیان میں بھی تھی. مگر وہاں اطاعت مصطفےٰ نہیں تھی. اس کے برخلاف جہاں اطاعت مصطفےٰ ہو گی وہاں اطاعت خداوندی لازماً ہو گی اسی نہج پر یہ کہا جائے گا کہ نظام الٰہی کی اصطلاح ہماری شریعت اور شرائع سابقہ دونوں کو شامل ہے. اس لیے نظامِ الٰہی کی اصطلاح کو استعمال کرنا صحیح نہیں ہے اس کے برعکس جب نظامِ مصطفےٰ کی اصطلاح کو استعمال کیا جائے گا تو یہ ایک جامع مانع مفہوم ہوگا. اطاعتِ خداوندی اور اطاعت مصطفےٰ دونوں کو شامل اور حاوی اور شرائع سابقہ سے متمیز اور ممتاز ہوگا۔

عقل صریح اور قرآن کریم کی روشنی میں نظام مصطفےٰ کی اصطلاح کا جواز اور استحسان سمجھنے کے بعد آیئے اب احادیث اور آثار کے اعتبار سے اس اصطلاح کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن عبداللہ قرطبی متوفی ۴۶۳ھ اور محمد بن سعد کاتب واقدی حضرت طفیل بن عمرو بن طریف دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قبول اسلام کے لیے حاضر ہوئے تو عرض کیا آپ کی قوم نے مجھے آپ کی باتیں سننے سے روکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ مجھے آپ کا کلام سُنا کر رہا اور میرے دل نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آپ حق فرماتے ہیں فَاعْرِضْ عَلَیَّ دِیْنَکَ (پس اپنا دین مجھ پر پیش کیجئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش کیا اور میں نے اس کو قبول کر لیا جب میں اپنی قوم میں پہنچا تو میرے والد مجھ سے ملے. میں نے کہا ایک طرف ہٹو. اب میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے. انہوں نے پوچھا کیا ہوا میں نے جواب دیا اسلمت واتبعت دین محمد ط (میں نے اسلام قبول کر لیا اور اب میں دین محمدی کا پیروکار ہوں) یہ سن کر میرے والد بھی مسلمان ہو گئے. اس کے بعد میری بیوی ملی تو میں نے اس سے بھی یہی کہا کہ اب تمہارا اور میرا راستہ الگ الگ ہے. اس نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا "اسلمت واتبعت دین محمد" (میں نے اسلام قبول کر لیا اور اب میں دین محمد کا پیروکار ہوں) یہ سُن کر وہ بھی مسلمان ہو گئی. (ملخصاً الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابہ جلد ۲ صہ ۲۲۳ تا ۲۲۴ وایضاً کتاب الطبقات الکبیر لمحمد بن سعد کاتب الواقدی جلد ۴ صہ ۱۷۵ تا ۱۷۶)

اس واقعہ میں ایک وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے حضور کے سامنے عرض کیا، مجھ پر اپنا دین پیش کیجئے یہ نہیں کہا کہ اللہ کا دین پیش کیجئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تغلیط نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ دین کی نسبت آپ کی طرف کرنا صحیح ہے اور یہی نظام مصطفےٰ کا مدلول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت طفیل اپنی قوم میں جا کر بار بار کہتے ہیں کہ میں دینِ محمد کا پیروکار ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دینِ محمد ایک صحیح اصطلاح ہے۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھی ـــــ اور نظام مصطفےٰ اسی دینِ محمد کی ایک تعبیر اور عنوان ہے۔ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے یہ حقیقت اب آفتاب سے روشن تر ہو گئی کہ نظام مصطفےٰ ایک صحیح اصطلاح ہے اس کو غلط وہی شخص کہہ سکتا ہے جو قرآن و حدیث کے مضامین پر نظر نہ رکھتا ہو۔

رہا یہ کہنا کہ ہم مسلمان ہیں محمدی نہیں ہیں تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی جرأت ایک کلمہ گو سے متصور نہیں ہو سکتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے لیکر بنی اسرائیل تک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے سب مسلمان تھے۔ لیکن وہ کنتم خیر امت (خیر الامم) اور امت مصطفےٰ ہونے کا شرف اور فضیلت حاصل نہ کر سکے۔ سابقہ امتوں اور اس امت کے اہلِ ایمان میں مسلمان کا نام قدر مشترک رہا ہے اور اس امت کو امم سابقہ سے اگر کوئی وصف ممتاز کرتا ہے تو وہ محمدی ہونا ہے ملاحظہ فرمایئے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا۔

۱۔ وامرت ان اکون من المسلمین۔ یونس: ۷۲) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں (حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے دعا کرتے ہوئے فرمایا

۲۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ۔ البقرۃ: ۱۲۸) اے ہمارے رب ہم کو مسلمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو مسلمان بنا) فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں کہا۔

۳۔ فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین۔ الذاریات ۳۶) ہم نے حضرت لوط علیہ السلام

marfat.com

کی بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر پایا) فرعون کے دھمکانے پر بنی اسرائیل نے دعا مانگی

۴۔ ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین۔ الاعراف ۷:۱۲۶ اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا کر اور اس حال میں ہمیں فوت کرنا کہ ہم مسلمان ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف خط میں تحریر فرمایا :۔

۵۔ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ النمل ۲۷:۳۰۔۳۱ (یہ خط سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور یہ اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع ہے یہ کہ تم لوگ مجھ پر بڑائی حاصل نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ)

ان تمام آیات سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ مسلمان ہونا صرف ہمارا امتیاز نہیں بلکہ اس وصف میں ہم اور امم سابقہ کے تمام اہل ایمان شریک ہیں۔ ہم میں اور ان میں جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ مسلمان ہونا نہیں محمدی ہونا ہے۔

صرف نظام الٰہی پر یقین رکھنا اور نظام مصطفےٰ سے اعراض کرنا یا اس کو غلط کہنا دراصل کفار کی فطرت ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے تکوینی اور تخلیقی نظام کے تو قائل تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریعی نظام کے منکر تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

۱۔ ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ۔ العنکبوت ۲۹:۶۱ (اگر آپ ان کفار سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے فائدے کے لیے کس نے مامور کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ "اللہ نے")

۲۔ ولئن سالتھم من نزل من السماء ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتھا لیقولن اللہ۔ العنکبوت ۲۹:۶۳ اور اگر آپ ان (کافروں) سے سوال کریں کہ آسمانوں سے پانی کون برساتا ہے اور اس پانی سے بے جان زمین کو سبزہ سے زندہ کون کرتا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ "اللہ")

marfat.com

۳- ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله۔ الزخرف ۸۷ (اور اگر آپ ان (مشرکین) سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ "اللہ نے")

قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے یہ امر واشگاف ہو گیا کہ کفار اور مشرکین نظام الٰہی سے اختلاف نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر ایمان رکھتے تھے اور اس کا زور شور سے اقرار کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ پھر کس بناء پر کافر تھے اور کس نظام کو نہیں مانتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تھے اور نظام مصطفٰے کے قائل نہ تھے! ملاحظہ فرمایئے قرآن کریم میں ارشاد ہے واذا قیل لهم تعالوا یستغفر لکم رسول الله لووا رءوسهم ورایتهم یصدون وهم مستکبرون۔ المنافقون ۵ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ احمد مصطفٰے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں وہ تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سر ہلا کر انکار کر دیتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں اور آپ دیکھتے ہی ہیں کہ وہ اعراض اور تکبر کرنے والے ہیں! غالباً اسی طرح کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا ؎

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

۲۵ نومبر کو جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر اور قائد اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی دام ظلہ نے بھی اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا، نظام الٰہی کی اصطلاح جلال الدین اکبر کے دین الٰہی کے مشابہ ہے لیکن نظامِ مصطفٰے کی اصطلاح ہمیں دیگر مذاہب کے نظاموں سے ممیز کرتی ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی تشریح خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ انہوں نے کہا جون ۱۹۷۰ء میں پانچ ہزار سے زیادہ علماء ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مقام پر جمع ہوئے تھے اور انہوں نے نظام مصطفٰے کی اصطلاح کی تشریح کی تھی اب قومی اتحاد میں شامل اور اس کے باہر تمام پارٹیاں اس اصطلاح کے استعمال پر پوری طرح متفق ہیں۔ اب یہ نظام قوم کا متفقہ مطالبہ بن چکا ہے اگر اب اس مرحلہ پر کوئی بحث چھیڑ دی گئی تو وہ ان افراد سے غداری

marfat.com

ہو گی جنہوں نے نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیئے قربانیاں پیش کی ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ نظام مصطفےٰ زندگی کا مکمل ضابطہ ہے اور اس میں طلبا کارکنوں اور کسانوں کے اقتصادی اور سماجی مسائل کا حل مضمر ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء)

اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے، ۲۷ نومبر کے نوائے وقت میں "سرراہے" کے زیر عنوان کالم نویس لکھتے ہیں۔

"مسٹر اے کے بروہی ملک کے ایک سربرآوردہ وکیل ہی نہیں بلکہ ان کا شمار ملک کے ممتاز ترین دانشوروں میں بھی ہوتا ہے اور ان کی سیاسی سوجھ بوجھ بارہا خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے لیکن خدا جانے انہوں نے کس خیال سے یہ کہہ دیا کہ ہمیں نظامِ مصطفےٰ کی جگہ نظام الٰہی کی ترکیب استعمال کرنی چاہیئے" ہمیں معلوم نہیں کہ نظام مصطفےٰ اور نظام الٰہی میں مسٹر بروہی کے نزدیک حدِ فاصل کیا ہے اور کہاں ہے!

آگے چل کر لکھتے ہیں" لیکن نظام مصطفےٰ کی جگہ نظام الٰہی کے استعمال سے صرف ناموں کا فرق نہیں ہوتا بلکہ نام بدل جانے سے معنوی تصورات میں بھی فرق آتا ہے اور مصطفےٰ کا نام تو مسلمانوں کے لیے اتنا مقدس، جان پرور اور عافیت آرا ہے کہ حضرت اقبال کو بھی کہنا پڑا ؎

در دلِ مسلم مقام مصطفےٰ است ؛ آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

اور آخر میں انہوں نے یہ موضوع صاحبزادہ غلام نصیر الدین کے ان اشعار پر ختم کر دیا ہے

صرف توحید کا شیطان بھی ہے قائل یوں تو ؛ شرط ایمان ہے محمد کی غلامی یہ نہ بھول

ان سے نسبت نہ ہو گر تو محاسن بھی گناہ ؛ وہ شفاعت پہ ہوں مائل تو جرائم بھی قبول

(روزنامہ نوائے وقت ۲۷ نومبر ۷۷ء)

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علماء سے لیکر صحافیوں تک تمام اہل علم و دانش حضرات نے بروہی صاحب کے اس بیان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے موسوم نظام کو غلط کہہ کر بروہی صاحب نے ایسا اقدام کیا ہے جس کی کسی کلمہ گو سے توقع نہیں کی جاسکتی اور ان کے اس بیان سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے ان کروڑوں غلامانِ مصطفےٰ کے جذبات مجروح ہوئے ہیں جو اس نام کی خدمت پر ہزار بار سر کٹانے کو اپنی سعادت گردانتے ہیں۔

manat.com

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نمازِ جنازہ بر طریقہ سُنت

ائمہ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں صرف قیام اور چار تکبیروں کا پڑھنا فرض ہے اور یہ ایک اتفاقی چیز ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، دوسری تکبیر کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود، تیسری تکبیر کے بعد میت کے حق میں دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کا پڑھنا فرض نہیں ہے ثناء، درود اور دعا یہ سب مستحب ہیں۔ نیز نمازِ جنازہ میں ثناء، درود یا دعا کسی خاص الفاظ سے پڑھنے کا حدیث میں حکم نہیں ہے۔ احادیث شریفہ میں وارد جن کلمات سے ثناء، درود اور دعا پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گی۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں۔

عن جابر قال ما باح لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابو بکر ولا عمر فی الصلوٰۃ علی المیت بشیئ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صـ ۱۱۰)

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں پڑھنے کے لیے کسی چیز کو معین نہیں فرمایا نہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن ثلاثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھم لم یقوموا علی شیئ فی امر الصلوٰۃ علی الجنازۃ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ میں پڑھنے کے لیے کوئی چیز معین نہیں ہے۔

عن عمران بن جریر قال سالت

عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے

marfat.com

محمدا عن الصلوٰۃ علی المیت نقال مایعلم لہ شیٔ موقت نادع باحسن ما تعلم (ایضاً) — حضرت محمد سے نماز جنازہ کے بارے میں پوچھا وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز معین نہیں جو اچھے کلمات ہوں ان سے دعا مانگو۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ غیر مقلدین کا نماز جنازہ میں خاص ثناء، درود اور دعا کی تعیین کرنا قطعاً باطل اور احادیث صریحہ کے خلاف ہے۔

آج کل جن عبارات کے ساتھ ثناء، درود اور دعا کا عام رواج ہوگیا ہے ان کے ساتھ تخصیص اور تعیین احناف کی کسی مستند کتاب میں موجود نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین بھی اس سلسلہ میں تیسیر القرآن کے سوا اور کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے۔ تاہم جن عبارات کے ساتھ آج کل نماز جنازہ میں ثناء، درود اور دعا پڑھی جاتی ہے کتب احادیث میں ان عبارتوں کا ثبوت موجود ہے۔

ثناء عام طور پر جس ثناء کو نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے اس کی عبارت یہ ہے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک یہ ثنا احادیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور حافظ ابو شجاع نے اپنی تصانیف میں اسی ثناء کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر جلد ا صـ ۲۰۳)

درود عام طور پر جس درود کو نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے اس کی عبارت یہ ہے اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اس درود میں سلمت اور رحمت وترحمت کے الفاظ بھی شامل ہیں جن کی وجہ سے مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ درود شریف حدیث سے ثابت نہیں ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے اور یہ الفاظ بھی احادیث سے ثابت ہیں۔ سلمت کے ثبوت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اللھم وسلم علی محمد کما سلمت علیٰ ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید

marfat.com

(رواہ ابن مسدی عن علیؓ ابن ابی طالب بحوالہ سعادت الدارین ۔ صد۲۳۱)

رحمت :۔ کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں۔

وارحم محمدا وآل محمد کما رحمت علی ابراھیم وعلی آلِ ابراھیم انك حمید مجید۔

(رواہ ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بحوالہ سعادت الدارین صد۲۲)

ترحمت :۔ کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں :۔

وارحم محمدا وآل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید :۔

(رواہ الحاکم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، بحوالہ سعادت الدارین صد۲۳)

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے حسنوا الصلوٰۃ علی نبیکم اپنے نبی پر بہترین طریقے سے درود بھیجو اور کیا یہ بہترین طریقہ نہیں ہے۔ کہ اختصار کے ساتھ حدیث شریف میں وارد تمام کلمات سلمت، رحمت، ترحمت اور بارکت کو درود میں پڑھ لیا جائے۔

دُعا جو دعا عام طور پر نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔

اور یہ دُعا مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہے (بحوالہ مشکوٰۃ شریف۔ صد۱۴۶)

marfat.com

نمازِ جنازہ بر طریقۂ غیر مقلّدین

غیر مقلدین حضرات نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کو ضروری خیال کرتے ہیں حالانکہ کسی صحیح حدیث سے تکبیر اولیٰ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورہ فاتحہ پڑھنا اور ضمِ سورت کرنا یا اس کا حکم ثابت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف حدیث صحیح سے یہ امر ثابت ہے کہ نمازِ جنازہ میں کسی چیز کی قرأت کو مقرر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بکثرت آثار صحابہ سے بھی نمازِ جنازہ میں قرآن پڑھنے سے منع ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مشہور محدّث حافظ علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ فرماتے ہیں

عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال لم یوقت لنا فی الصلوٰۃ علی المیت قرأۃ ولا قول کبر ما کبر الامام واکثر من طیب الکلام۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے نمازِ جنازہ میں نہ قرآن پڑھنے کو مقرر کیا گیا نہ کسی اور چیز کو امام کی تکبیر پر تکبیر کہو اور اچھی دعا و ثناء کرو۔

(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۳۲)

نیز غیر مقلدین کے مستند ظاہری عالم ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ ذکر کرتے ہیں :-

عن فضالۃ بن عبید انہ سئل ایقرء فی جنازۃ بشیٔ من القرآن قال لا

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا نمازِ جنازہ میں قرآن پڑھا جائے گا۔ فرمایا نہیں۔

المحلی جلد ۵ ص ۱۳۱

نیز امام ابن ابی شیبہ اور ابن حزم اپنی تصانیف میں روایت کرتے ہیں :-

عن نافع ان ابن عمر کان لا یقرء فی الصلوٰۃ علی المیت

حضرت عبداللہ بن عمر نمازِ جنازہ میں قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۱۱۳ المحلی جلد ۵ ص ۱۳۱)

اور علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں۔

marfat.com

ومن کان لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ ابوبکر وعمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وابن عمر وابی ھریرۃ۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ صہ ۱۳۹)	جو اصحاب کرام نماز جنازہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرتے تھے ان میں سے بعض یہ ہیں حضرت عمر بن خطاب حضرت علی بن ابی طالب حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ۔

سورت فاتحہ اور ضم سورت پر غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

۱- صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔

الجواب۔ اولاً تو یہ حدیث غیر مقلدین کے لیے مفید نہیں کیونکہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو سُنت کہا ہے اور وہ اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ **ثانیاً** سنت کا لفظ اس بات میں صریح نہیں کہ وہ حضور کی سنت ہے۔ **ثالثاً** جب حدیث صحیح اور صحابہ کرام سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع ثابت ہو چکا تو اس کا پڑھنا سنت نہیں ہو سکتا اور حضرت ابن عباس کے اس قول کے ساتھ تصحیح کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے نماز جنازہ میں بطور ثناء اور دعا سورہ فاتحہ پڑھی۔ نہ بطورِ قرأت قرآن کے اور اس کے جواز کے احناف بھی قائل ہیں۔

۲- ابن ماجہ سے ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

الجواب:- اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے حماد بن جعفر العبدی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ لیّن الحدیث ہے یعنی ضعیف ہے (تقریب التہذیب صہ ۸۵) ایک راوی ہے شہر بن حوشب اس کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کثیر الارسال والاوہام ہے یعنی اس کی روایات اکثر مرسل ہوتی تھیں اور اس کو بہت وہم لاحق ہوتے تھے۔ (تقریب التہذیب صہ ۸۶)

marfat.com

ایک راوی ہے ابو عاصم اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی روایات ضعیف ہوتی تھیں (تقریب صہ ۲۵) خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام کڑیاں ضعیف راویوں پر مشتمل ہیں۔

۳۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صہ ۳۲ کے حوالہ سے طبرانی کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں باآواز بلند سورۃ فاتحہ پڑھی حالانکہ مجمع الزوائد میں اسی حدیث کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن یزید بن عبد الملک نوفلی نام کا ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صہ ۳۲ :۔ سے اسماء بنت یزید کی روایت پیش کرتے ہیں۔ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز جنازہ پڑھو تو سورۃ فاتحہ پڑھو۔ جب کہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد صاحب مجمع الزوائد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں معلی بن حمران نام کا ایک مجہول راوی ہے اور اس کے علاوہ دوسرا راوی بھی محل کلام ہیں۔

۵۔ سنن نسائی سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور ضم سورۃ کیا۔ سورۃ فاتحہ کا جواب گذر چکا ہے اور ضم سورۃ کا جواب یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن سعد کی روایت ہے اور بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ضم سورت کا ذکر غیر محفوظ ہے۔ (سنن کبریٰ۔ جلد ۴ صہ ۳۸)

اظہار حق کی خاطر یہ چند سطور سپرد قلم کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان اوراق کو اہل سنت احناف کے لیے استقامت اور غیر مقلدین کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ وماذالك على الله بعزيز ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم والحمد لله رب العالمين۔

marfat.com

علاج کی شرعی حیثیت

انسان کی صحت اخلاط اربعہ کے توازن اور حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست کے اعتدال سے قائم ہے ان اخلاط اور کیفیات میں سے کسی خلط اور کیفیت میں اگر خلل آجائے تو انسان کا مزاج فاسد اور اس کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ صحت کی بحالی کے لیے ہر کیفیت کو اس کے اصل حال کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اسی عمل کو عرف میں علاج معالجہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور روز افزوں ترقی نے طب و حکمت کو بھی کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ علاج کرانا شرعاً جائز بھی ہے یا نہیں اور جائز ہونے کی صورت میں ہومیوپیتھک اور ایلوپیتھک دوائیں اسلامی احکام کے مطابق ہیں یا نہیں؟

وبائی امراض متعدی ہوتے ہیں یا نہیں اور اس قسم کی دوسری ابحاث سب سے پہلے ہم علاج کے شرعی ثبوت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علاج کا ثبوت قرآن سے حالت احرام میں سر کے بالوں کا کٹوانا منع ہے لیکن اگر کسی شخص کے سر میں جوئیں پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ وہ بالوں کو منڈوا کر فدیہ دے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ، فمن کان منکم مریضا	اور اپنے سر کے بالوں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک کہ ہدی اپنی جگہ پر نہ پہنچ

marfat.com

اذىً من راسه ففدية — اور جو بیمار ہو یا جس کے سر میں جوئیں ہوں تو وہ (بال منڈوا کر) فدیہ ادا کر دے۔

البقرۃ: ۱۹۶

جب سر میں جوئیں ہوں اور اس کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کا علاج یہی ہے کہ بال منڈوا دیئے جائیں۔ پس قرآن کریم کی اس آیت سے علاج کی اصل ظاہر ہو گئی۔

علاج کا ثبوت احادیث سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بیماریوں کے لیے دوائیں تجویز فرمائیں۔ اپنا اور صحابہ کا علاج فرمایا ہے۔ بخاری شریف میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ یوم احد کو جب حضور کا چہرہ زخمی ہو گیا تو حضرت فاطمہ نے زخم کو دھویا اور جب خون نہ رکا تو انہوں نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی۔ ابو داؤد میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے ناک میں دوا ڈالی۔ ابو نعیم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیماریوں میں علاج کیا کرتے تھے ابو داؤد میں ابو درداء سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری اور دوائیں دونوں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں۔ اے اللہ کے بندو! دوا استعمال کرو اور حرام دوا سے بچو لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد اب علاج کرانے کے جواز میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔

علاج اور توکّل

بعض لوگ علاج کرانے کو اللہ پر توکّل کے خلاف سمجھتے ہیں اس سلسلے میں گزارش ہے کہ کسی شئے کو حاصل کرنے کے لیے اس کے اسباب کو حاصل کرنے کے بعد اس کے نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دینا یہ توکل ہے نہ یہ کہ اسباب کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ جس طرح بھوک پیاس مٹانے کے لیے، کھانا پینا روزی کمانا۔ مشکلات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا توکّل کے خلاف نہیں ہے اسی طرح بیماریوں کا علاج کرانا بھی توکل کے منافی نہیں ہے۔

اس موضوع پر ترمذی کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

نے فرمایا من اکتوی او استرقی فقد بری من التوکل جس شخص نے اپنے جسم پر داغ لگوایا یا دم کرایا وہ توکل سے بری ہوگیا۔ اکتواء عرب کا ایک معروف طریقہ علاج تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جسم کے جس حصہ میں درد ہو اسے گرم لوہے سے داغ دیا جائے۔ اس حدیث میں حضور نے اکتواء کو خلاف توکل قرار دیا ہے جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ علاج کرانا بھی توکل کے خلاف ہے۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت اکتواء سے علاج کیا ہے۔ اس لیے اس حدیث میں توجیہہ اور تاویل کرنا ضروری ہے۔ ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زرارہ کا اکتواء سے علاج کیا۔ مسلم میں جابر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا جس نے ان کا اکتواء سے علاج کیا۔ ان حدیثوں کے ملاحظہ کے بعد اس حدیث کی توجیہہ ضروری ہوگئی جس میں اکتواء کو منافی توکل قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے فرمایا کہ اکتواء سے اس شخص کو منع کیا ہے جو حالتِ صحت میں مرض کے خوف سے بلاضرورت اکتواء کرے کیونکہ اس کا یہ عمل توکل اور ایمان بالتقدیر کے خلاف ہے اور خطابی فرماتے ہیں کہ جو شخص اکتواء کو قطعی علاج قرار دیتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اگر اکتواء نہ کرایا تو مر جائے گا، تو اسے اکتواء سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں محض اکتواء پر اعتماد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے شفاء کی امید نہ ہوگی اور یہ یقیناً توکل کے خلاف ہے اور جو شخص اکتواء کو محض علاج کا سبب قرار دے اور شفاء کی امید اللہ سے وابستہ رکھے اس کے لیے اکتواء جائز ہے اور یہ حکم ہر علاج کا ہے۔ صرف اکتواء کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

وبائی امراض کا متعدی ہونا

یہ بحث شروع سے چلی آرہی ہے کہ وبائی امراض متعدی ہوتے ہیں یا نہیں۔ دونوں طرف سے احادیث پیش کی جاتی ہیں لیکن روایات کے تتبع اور دقت نظر سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض امراض میں یہ خاصیت پیدا کی ہے کہ ان

marfat.com

کے جرثومے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابو نعیم اور بخاری نے روایت کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقوا المجذوم کما یتقی الاسد

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوڑھی سے ایسے بچو جیسے شیر سے بچا جاتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

اعلم ان اللہ تعالی جعل ذالک سببا لمحذر من الضرر الذی یغلب وجودہ عند وجودہ بفعل اللہ عزوجل۔ (عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۲۴۷)

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جذامی کے ساتھ میل جول کو جذام کا سبب غالب بنا دیا ہے اس لیے حضور نے اس ضرر سے ڈرایا جو اختلاط کے وقت اللہ کے فعل سے ظہور میں آئے گا۔

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں:۔

ان ھذہ الامراض لا تعدی بضعفھا ولکن اللہ تعالی جعل مخالطۃ المریض بھا للصحیح سببا لاعدائہ مرضہ۔ (عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۲۴۷)

یہ بیماریاں خود بخود متعدی نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بیمار کے تندرست کے ساتھ اختلاط کو تعدی مرض کا سبب بنا دیا ہے۔

نیز فقہاء نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بچہ کو غصب کر کے ایسی جگہ لے جائے جہاں وبائی مرض پھیلا ہوا ہو اور اس بیماری سے بچہ مر جائے تو اسے تاوان دینا ہو گا کیونکہ وبا سے متکیف ہوائیں بھی انسانی جسم میں غذا کی طرح اثر کرتی ہیں۔ (شامی جلد ۵ ص ۱۴۴ و بزازیہ علی ہامش الہندیہ جلد ۶ ص ۳۸۶)

لاعدوی کا جواب | جو لوگ متعدی بیماریوں کے قائل نہیں ہیں وہ ذیل کی حدیث سے نفی تعدی پر استدلال کرتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ حین قال رسول اللہ

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا صفر ولا ھامة فقال اعرابی یا رسول اللہ فما بال الابل تکون فی الابل کانھا الظباء فیجیئ البعیر الاجرب فید خل فیھا فیجربھا کلھا قال فمن اعدی الاول ۔ (صحیح مسلم)

وسلم نے فرمایا مرض کی تعدی الو کی نحوست اور ماہ صفر کے انتقال کی کوئی حقیقت نہیں ہے ایک اعرابی نے پوچھا پھر کیا وجہ ہے کہ ایک خارش زدہ اونٹ تندرست اونٹوں میں ملتا ہے تو انہیں بھی خارش ہو جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ پھر پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی ؟

یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے لیکن جب ان پر یہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے اس کی روایت کرنے سے انکار کیا اور اس کے خلاف یہ حدیث روایت کی لا یورد الممرض علی المصح ، بیمار کرنے والے شخص کو تندرست کے پاس مت لاؤ (نودی شرح مسلم علی حاشیہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۳) نیز اس بحث سے قطع نظر کرکے اس حدیث کا صحیح محمل وہ ہے جسے علامہ بدرالدین عینی حنفی ابن صلاح اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں :۔

وکانوا یظنون ان المرض بنفسه یعدی فاعلمھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الامر لیس کذالك وانما اللہ عزوجل ھو الذی یمرض وینزل الداء لھذا قال فمن اعدی الاول ای من این صار فیه الجرب

(عمدۃ القاری جلد ۲۱ صفحہ ۲۴۷)

عرب یہ گمان کرتے تھے کہ بیماریاں خود بخود متعدی ہوتی ہیں پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلایا کہ ایسا نہیں ہے اللہ ہی بیماری پیدا کرتا ہے ورنہ پہلے اونٹ میں بیماری کہاں سے آگئی ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کے خود بخود متعدی ہونے کا رد فرمایا ہے اور اس عقیدہ کی نفی کی ہے اور صحت مندوں سے بیمار کو دور رکھنے کی حدیث میں تعدی کے لیے مرض کے سبب غالب ہونے کا اثبات

marfat.com

فرمایا ہے۔

کوڑھی کو کھانے میں شریک کرلینا اس سلسلہ میں ترمذی کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ حضور نے ایک کوڑھی کو اپنے ساتھ پیالے میں شریک فرما کر کہا کہ اللہ پر توکل کر کے کھاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ امراض متعدی نہیں ہوتے اور اس کے جواب میں اولاً گذارش یہ ہے کہ یہ حدیث ترمذی کی ہے اور اس کے بارے میں خود امام ترمذی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضور کا نہیں حضرت عمر کا واقعہ ہے۔ ثانیاً علامہ عینی فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث ابوہریرہ کی اس روایت کے پائے کی نہیں ہے جس میں کوڑھی سے دُور رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ثبوت کی تقدیر پر جواب یہ ہے کہ امراض خود بخود متعدی نہیں ہوتے البتہ اللہ تعالیٰ نے مریض کی تندرست کے ساتھ مخالطت کو بیماری کے متعدی ہونے کا سبب غالب بنا دیا ہے لیکن یہ سبب بھی باقی اسباب کی طرح کبھی اپنے مسبب سے متخلف ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۲ صـ۲۴)

انگریزی دوائیں ایلوپیتھک کی جو دوائیں از قسم مائع ہوتی ہیں۔ ان میں الکحل ملی ہوئی ہوتی ہے اور ہومیوپیتھک کی کوئی دوا الکحل کی آمیزش سے پاک نہیں ہوتی۔ الکحل کی جتنی مقدار دواؤں میں شامل ہوتی ہے وہ نشہ آور نہیں ہوتی لیکن خالص الکحل ایک خاص مقدار میں نشہ پیدا کر دیتی ہے اس لیے عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ انگریزی دواؤں کو علاج میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اس سوال کے حل سے پہلے ہمیں یہ جائزہ لینا ہوگا کہ شراب کی کیا تعریف ہے اس کی کتنی اقسام ہیں اور ان کے کیا احکام ہیں اور دواؤں میں جو الکحل ملی ہوتی ہے وہ کس زمرہ میں آتی ہے۔

فقہاء حنفیہ نے حرام شرابوں کی چار قسمیں بیان کی ہے۔ خمر[1]، باذق[2]، سکر[3] اور نقیع الزبیب۔ خمر کی حرمت منصوص اور قطعی ہے اور باقی تین کی حرمت اجماع صحابہ سے ثابت اور ظنی ہے۔

marfat.com

خمر: انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہونے کے بعد جوش میں آکر جھاگ چھوڑ دے۔

باذق:۔ انگور کے اس پکے ہوئے شیرہ کو کہتے ہیں جو پک کر دو تہائی سے کم ختم ہو جائے خواہ نصف ختم ہو یا ایک تہائی اور وہ جوش کھانے کے بعد جھاگ چھوڑنے لگے۔

سُکر:۔ چھوہاروں میں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ دے' در نقیع الزبیب منقہ میں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ چھوڑ دے۔

یہ چاروں شرابیں حرام ہیں خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، نشہ آور ہو یا نہ ہو یہ حرام اور نجس ہیں سوائے اضطرار اور مجبوری کے ان کو دواؤں میں بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

ان چاروں شرابوں کے علاوہ جس قدر نشہ آور مشروبات ہیں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ صرف اسی مقدار میں حرام اور نجس ہیں جس مقدار میں وہ نشہ آور ہوں اور اس سے کم مقدار میں وہ نہ حرام ہیں اور نہ نجس۔ ان کو علاج اور تقویت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عیش و طرب کے لیے انہیں قلیل مقدار میں بھی پینا حرام ہے اور امام محمد کے نزدیک نشہ آور مشروبات اپنی ہر مقدار میں حرام ہیں خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر، نشہ آور ہو یا نہ ہو، اور ہمارے مشائخ نے فساد زمانہ کے لحاظ سے امام محمد کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

الکحل آلو، گنے، چقندر، مکئی اور ایسی دوسری اجناس کے نشاستہ سے تیار کی جاتی ہے جس سے شکر حاصل ہو سکے اس نشاستہ میں پانی شامل کر کے اسے جوش دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ رقیق کرتے ہیں۔ پھر اس میں مختلف کیمیکلز شامل کرتے ہیں۔ جس کے بعد یہ مرکب ایک مرتبہ میں الکحل بن جاتا ہے اور ایک خاص مقدار میں نشہ پیدا کرتا ہے۔

marfat.com

شراب کی جن چار قسموں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ الکحل ان سب سے خارج ہے جس مقدار میں یہ نشہ آور ہو بالاتفاق حرام اور نجس ہے لیکن اس سے کم مقدار میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب کی رُو سے یہ حرام اور نجس نہیں ہے اور امام محمد کے مذہب کے مطابق اس صورت میں بھی حرام اور نجس ہے۔

جب کسی مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے متعدد اقوال ہوں تو مطلقاً امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور جب امام اعظم کے ساتھ صاحبین میں سے بھی کوئی ہم نوا ہو تو یہ حکم اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے لیکن اس اصول کے برخلاف یہاں ہمارے مشائخ نے امام محمد کے قول پر اس لیے فتویٰ دیا ہے کہ کہیں لوگ مقدار قلیل کا بہانہ بنا کر عیش و طرب کے لیے شراب پینا نہ شروع کر دیں۔ اس لیے انہوں نے فتنہ کا دروازہ بالکلیہ بند کرنے کے لیے امام محمد کے قول کو اختیار کر لیا۔

آج چونکہ ہر شخص انگریزی دواؤں کے علاج میں مبتلا ہے اور ابتلاء عام کی بناء پر احکام میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اس لیے میں علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ مشائخ نے امام محمد کے مذہب پر مقدار قلیل کی حرمت و نجاست کا فتویٰ اس خطرہ کے پیش نظر دیا تھا کہ اسے پی کر لوگ کہیں شراب کے راستہ پر نہ چل پڑیں لیکن دواؤں میں الکحل کی جتنی مقدار شامل ہوتی ہے اس پر دوسری ادویات اس قدر غالب ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ مخلوط اور قلیل مقدار نہ شراب کی لذت سے آشنا کرتی ہے نہ اس کا راستہ دکھاتی ہے۔ لہذا جس علت کی بناء پر مشائخ نے مقدار قلیل میں امام محمد کے قول کا اعتبار کیا ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی پس چاہیے کہ علماء کرام دواؤں کے معاملہ میں اصل کے مطابق امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مذہب پر فتویٰ دیں اور خالص الکحل استعمال کرنے کے مسئلہ میں امام محمد کے قول پر فتویٰ دیں یعنی خالص الکحل حرام اور نجس ہے خواہ مقدار قلیل میں ہو یا کثیر میں۔ نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ تقویت کے لیے پی جائے یا عیش و طرب

marfat.com

کے لیے۔

نرسوں کا رواج

عہدِ رسالت میں عورتیں میدانِ جنگ میں زخمیوں کو دوا دیتی تھیں۔ پانی پلاتی تھیں۔ بعض لوگ اس پر نرسوں کو قیاس کر لیتے ہیں لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اضطرار کی صورت تھی اور اب ہسپتالوں میں کوئی مجبوری اور اضطرار نہیں ہے۔ حجاب تو الگ رہا نرسوں کے جسم پر جو لباس ہوتا ہے اس سے ان کا پورا ستر بھی قائم نہیں رہتا اس لیے اسلامی اقدار کو اپنانے اور علاج کو شرعی لباس پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ نرسنگ کے لیے مردانہ ہسپتالوں میں عورتوں کی بجائے مردوں سے کام لیا جائے۔

---

marfat.com

زاغ معروف کا شرعی حکم

استفتاء کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض علماء کی طرف سے ایک فتویٰ شائع ہوا ہے کہ یہ عام کوا جو ہمارے شہروں میں پایا جاتا ہے اس کو کھانا حلال اور جائز ہے ان کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ کوّا مرغی کی طرح ہے۔ دانہ دنکا اور گندگی دونوں چیزیں کھاتا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام اعظم نے اس کوے کو بلاکراہت حلال قرار دیا ہے براہِ کرم دلائل سے حق واضح کریں۔ بینوا۔ توجروا۔

سائل : محمد منشار رضوی

عام طور پر ہمارے شہروں میں جو کوا پایا جاتا ہے وہ چڑیا اور فاختہ وغیرہ کے بچوں کو پنجوں سے شکار کر کے کھاتا ہے، دانہ دنکا اور مردار بھی کھا جاتا ہے اور بچوں کے ہاتھ سے روٹی بھی جھپٹ کرلے جاتا ہے اس کا کھانا قرآن کریم حدیث شریف، ائمہ مذاہب کے اقوال اور قیاس صحیح سے ناجائز اور حرام ہے۔

زاغ معروف کے علاوہ کوّے کی دو مشہور قسمیں اور ہیں غراب زرع اور عقعق۔ غراب زرع معروف کوّے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ چونچ اور ٹانگیں سُرخ ہوتی ہیں نہ پنجوں سے شکار کرتا ہے اور نہ مُردار کھاتا ہے یہ بالاتفاق حلال ہے۔ عقعق جسامت میں کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔ گندگی اور دانہ دنکا دونوں کھا لیتا ہے پنجوں سے شکار یہ بھی نہیں کرتا۔ اس کی حلت مختلف فیہ ہے۔

marfat.com

موخرالذکر دونوں قسمیں عام طور پر ہمارے شہروں میں نہیں پائی جاتیں۔
زاغ معروف کی حرمت پر چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کوّا ایک خبیث جانور ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
ویحرم علیہم الخبائث یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اور کوّے کی خباثت پر دلیل یہ ہے۔

عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب، والحدأۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۲۴۶ وصحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۱)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کوّا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔
اور علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ فرماتے ہیں :۔

وسمیت فواسق استعارۃ لخبثھن (عنایہ شرح ھدایہ علی ھامش فتح القدیر جلد ۲ صہ ۲۵۵) یعنی ان جانوروں کو فاسق ان کی خباثت کی بنا پر فرمایا ہے اسی طرح ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں اراد بفسقھن خبثھن (مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صہ ۳۸۸) اور علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ھ فرماتے ہیں انہ حیوان خبیث الفعل خبیث المطعم ولذا امر صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہ فی الحل والحرم۔ (حیوٰۃ الحیوان الکبریٰ جلد ۲ صہ ۹۴)

کوّا ایک ایسا جانور ہے جس کے افعال بھی خبیث ہیں اور اس کا ذائقہ بھی خبیث ہے اسی لیے حضور نے حرم اور غیر حرم میں اس کے قتل کا حکم فرمایا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف اور تصریحات علماء کے مطابق کوّا ایک خبیث جانور ہے اور از روئے قرآن خبیث جانوروں کا کھانا حرام ہے لقولہ تعالیٰ ویحرم علیھم الخبائث ــــ پس کوّا کھانا حرام ہوا۔

۲۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے۔

marfat.com

عن ابن عمر من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاسقا واللّٰہ ماھو من الطیبات ۔ (سنن ابن ماجہ ۲۴۴)

حضرت عبد اللّٰہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کوّے کو کون شخص کھا سکتا ہے جبکہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس کو فاسق فرما چکے ہیں۔ قسم بخدا وہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے۔

۳۔ عن عائشۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلن فی الحرم الغراب الحدیث (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۴۶)

یعنی حضور نے فرمایا کوا فاسق ہے اور حیوانات میں فسق اور فاسق کا اطلاق اس جانور پر آتا ہے جس کا کھانا حرام ہے اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے:

او فسقا اھل لغیر اللّٰہ بہ نیز فرمایا ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ وانہ لفسق اسی سبب سے علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں واما المعنی فی وصف الدواب المذکورۃ بالفسق فقید لخروجھا عن حکم غیرھا من الحیوان فی تحریم قتلہ وقیل فی حل اکلہ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۰۸) یعنی کوّے وغیرہ کو فاسق اس لیے فرمایا ہے کہ یہ حلال جانوروں کے حکم سے خارج ہے اس کو حرم میں قتل کرنا حلال اور اس کا کھانا حرام ہے۔

۴۔ جو جانور پنجوں سے چیر پھاڑ کر شکار کر کے کھاتے ہیں ان کو حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے حرام فرما دیا۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن العرباض بن ساریۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی یوم خیبر عن کل ذی ناب من السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)

عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے یوم خیبر کو دانتوں سے پھاڑنے والے درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے حرام کر دیئے اور کوا بھی چڑیا وغیرہ کے بچوں کو پنجوں سے چیرتا پھاڑتا ہے اس لیے اس حدیث کے موجب حرام قرار پایا۔

marfat.com

۵۔ جمہور ائمہ مذاہب کے نزدیک بھی پنجوں سے چیر کر شکار کرنے والے پرندے حرام ہیں چنانچہ امام نودی فرماتے ہیں :۔

فی ھٰذہ الاحادیث دلالۃ لمذھب الشافعی وابی حنیفۃ واحمد و داؤد والجمھور انہ یحرم اکل کل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر۔ (نودی علی صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۱۴۷)

یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور جمہور کے نزدیک پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے حرام ہیں اور کوا بھی اس کلیہ میں داخل ہے لہٰذا وہ بھی حرام قرار پایا۔

۶۔ عقل اور قیاس صحیح سے بھی کوّے کی حرمت ثابت ہے کیونکہ حرمت کا سبب یا خبث ہے اور یا ایذاء اور یہ دونوں وصف کوے میں موجود ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں :۔

والموثر فی الحرمۃ الایذاء وھو طوراً یکون بالناب وتارۃ یکون بالمخلب او الخبث وھو قد یکون خلقۃ کمافی الحشرات والھوام وقد یکون بعارض کمافی الجلالۃ۔ (رد المحتار جلد ۵ صہ ۲۶۵)

حرمت کا سبب یا تو ایذاء ہے اور وہ دانتوں سے پھاڑنے یا پنجے سے چیرنے سے ہوتی ہے اور یا خبث ہے اور وہ کبھی فطری ہوتا ہے جیسے حشرات الارض میں اور کبھی طاری جیسے گندگی کھانے والے جانوروں میں اور کوّے میں ایذا کا وصف بھی ہے کیونکہ وہ چیرتا پھاڑتا ہے اور بچوں سے روٹی جھپٹ کرلے جاتا ہے اور خبث بھی ہے کیونکہ وہ گندگی اور مردار بھی کھا لیتا ہے۔ اس لیے عقلاً اور قیاساً بھی حرام قرار پایا۔

ازالہ شبہات بعض علماء عصر یہ کہتے ہیں کہ مرغی بھی گندگی اور پاک چیزیں دونوں کھالیتی ہے پس جب مرغی حلال ہے تو کوّا بھی حلال ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حرمت کے دلائل سے صرف نظر کرکے صرف

Mahaat.com

مرغی پر قیاس کرنا مقصود ہے تو پھر کتا، چیل اور گدھ بھی حلال ہونے چاہیں۔ کیوں کہ یہ جانور بھی گندگی اور مردار کے علاوہ پاک چیزیں مثلاً روٹی وغیرہ بھی کھا لیتے ہیں۔ اور اگر دوسرے دلائل کی وجہ سے یہ جانور حرام ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان دلائل کی وجہ سے کوا حرام نہ ہو۔ نیز اگر غور کیا جائے تو کوّے اور مرغی میں فرق واضح ہے۔ کوّے کو حضور نے فاسق فرمایا۔ اس کے برخلاف مرغی کو آپ نے خود تناول فرمایا۔ کوا چیر پھاڑ کر شکار کرتا ہے اور مرغی ایسا نہیں کرتی۔ کوے کو آپ نے حرم و غیر حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ مرغی کے لیے یہ حکم نہیں فرمایا۔ اصل بات یہ ہے کہ کوّا مرغی کی طرح نہیں چیل اور گدھ کی طرح ہے جس طرح وہ حرام ہیں یہ بھی حرام ہے۔

حلت زاغ کے سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ فقہا نے لکھا ہے کہ کوّے کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو صرف مردار کھائے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ دوسری وہ جو صرف دانہ دنکا کھائے یہ بالاتفاق حلال ہے تیسری قسم وہ ہے جو گندگی اور مردار بھی کھائے اور دانہ دنکا بھی اس میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور امام اعظم کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ یہ دلیل سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اختلاف معروف کوے کے بارے میں نہیں عقعق کے بارے میں ہے اور عقعق معروف کوے کے علاوہ ایک اور پرندہ ہے۔

ملاحظہ فرمایئے علامہ محمد بن حسین بن علی حنفی فرماتے ہیں :-

والغراب ثلاثة انواع نوع یاکل الجیف فحسب فانه لا یؤکل ونوع یاکل الحب فحسب فانه یؤکل ونوع یخلط بینهما وهو ایضا یوکل عند الامام وهو العقعق لانه یاکل کالدجاج وعن ابی یوسف انه یکره اکله لانه غالب اکله الجیف والاول اصح۔

(تکملة البحر الرائق جلد ۸ ص ۱۲۳)

marfat.com

کوّے کی تین قسمیں، اول جو صرف گندگی کھاتا ہے یہ حرام ہے۔ ثانی جو صرف دانہ کھاتا ہے یہ حلال ہے۔ اور ثالث جو مُردار اور دانہ دونوں کھانے والا ہے جس کا نام عقعق ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ بھی حلال ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ ہے۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے : وقال ابوحنیفۃ لا باس باکل العقعق لانہ یخلط فاشبہ الدجاجۃ وعن ابی یوسف انہ یکرہ لان غالب اکلہ الجیف

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عقعق کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ گندگی کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے پس مرغی کے مشابہ ہے اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ عقعق کی غالب خوراک چونکہ مردار ہے اس لیے وہ مکروہ ہے۔

ان دو حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اور امام ابویوسف کا یہ اختلاف معروف اور زیر بحث کوّے میں نہیں عقعق میں ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ فقہاء کرام عقعق کی کیا تعریف کرتے ہیں۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں العقعق وزن جعفر طائر نحو الحمامۃ طویل الذنب فیہ بیاض وسواد وھو نوع من الغربان یتشاءم بہ ویعقعق بصوت یشبہ العین والقاف۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ صہ ۱۵۶)

عقعق کبوتر کی جسامت کا ایک پرندہ ہے جس کی دم لمبی ہوتی ہے اور اس میں سیاہی اور سفیدی دونوں ہوتی ہیں کوّے کی ایک قسم ہے جس کو بدفالی کی علامت قرار دیتے ہیں اور اس کی آواز عین اور قاف (عق) کے مشابہ ہوتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی ردالمحتار جلد ۵ صہ ۲۶۸ پر عقعق کی یہی تعریف بیان فرمائی ہے اور علامہ دمیری لکھتے ہیں :- صوتہ العقعقۃ وھو طائر علی قدر الحمامۃ وھو علی شکل الغراب وجناحاہ اکبر من جناحی الحمامۃ وھو ذو لونین ابیض واسود طویل الذنب الی ان قال یشتق لہ ھذا الاسم من صوتہ (حیوۃ الحیوان جلد ۲ صہ ۵۹)

marfat.com

عقعق کبوتر کی جسامت کا ایک پرندہ کوّے کی شکل پر ہوتا ہے۔ اس میں سیاہ اور سفید دو رنگ ہوتے ہیں اس کی دم لمبی اور پر کبوتر سے بڑے ہوتے ہیں۔ عق عق کی آواز نکالتا ہے۔ اسی وجہ سے عربوں نے اس کا نام عقعق رکھ دیا ہے۔

گندگی کھانے کے بارے میں اس کی عادت بیان کرتے ہوئے امام قاضی خان لکھتے ہیں: وعن ابی یوسف رحمة الله تعالی انه قال سألت ابا حنیفة رحمه الله تعالی عن العقعق فقال لاباس به فقلت انه یاکل النجاسات فقال انه یخلط النجاسة بشیئ آخر ثم یاکل۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیه جلد ۳ ص ۳۵۷) امام ابو یوسف کہتے ہیں میں نے امام اعظم سے عق عق کے بارے میں پوچھا فرمایا کوئی حرج نہیں۔ میں نے عرض کیا وہ نجاست کھاتا ہے۔ فرمایا وہ نجاست کو دوسری چیزوں کے ساتھ مخلوط کر کے کھاتا ہے۔ (حاشیہ طحطاوی اور فتاوی عالمگیری میں بھی یہ عبارت پیش کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عق عق کی جسامت زاغ معروف سے چھوٹی اور کم ہوتی ہے اس میں دو رنگ ہیں جبکہ زاغ معروف میں صرف ایک سیاہ رنگ ہوتا ہے اس کی دم لمبی اور پر بڑے ہوتے ہیں اس کی آواز عق عق ہوتی ہے اس کے برخلاف کوّا غائیں غائیں کی آواز نکالتا ہے۔ عرب بدفالی کی علامت قرار دیتے ہیں، جب کہ عام کوّے کا یہ حکم نہیں ہے۔ نیز یہ گندگی کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے جبکہ عام کوّا یہ احتیاط نہیں کرتا۔ پس روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ عق عق اور پرندہ ہے اور کوّا اور پرندہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام اعظم کا اختلاف عقعق میں ہے۔ کوّے میں نہیں، اور یہ معروف کوّا بہر حال حرام ہے۔

---

marfat.com

فلسفہ حدود و تعزیرات

اصطلاحِ شرع میں حد اس معین سزا کو کہتے ہیں جس کو نافذ کرنا حقوق الہیہ میں سے ہے۔ اگرچہ تعزیر کا نفاذ بھی حقوق الہیہ میں سے ہے۔ لیکن اس میں عقوبت کی مقدار معین نہیں ہوتی۔ جماہیر علماء اسلام کا جن حدود پر اجماع ثابت ہے۔ وہ حدِ زنا، حد سرقہ، حد شراب اور حد قذف ہیں۔ حدِ زنا کی تعریف یہ ہے کہ اگر غیر شادی شدہ شخص سے یہ فعل شرعی طور پر ثابت ہو جائے تو اسے سو کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ۔ النور: ۲ اور اگر شادی شدہ شخص سے یہ جرم ثابت ہو تو اسے سنگسار کر دیا جاتا ہے اور یہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ حدِ سرقہ میں چور کا پہلی مرتبہ چوری پر دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور عود کرنے پر بایاں پیر کاٹ دیا جاتا ہے، اور بس (السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما) اور حد شراب کی تفصیل یہ ہے کہ خمر کے نفط پینے سے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو اور دیگر اشربہ محرمہ کو مقدار سکر تک پی لینے سے اسی کوڑوں کی حد واجب ہوتی ہے اور یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور حد قذف کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان پر صریح زنا کی تہمت لگائی جائے اور وہ حد کا طالب ہو تو تہمت لگانے والے پر اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں (والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ) اگر کسی کافر پر یہی تہمت لگائی جائے یا مسلمان پر کفر، فسق یا خبث کا اتہام کیا جائے تو اسے تین سے انتالیس تک کوڑے لگائے جا سکتے ہیں۔ اسے تعزیر

marfat.com

کہتے ہیں اور یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔

اجراء حدود پر ایک اشکال یہ ہے کہ ایک طرف تو اسلام نے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کی ہدایت کی ہے (من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا والآخرة۔ بخاری) دوسری طرف اجراء حدود کا سختی سے حکم دیا چنانچہ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے (ولا تاخذکم بھما رافة) اور حد کا جاری کرنا اس کے ثبوت پر موقوف ہے۔ اور اس کا ایک مقدمہ شہادت ہے اور جس کے خلاف شہادت ہوگی اس کی یقینا پردہ دری ہوگی۔ پس یہ دو احکام ایک ستر مسلم دوسرا اجراء حدود جو معنیً ہتک مسلم ہے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اس کے جواب میں گزارش ہے کہ ستر اور شہادت دونوں کے محل الگ الگ ہیں۔ اگر کوئی شخص اغوا شیطان اور شامت نفس سے ایک آدھ بار اس درطہ ہلاکت میں گر جائے تو اس سے درگذر کرنا چاہیے اور اگر کچھ لوگوں کے علم میں یہ جرم آجائے تو ان کے لیے یہی مستحب ہے کہ وہ اس شخص پر ستر کریں۔ چنانچہ جب ہزال نے ماعز اسلمی کو مشورہ دیا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاکر اپنے جرم کا اعتراف کرے تو آپ نے ہزال کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا" لو سترته بثوبك لكان خيرا لك" ابوداؤد۔ اگر تو اس کی پردہ پوشی کرتا تو یہ بہتر تھا) اور اگر کوئی شخص اس فعل قبیح کو اپنا مشغلہ بنالے اور ان افعال قبیحہ کی اشاعت اور ان پر فخر کرے تو اسکے خلاف شہادت دینا واجب ہے تاکہ احکام الٰہیہ کی تخفیف اور حدود شرعیہ کی بے حرمتی نہ ہو۔

ایک اور اعتراض اس مقام پر کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں غیر انسانی اور وحشیانہ ہیں اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ اس اعتراض کا سبب اور پس منظر یہ ہے کہ زنا اور شراب کا رواج آج معاشرہ کے بعض طبقوں میں اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب وہ ان کی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں پس شراب اور زنا جن لوگوں کی طبیعت کا خاصا اور مزاج بن چکا ہے وہ ایک قبیح کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں پر ان جرائم کا قبح روشن نہیں ہے اس لیے انہیں ان کی سزا

marfat.com

ظالمانہ معلوم ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اختصاراً ان جرائم کی قباحت بیان کی جائے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ایسے شدید قبیح امر کو روکنے کے لیے اتنی ہی شدید سزاؤں کی ضرورت تھی۔ قبح زنا پر اولاً دلیل یہ ہے کہ اس سے نسب محفوظ نہیں رہ سکتا کیوں کہ جب زنا عام ہوگا اور ایک عورت متعدد اشخاص سے وابستہ ہوگی "تو فقیر کی جھولی میں کونسا دانہ کس کا" یہ کون جان سکتا ہے اور پھر اس فعل قبیح سے پیدا ہونے والی اولاد کا مستقبل ہر لحاظ سے تاریک ہو جائے گا۔ ثانیاً جب عورت کسی ایک شخص سے خاص نہ ہوئی تو ہر شخص اس کا مدعی ہو سکتا ہے اس سے بعض صورتوں میں فتنے پیدا ہوں گے اور قتل و غارت تک نوبت پہنچے گی۔ ثالثاً جب ایک عورت ہر مرد کی آماجگاہ بن سکے گی تو اس کی زندگی اور ایک جانور کے طرز حیات میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ رابعاً جو عورت بھی تکمیل ہوس کا ذریعہ بنے گی وہ آخر کسی کی بہن اور بیٹی ہوگی اب اگر وہ اس فعل پر راضی رہیں تو بے غیرتی، نہ راضی ہوں تو کشت و خون، غرضیکہ یہ ایک فتنہ بے شمار فتنوں کا دروازہ ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس فتنہ کو پوری شدت سے روکا جائے اس لیے اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ السلام نے اس جرم کے لیے کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی۔ اسی طرح شراب کی بے شمار خرابیاں ہیں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے عقل بے کار ہو جاتی ہے اور پھر انسان جانوروں کی سطح سے بھی گر جاتا ہے۔ فخر رازی اور علامہ آلوسی نے بیان کیا کہ ابن ابی الدنیا ایک شرابی کے پاس سے گزرے جو پیشاب کرنے کی حالت میں اسی پیشاب سے وضو کر رہا تھا اور کہتا تھا الحمد للہ الذی جعل الاسلام نور الماء طهوراً۔ ثانیاً اس سے عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے اور یہ عبادت میں حارج ہے۔ ثالثاً اس سے بکثرت امراض جسمانیہ پیدا ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ام الخبائث فرمایا۔ اور یہ کہ "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی"۔

ان قبائح کے پیش نظر ضروری تھا کہ اسے بھی پوری سختی سے روکا جاتا۔ اسی لیے شریعت نے اس پر اسی کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی ہے اس اعتراض کے جواب

marfat.com

میں ثانیاً" گذارش ہے، چلئے مان لیا یہ غیر انسانی سزائیں ہیں لیکن جن افعال پر یہ سزائیں دی جاتی ہیں کیا وہ انسانوں کے کام ہیں؟ بغیر کسی ضابطہ اور قید کے جس سے چاہے ہوس پوری کر لینا بلا استحقاق جس کا چاہے مال لے لینا، تہمت لگا کر کسی شریف کی عزت تباہ کر دینا اور شراب پینے کے بعد جو افعال صادر ہوتے ہیں کیا یہ سب غیر انسانی افعال نہیں ہیں۔ پھر اگر غیر انسانی جرائم پر ویسی ہی سزا دی جائے تو یہ موجب طعن ہے یا عین حکمت کا مقتضیٰ؟ ثالثاً" ارباب عقل کے درمیان یہ امر مسلم ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ میں کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جس سے باقی جسم کو ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس حصہ کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے تاکہ باقی جسم اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ پس جب کوئی شخص چوری شراب خوری یا بدکاری کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بار بار ان امور کا ارتکاب کرے گا اور اس سے مسلمانوں کے معاشرہ میں دو قسم کا نقصان لاحق ہو گا ایک تو اس کی چوری اور بدکاری سے ان کی عزت اور مال کا ضیاع ہو گا۔ دوسرے اس بیماری کے جراثیم معاشرہ کے دوسرے صحت مند افراد کو بیمار کر دیں گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المومنون کرجل واحد" تمام مسلمان جسم واحد کے بمنزلہ میں ہیں اور ایک شخص ایک عضو کے مرتبہ میں ہے۔ پس جب مسلم معاشرہ کے ایک فرد نے بدکاری کی تو یوں سمجھئے کہ جسم کا ایک عضو فاسد ہو گیا جس کے فساد سے باقی اعضاء کے فساد یا انہیں ضرر پہنچنے کا خطرہ ہے ایسے میں اس فاسد عضو کو کاٹ کر باقی اعضاء کو اس کے فساد سے بچا لینا کیا عین حکمت کے مطابق نہیں ہے۔ رابعاً انسان کی عظمت اور اس کا شرف صرف اسی شکل میں ہے جب وہ اللہ کا اطاعت گذار ہو اور جب اس نے اللہ تعالیٰ کے قوانین سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرکشی کی تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ہاتھ جس کی قیمت اسلام نے بشکل دیت پچاس اونٹ مقرر کی ہے جب چوری کر کے نافرمانی کرے تو دس درہم کے عوض اسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اللہ کا سرکش اور باغی کسی اعزاز کا مستحق ہی نہیں ہے کہ اجراء حدود

marfat.com

اس کے منافی ہو۔ خامساً یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سنگسار کرنے یا کوڑے لگنے سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوڑے وہ سرکشی اور بغاوت کھا رہی ہے جس نے حدود اللہ کو لائق احترام نہیں سمجھا اس میں انسانیت کی نہیں بلکہ سرکشی اور بغاوت کی تذلیل ہے۔ سادساً ان سزاؤں کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو زبردست عبرت حاصل ہوتی ہے جب ایک مجمع عظیم کے سامنے کسی کو رجم کیا جائے یا اسے کوڑے لگائے جائیں تو دیکھنے والوں پر یقیناً ایک نفسیاتی اثر پڑے گا جب ایک کٹے ہوئے ہاتھ پیر والا سزا یافتہ شخص بار بار نظروں کے سامنے آئے گا تو ذہن میں اس جرم سے نفرت کا تصور اور گہرا ہو جائے گا۔ سابعاً اس بحث میں پڑنا کہ کس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ یہ ہمارا منصب نہیں بلکہ جس ذات کا جرم کیا ہے، سزا کا بھی اسی کو اختیار ہے۔ جیسی اور جس طرح سزا دے وہ مالک علی الاطلاق ہے اور ہم اس کے مملوک مطلق ہیں۔ پس یا تو ہم اپنے آپ کو اس ملکیت میں شمار نہ کریں اور سرے سے انکار کردیں اور یا جب اس کو حاکم مان لیا ہے تو اس کے کسی فیصلہ پر اعتراض نہ کریں۔

چنانچہ ان حدود کے مخاطب وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس کو حاکم مان لیا اور جو لوگ منکر ہیں وہ ان احکام کے مخاطب نہیں ہیں۔ ثامناً حدیث شریف میں ہے حشر کے روز ایک حاکم کو پیش کیا جائے گا جس نے حد جاری کرتے وقت ایک کوڑا کم لگایا تھا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا وہ کہے گا تیرے بندے پر رحم کرنے کے لیے ارشاد ہوگا تو ہم سے زیادہ رحیم ہے؟ پھر حکم ہوگا اسے جہنم میں ڈال دو۔ (بحوالہ تفسیر کبیر جلد ۲ صد ۲۴) تاسعاً آج کی مہذب اور شائستہ دنیا سیاسی مجرموں اور نظریاتی مخالفوں پر قابو پانے کے بعد ان سے کیا سلوک کرتی ہے؟ جسم کے نازک حصوں کو عریاں کر کے انہیں سگریٹ سے داغنا، بجلی کے نل سے پیٹ میں پانی بھرنا۔ مجرم کو اس کی بہنوں کے ساتھ جمع کر کے انہیں برہنہ کر دینا بجلی کے پیہم جھٹکے پہنچانا بالآخر اسے یوں ہی نفسیاتی اور جسمانی اذیتیں دے دے کر مار ڈالنا، کیا یہ سب کچھ انسانی شرف اور فرشتوں کا تقدس ہے انسان اپنے مجرم کو جو نہ اس کا مخلوق ہے نہ مملوک ہے جس طرح چاہے سزا دے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور رب کائنات اپنے مجرم کو جو اس

کا مملوک و مخلوق ہے اس سے کم درجہ کی سزا دے تو اعتراض کے لئے ان لوگوں کی زبانیں کھل جاتی ہیں۔ ع

بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است

حدود و تعزیرات میں ایک یہ بحث بھی ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص پاک وصاف ہو جاتا ہے اور اس جرم پر اب آخرت میں اسے عذاب نہ ہوگا یا یہ کہ یہ اس کے عذاب کی صرف ایک قسط تھی اور دوسری قسط اسے آخرت میں بھگتنی ہوگی۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ حد جاری ہونے سے پہلے اگر اس نے توبہ کرلی ہے اور اپنے فعل پر نادم ہو کر آئندہ عدم عود کا عزم کر چکا ہے تو بمطابق فرمان رسالت "ومن اصاب من ذالك شيئاً فعوقب به فهو كفارة" (بخاری) تو اس سے آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر وہ اتفاقاً پکڑا گیا اور اس کی سرکشی باقی ہے تو بمطابق فرمان الٰہی "ذالك خزى لهم فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذابٌ عظيم- المائدة : ۳۳" اس کے لیے یہ دنیاوی سزا کافی نہیں اور اسے آخرت میں اس سے زیادہ عذاب بھگتنا ہوگا۔

"وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين"

marfat.com

اسلام میں غرباء کا مقام

اسلام کے مخالفین جہاں اسلام پر اور بہت سے اعتراضات کرتے ہیں، ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اسلامی ممالک کے مقابلے میں غیر اسلامی ملک زیادہ قوی اور مالدار ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں عبادت گذاروں کے بہ نسبت غیر عبادت گذار زیادہ مالدار اور خوشحال ہیں۔ اگر اللہ کو ماننا یا اس کی عبادت کرنا کوئی نفس الامری حقیقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے ماننے اور عبادت کرنے والوں کو یوں کس مپرسی کے عالم میں نہ چھوڑتا۔ نیز قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴ (جو میری عبادت سے اعراض کرتا ہے اس پر معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔) حالانکہ آج معیشت انہیں پر کشادہ ہے جو اس کی عبادت سے اعراض کرنے والے ہیں اس کے جواب میں اولاً گذارش ہے کہ مادی وسائل کی کثرت اور مال و دولت کی فراوانی کبھی اور کسی دور میں حق و باطل کا معیار نہیں رہی ہر قسم کے عقائد و افکار رکھنے والوں میں یہ امور مشترک رہے ہیں پس ایک ایسا عام اور مشترک امر حق و صداقت کا مابہ الامتیاز کیسے قرار پا سکتا ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کی نیکیوں کی جزاء کو تقسیم کر دیا۔ کفار کو ان کی نیکیوں کی جزا دُنیا میں دے دی اور مومنوں کی جزا کو آخرت کے لیے محفوظ رکھا۔ رہا یہ سوال کہ اس کا الٹ کیوں نہ کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر غیب کا منکر ہے اور ظاہر کو مانتا ہے اس لیے اس کے اعمال حسنہ کی جزا اسی عالم شہادت میں مناسب تھی اور مومن چونکہ ایمان بالغیب کا اقرار کرتا ہے اس

marfat.com

لیے اس کے اعمال کی جزاء آخرت میں مناسب تھی جو امور غیبیہ میں سے ہے ثالثاً اللہ تعالیٰ رحمان ہے اگر کافر کی دُنیا اور آخرت دونوں عذاب ہوتیں تو کافر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں کہتا، اے خداوند کریم تو میرے حق میں رحمان کس طرح ہو گا جبکہ میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ تیرے قہر کا شکار رہا ہوں۔ اس لیے اللہ تعالےٰ کے رحمان ہونے کا تقاضہ ہے کہ دُنیا میں کفار پر وسعت کی جائے۔ رہا یہ امر کہ کفّار پر وسعت کرنے سے مومنوں پر دُنیا کیوں تنگ ہوئی۔ اس کا جواب آئندہ سطور میں واضح ہو جائے گا۔ رابعاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَقْدِرُ۔ الرعد ۲۶ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے رزق میں وسعت اور تنگی پیدا کرتا ہے احکمت اور عدل کا تقاضا تھا کہ مومن اور کافر دونوں اللہ کی مخلوق ہیں لہذا دونوں پر وُسعت اور تنگی کا ظہور ہونا چاہیئے۔ پس مومن پر دنیا تنگ اور آخرت وسیع کر دی اور کافر پر دُنیا وسیع اور آخرت تنگ کر دی۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر (دنیا مومن کی قید اور کافر کی جنت ہے) یا یوں کہیئے کہ کافر کا مطمح نظر دنیا تھی اس کی دنیا وسیع کر دی اور مومن کا مطمح نظر آخرت تھی اس کی آخرت وسیع کر دی۔ خامساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ۔ دنیا مُردار ہے اور کفّار کو قرآن نے مُردہ قرار دیا۔ حیث قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وقال اللہ تعالیٰ ما انت بمسمع من فی القبور اور مُردہ مردے کے مناسب ہوتا ہے اس لیے دُنیا کفار ہی کے مناسب تھی اس کے مقابلے میں مومن زندہ ہے اور آخرت زندگی ہے۔ بقولہ تعالیٰ فی عیشۃ راضیۃ ط اور زندگی زندہ کے مناسب ہے اس لیے مومن کو آخرت دیدی۔ سادساً کافر کا کفر فانی ہے کیونکہ آخرت میں یہ کفر زائل ہو جائے گا اور وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر کے ان پر ایمان لے آئے گا اور مومن کا ایمان باقی ہے کیونکہ اس کا ایمان دنیا میں بھی اللہ پر ہے اور آخرت میں بھی اللہ پر ہوگا۔ پس مومن کے حال کے مناسب بقا تھی اور آخرت باقی ہے۔ اسے آخرت دے دی اور کافر کے حال کے مناسب فنا تھی اور دنیا فانی ہے اس لیے اسے دنیا دے دی۔ سابعاً کفار کو اللہ تعالےٰ نے مال و دولت کی کثرت استدراجاً عطا فرمائی۔

marfat.com

ہے۔ حیث قال اللہ تعالیٰ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیٔ حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا ھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون۔ الانعام ۴۴ (پس جب انہوں نے اللہ کا پیغام بھلا دیا تو ہم نے ان پر نعمتوں کے تمام دروازے کھول دیے حتیٰ کہ جب وہ ان نعمتوں پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا یعنی موت طاری کر دی اور وہ حیرت زدہ ہو گئے۔) اور مسلمانوں کو تنگی کا شکار ابتلاءً کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔ العنکبوت ۲ (کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ انہیں محض ان کے دعویٰ ایمان پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی) نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (سب سے زیادہ تکالیف انبیاء پر آتی ہیں پھر بحسب مراتب جو ان کے قریب ہو) ہے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ کفار پر نعمتیں ان کے حق میں استدراج ہیں اور مسلمانوں پر زحمتیں ان کے حق میں ابتلاء ہیں۔ ثامناً ترمذی شریف میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالےٰ کے نزدیک مچھر کے پر جتنی بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی عطا نہ فرماتا اس حدیث شریف سے معلوم ہوا مسلمانوں کے پاس دنیا کی وسعتوں کا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان میں دنیا کی لیاقت نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ دنیا خود ان کے لائق نہیں ہے۔ تاسعاً بخاری شریف میں ہے۔ حجبت النار بالشھوات وحجبت الجنۃ بالمکارہ (جہنم پر شہوات کا پردہ ہے اور جنت پر تکلیفوں کا) اس لیے حصول جنت کی خاطر ہر نوع تکلیف اٹھانی ہو گی۔ عاشراً جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوا سے اللہ کی راہ میں تمام تکلیفیں عین راحت معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہید جنت کی تمام نعمتیں دیکھنے کے بعد بھی یہ تمنا کرے گا کہ کاش خدا کی راہ میں پھر سر کٹانے کی سعادت نصیب ہو اور جو دنیا کی محبت میں مستغرق ہو اسے عین راحت میں بھی دل

marfat.com

نعمت کا خوف دامن گیر رہتا ہے. پس اہلِ اللہ پر اگرچہ تکالیف اور مصائب طاری رہتے ہیں لیکن وہ سب ان کے حق میں کیف و سرور کا حکم رکھتے ہیں.

ہوسکتا ہے کہ اس مقام پر کسی شخص کو یہ شبہ لاحق ہو کہ جب دنیا مُردار، فانی، مچھر کے پر سے حقیر ہے اور مجسمہ شہوات ہے تو پھر مسلمان دنیا سے بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو جائے اور جد و جہد، کشور کشائی اور ملک و سلطنت سے کنارہ کر کے فقر و مسکنت کی زندگی بسر کرے. جواباً گذارش ہے کہ مسلمان کا طریقہ بلا شک و شبہ فقر ہے. مگر فقیر مسکین نہیں، فقیر غیور ہے. وہ فقر نہیں. جسے کا دالفقرُان یکون کفراً سے تعبیر فرمایا بلکہ وہ فقر ہے. جو باعث فخر ہے وہ فقر جس میں ابوذر کا استغناء ہو. بلال کی غیرت ہو، عمر فاروق کا فقر جس کی ہیبت سے قیصر و کسرٰے کے ایوان لرزتے تھے اور جس کی راتیں لوگوں کی ضرورتیں معلوم کرنے کے لیے مدینہ کی گلیوں میں خاک چھاننے گذر جاتی تھیں. جو بوریئے پر بیٹھ کر دنیا کی تقدیر بناتا تھا اور جسے برسر منبر بھی ایک بوڑھا ٹوک دینے کا حوصلہ رکھتا تھا. کشور کشائی اور زرو دولت کا حصول مسلمان اور کافر دونوں کرتے ہیں. لیکن کافر ملک کی تسخیر اور مال کی تحصیل اپنی حکومت اور ذاتی تعیش کے لیئے کرتا ہے. کافر کائنات کو مسخر کرنے کے لیے مادی قوتوں کو اجاگر کرتا ہے اور اس کا منشا کمال یہ ہے کہ وہ چاند سورج کے گرد گردش کرنے لگے اور مومن روحانی قوتوں کو بڑھاتا ہے اور اس کے کمال کا منتہا یہ ہے کہ چاند سورج اس کے اشارے پر گردش کرتے ہیں ؎

کافر کی یہ پہچان ہے کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان ہے گم اس میں ہیں آفاق

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا مُردار اور مچھر کے پر کی طرح ہے و نعمت اس وقت ہے جب اسے برائے دُنیا حاصل کیا جائے اور جب دنیا فی سبیل اللہ کے لیے ہو تو یہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ کا مصداق ہے چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تقسیم کیا گیا. حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ کچھ بچا ہے عرض کیا گیا ایک ران باقی ہے فرمایا نہیں سب

marfat.com

باقی ہے سوا اس ایک دان کے یعنی جو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا گیا وہ باقی ہے اور جو تمہارے نفس کے لیے رہ گیا، وہ فانی ہے پس دُنیا حاصل کر کے اسے اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کر دیا جائے تو وہ باقی اور زندہ جاوید ہے۔ اور اگر صرف ذاتی تعیش کے لیے اسے حاصل کیا جائے تو مُردار اور مچھر کے پَر کی طرح بے وقعت ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ روحانیت کی با ... ولیاء اللہ اور بزرگان دین کے ساتھ خاص ہے عام مادی نقطہ نگاہ سے اسلام نے سرمایہ داروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کیا جس میں حصول زر کی کوئی تحدید نہیں۔ اراضی اور پیداوار کے دوسرے ذرائع کی مقدار متعین نہیں۔ محنت کش اور مزدور طبقہ کی اُجرت کا کوئی تعین نہیں قیمت مقرر کرنے کی اجازت نہیں۔ ...ن کے نتیجہ میں گرانی کو روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ سرمایہ دار کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کی قیمت دن بدن بڑھا کر ہولناک حد تک پہنچا دے۔ مالکان کو اختیار ہے کہ وہ محنت کشوں کی جس قدر چاہے کم تنخواہ مقرر کریں نتیجتہً چار پانچ روپیہ یومیہ پانے والا مزدور دس سال میں اپنی ذمہ داریاں اور اخراجات کئی گنا بڑھا کر گرانی اور افکار کے بوجھ تلے دب کے ٹی بی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور مِل کا مالک اس عرصہ میں ایک مِل سے دس ملیں بنا تا ہے آخر اس طبقاتی منافرت کی ذمہ داری کس نظام پر ہے۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ موجودہ بے اطمینانی اور طبقاتی کش مکش کا ذمہ دار اسلام نہیں بلکہ اس کا ذمہ دار ارباب اقتدار طبقہ ہے۔ جنہوں نے ایک طرف تو اسلام کو اپنانے اور اس کے احکام کے نفاذ سے گریز کیا اور دوسری طرف سرمایہ داروں کو ناجائز مراعات دیں جس کی وجہ سے چند افراد قوم کی دولت کے ایک عظیم حصہ پر قابض ہو گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دفتری نظام میں نوکر شاہی کو فروغ دیا گیا۔ افسروں اور عام کلرکوں کی تنخواہوں میں ایسا فرق رکھا کہ یہاں بھی دو طبقہ پیدا ہو گئے۔ رشوت ستانی کو اس حد تک عام ہو جانے دیا کہ کوئی شخص بغیر رشوت دیے کوئی کاروبار کر ہی نہیں سکتا۔ خویش و اقارب کے لئے بے مقص... اور غیر ضروری آسامیاں پیدا کر کے حکومت پر غیر ضروری بوجھ ڈالا

marfat.com

گیا، زکوٰۃ، عُشر، جزیہ اور خراج کے حصول کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ منظورِ نظر لوگوں کو ناجائز عطیات دیئے گئے، قومی سرمایہ سے امراء کو روپیہ فراہم کیا گیا۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی غیر اسلامی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے قومی خزانہ اس قدر کمزور ہو گیا کہ وہ غرباء کے مسائل حل کرنے میں بے بس ہو گیا اور امراء کو اربابِ اقتدار سے اس قدر مراعات ملیں کہ وہ ملک کی عظیم دولت پر قابض ہو گئے۔ اب بھی کچھ بگڑا نہیں ہے پوری ایمانداری سے کھوج لگا کر ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی دولت کو واپس لیا جائے پاکستان کی کل زرعی پیداوار کا عُشر قومی خزانہ میں داخل ہو۔ امراء کے تمام اموال سے زکوٰۃ لی جائے جزیہ اور خراج وصول ہو۔ افسروں اور ماتحتوں کی تنخواہوں میں تفاوت کم کیا جائے ناجائز عطیات واپس لیے جائیں تو یقیناً قومی خزانہ اتنا قوی ہو گا کہ اس سے بے روزگاروں کیلئے اسباب فراہم ہو سکیں گے، یتیموں اور ضرورت مندوں کے لیے ان کی ضروریات کے مطابق وظائف مقرر کیے جائیں اور اس طرح حضرت عمرِ فاروق اور عمر بن عبدالعزیز کے مثالی طرزِ حکومت کا احیاء کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ بے اطمینانی ختم نہ ہو جائے۔

آیئے اب اس امر پر غور کریں کہ اسلام نے امراء کو عزت دی ہے یا غرباء کو۔ اسلام نے امراء پر زکوٰۃ اور عشر کو فرض کیا اور حکم دیا کہ غرباء کو اپنی پیداوار کا دسواں اور اپنے اموال کا چالیسواں حصہ دو۔ غرباء کو یہ نہیں فرمایا کہ تم امراء سے جا کر یہ رقم لو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی میں امراء غرباء کے محتاج ہیں۔ غرباء کو امراء کی احتیاج نہیں ان محنت کشوں اور مزدوروں کو سرمایہ داروں کے دروازوں پر جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ امراء غرباء کے دروازوں پر جائیں اور ان سے عُشر و زکوٰۃ لینے کی گدا کریں۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے ۔۔۔ خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اگر غرباء کو امراء عشر و زکوٰۃ نہ دیں تو ان کی دنیا بگڑنے کا اندیشہ ہے اور اگر غرباء امراء سے عشر و زکوٰۃ نہ لیں تو ان کی آخرت بگڑنے کا خطرہ ہے۔ پس امیر اگر زکوٰۃ دیکر غریب کی دنیا سنوارتا ہے تو غریب زکوٰۃ لے کر امیر کی عقبیٰ سنوارتا ہے وہ دنیا کے

marfat.com

محسن یہ عقبیٰ کے محسن۔ عشر و زکوٰۃ دینے کے باوجود امراء عرصہ محشر میں پانچ سو سال تک کھڑے منتظر ہوں گے، جب غرباء، محنت کشوں اور مزدوروں کا قافلہ گذر جائے گا تو پانچ سو سال بعد امراء کو جنت میں جانے کی اجازت ملے گی۔ اجر و ثواب کی بات آئی ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ امراء صدقہ کریں تو اللہ تعالےٰ نے دس سے سات سو گنا تک اجر دینے کا وعدہ فرمایا لیکن جب غربت کے ماروں، آلام و مصائب پر صبر کرنے والوں کی باری آئی تو اعداد شمار ختم کر دیئے اور فرمایا انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ الزمر: ۱۰ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ بے حساب اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

غرباء اکثر بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے سب پر ایک ماہ کی بھوک پیاس فرض کر دی، یہ حصول معاش کے لیے وطن سے دور مارے مارے پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے امراء پر حج فرض کر دیا۔ امراء روزے رکھیں تاکہ ان پر غرباء کی بھوک ظاہر ہو، یہ حج کے لیے سفر کریں تاکہ ان میں مسافر اور غربت کا رنگ پایا جاسکے۔ زیب و زینت اور لذت سے دور رہیں تاکہ ان پر غربت کی بے کسی طاری ہو۔ مہد سے لے کر لحد تک رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری زندگی ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے خزائن ارض و سماء کی چابیاں رکھنے کے باوجود فقر و فاقہ سے زندگی گزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرتے ہی آپ کو بنو سعد کی ایک غریب دایہ کی آغوش میں دے دیا تاکہ ابتداء سے یہ تصور قائم ہو کہ آپ غرباء کے ہیں۔ آپ نے بکریاں چرائی ہیں، خندقیں کھودی ہیں دودھ دوہا ہے، پھٹے کپڑے سیے ہیں، بوجھ اٹھایا ہے اور وہ سارے کام کیے ہیں جو غرباء کرتے ہیں، قرضہ لیا، سامان گروی رکھا ہے۔ پیوند لگا ہوا لباس پہنا ہے، دو وقت کا کھانا نہیں کھایا، دو دو ماہ کاشانۂ اقدس میں آگ نہیں جلی، بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر دو دو پتھر باندھے ہیں، حنا دید قریش کی باتیں سنی ہیں، طنز و استہزاء کا نشانہ بنے ہیں۔ اور یہ وہ سب حالات ہیں جن کا عام طور پر غرباء کو سامنا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امت کا کوئی غریب ان حالات کا سامنا کرے تو اس کے سامنے

marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہو اور وہ یہ سوچے کہ ان تکالیف میں میں تنہا تو نہیں۔ رسول اللہ نے بھی یہ دن گذارے ہیں اور مجھ سے بڑھ کر کٹھن ایام گزارے ہیں جب بھوک کی شدت سے کوئی غریب بلبلا اٹھے، جب غم و اندوہ کے کرب سے کوئی محنت کش بے چین ہو جائے تو رسول اللہ کی تکالیف اس کا سہارا بن جائیں جب دنیا کسی مزدور کو ٹھکرا دے، اس پر آوازے اور پھبتیاں کس کر اس کی عزت کو پامال کر دے تو رسول اللہ کا صبر و استقلال اس کے زخموں کے لیے تسلی کا مرہم بن جائے امراء کوٹھیوں کے مالک ہو سکتے ہیں۔ کارخانے چلا سکتے ہیں، بنک میں زر کثیر جمع کرا سکتے ہیں لیکن رسول اللہ کی زندگی کے پیکر نہیں بن سکتے، اور غرباء اور کچھ لیں یا نہ لیں رسول اللہ کی زندگی لے سکتے ہیں۔ امراء کے لیے مال و دولت کے انبار سہی غرباء کیلئے یہ اعزاز کچھ کم تو نہیں کہ رسول اللہ کی گذاری ہوئی زندگی ان کی زندگی ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ فقراء رسول اللہ پر فخر کرتے مگر کیا یہ انکی عظمتوں کی معراج نہیں کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء پر فخر فرمایا ہے اور جب بھی غریب مزدور اور محنت کش لوگ جن کے لیے رسول اللہ نے ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزاری سڑکوں پر ماؤ اور لینن کی سیرت کا پرچار کرتے پھریں تو ذرا چشم تصور سے سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا گزرتی ہوگی!

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرصہ محشر میں ایک شخص سے فرمائے گا میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ شخص عرض کرے گا۔ اے رب اللہ! تو رب العالمین ہے میں تیری کیسے عیادت کرتا۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا۔ تو مجھے وہاں پاتا، پھر فرمائے گا، میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، وہ شخص پھر عرض کرے گا۔ اے خداوندا تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے کھلاتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اسے کھلاتا تو مجھے وہاں پاتا پھر فرمائے گا میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ پلایا، وہ عرض کریگا میں تجھے پانی کیسے پلاتا، فرمائے گا میرا فلاں بندہ پیاسا تھا تو اسے پانی پلاتا تو مجھے وہاں پاتا۔

marfat.com

اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غریب بندوں پر الطاف و عنایت کی انتہا کردی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ غریب کی ذات کو اپنی ذات قرار دیتا ہے۔ امراء اپنی ثروت و حشمت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں، اور اے غرباء! تمہارے افتخار کے لیے یہ کچھ کم تو نہیں کہ تم بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بیمار ہوں۔ تم بھوکے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بھوکا ہوں، تم پیاسے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں پیاسا ہوں۔ تمہاری ذات کو اپنی ذات قرار دیا۔ تمہارے حال کو اپنا حال قرار دیا۔ امراء امارت پر ناز کرتے ہیں اور اے غرباء تم خدا کی ذات پر ناز کرو۔ مال ان کا ہے خدا تمہارا ہے۔

---

marfat.com

انڈا حلال ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و فقہائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ :۔

بیضہ مرغ جس کا استعمال عام ہے اس کے کھانے کا شرعی حکم کیا ہے صحابہ کرام کے گھروں میں مرغیوں کی پرورش کا تذکرہ موجود ہے مگر یہ نظر سے نہیں گزرا کہ ان حضرات نے انڈا کھایا ہے اگر نقل موجود ہو تو تشویش ختم ہوجاتی ہے۔ براہ کرم اگر نظر سامی سے گزری ہے مع حوالہ ارقام فرمائیں۔ وجہ تشویش یہ ہے کہ بیضہ مادہ ولادت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی چوزہ ضروری عمل کے بعد انڈے سے برآمد ہوتا ہے اس جگہ میں آپ کی اجازت سے بعض لوگوں کا یعنی انجدیہ والوں کا جواب من و عن نقل کرتا ہوں۔ امت مسلمہ کا کھانا حلت کی دلیل ہے۔ نقل کی ضرورت نہیں۔ وھذا لیس بشیئ اس لیے کہ امت مسلمہ قدوۃ نہیں ہے اور جو اس امت میں قدوۃ ہیں انہیں کے عمل کی تلاش ہے تو نقل کی ضرورت تو ہے وہ آپ کے تعاون سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

محمد رفعت اللہ صدیقی۔ 5-D-L-19، لانڈھی نمبر ۱۹ کراچی۔

الجواب ہو الموفق للصواب۔

ہر حلال پرندے کا انڈا کھانا جائز ہے اور اس پر احادیث شریف میں دلائل موجود ہیں۔ احادیث کے علاوہ فقہائے کرام کی تصریحات بھی بکثرت موجود ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں۔

marfat.com

عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل یوم الجمعۃ غسل الجنابۃ ثم راح فکانما قرب بدنۃ ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرب بقرۃ ومن راح فی الثالثۃ فکانما قرب کبشا اقرن ومن راح فی الساعۃ الرابعۃ فکانما قرب دجاجۃ ومن راح فی الساعۃ الخامسۃ فکانما قرب بیضۃ۔

(صحیح بخاری جلد ا صد ۱۲۱)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص نے دن کو غسل فرمایا۔ پھر مسجد میں جمعہ پڑھنے گیا اس نے گویا اونٹنی کا صدقہ کیا اور جو شخص دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا گائے کا صدقہ کیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے گویا سینگھوں والے مینڈھے کا صدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے گویا مرغی کا صدقہ صدقہ کیا اور جو پانچویں ساعت میں گیا اس نے گویا انڈے کا صدقہ کیا۔

اس حدیث شریف میں انڈے کا صدقہ کرنے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اگر انڈا حرام اور نجس ہوتا تو اس کے صدقہ کرنے کا حضور کبھی ذکر نہ فرماتے۔ حضور اکرم علیہ السلام نے انڈے کا ذکر ان تمام جانوروں کے ساتھ فرمایا ہے جو حلال ہیں اور دور رسالت میں ان کے کھانے کا عام رواج تھا۔
اور یہ اس بات پر ظاہر قرینہ ہے کہ مرغی کے انڈے کے کھانے کا بھی اس دور میں عام رواج تھا علاوہ ازیں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ زہری کی روایت میں کانما قرب کی جگہ کالذی یھدی کے الفاظ ہیں اور ہدی کے معنی قربانی کے بھی ہیں۔

(فتح الباری جلد ۳ صد ۱۸۰)

اور مرغی اور انڈے کی قربانی اگرچہ متعارف اور مشروع نہیں ہے تاہم اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انڈا بھی مرغی کی طرح حلال اور کھانے کی چیز ہے نیز امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

عن علی ان النبی علیہ السلام اتی

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور

marfat.com

ببیض النعام فقال انا قوم حرم اطعموہ اھل الحل۔ — علیہ السلام کی خدمت میں شتر مرغ کے انڈے لائے گئے آپ نے فرمایا میں محرم ہوں جو لوگ غیر محرم ہیں ان کو یہ کھلا دو۔

بحوالہ نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۳

شتر مرغ کا انڈا تمام پرندوں کے انڈوں میں سب سے بڑا انڈا ہے اور جب اس کے کھانے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم موجود ہے تو باقی حلال پرندوں کے انڈے بطریق اولیٰ جائز قرار پائے علاوہ ازیں امام بیہقی شعب الایمان میں حدیث مرفوع بیان کرتے ہیں۔

ان نبیا من الانبیاء شکیٰ الی اللہ سبحانہ الضعف فامرہ باکل البیض وفی ثبوتہ نظر ویختار من البیض الحدیث علی العتیق وبیض الدجاجۃ علی سائر بیض الطیر — انبیاء سابقین سے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انڈے کھانے کا حکم دیا (اس روایت میں محل نظر ہے) اور تازہ انڈوں کو باسی انڈوں پر اور مرغی کے انڈوں کو دیگر پرندوں کے انڈوں پر ترجیح دینی چاہیئے۔

(بحوالہ زاد المعاد جلد ۳ ص ۱۵۰)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

البیضۃ اذا خرجت من دجاجۃ اکلت۔ (عالمگیری جلد ۵ ص ۲۳۹) — اگر مرغی مر جائے اور اس میں سے انڈا نکال لیا جائے اسے کھایا جا سکتا ہے۔

اور امام ابن بزار کردری فرماتے ہیں:۔

ماتت الدجاجۃ وفی بطنھا بیضۃ توکل بحوالہ فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیہ۔ جلد ۶ ص ۳۶۵) — مرغی مر جائے اور اس کے پیٹ میں انڈا ہو تو نکال کر کھا لیا جائے۔

اور جب مردہ مرغی کے پیٹ سے انڈا نکال کر کھا لینا جائز ہے تو زندہ سے حاصل شدہ انڈے بطریق اولیٰ جائز قرار پائیں گے۔ بہر حال ان تمام تصریحات سے آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا کہ مرغی اور دیگر حلال پرندوں کے انڈے کھانا جائز ہے۔

marfat.com